خطباتِ فقیر
جلد ۲۶
از افادات
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم
مرتب
ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی غفرلہٗ
ناشر
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2618003

نام کتاب ــــــــــ خطباتِ فقیر (جلد ۲۶)

از افادات ــــــــــ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ــــــــــ ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ

ناشر ــــــــــ مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ــــــــــ جون 2010ء

کمپیوٹر کمپوزنگ ــــــــــ جامعۃ الحبیبؒ
شاداب کالونی فیصل آباد

پروف ریڈنگ ــــــــــ حضرت مولانا مفتی شاکر الرحمٰن نقشبندی

تعداد ــــــــــ 1100

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

❁❁❁❁

عرضِ ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطباتِ فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ چھبیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پروازِ فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر ؎

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

چونکہ یہ صاحب دل کی بات ہوتی ہے اس لیے دلوں میں اثر کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے بیانات کو ایک قبولیتِ عامہ حاصل ہے۔ حضرت کے بیانات سے علمائ[illegible] مستفید ہوتے ہیں عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، چھوٹے بھی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مردوں کے دل کی دنیا بھی بدلتی ہے، خواتین کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ غرض کہ ہر طبقہ کے انسان کے لیے یہ خطبات مشعلِ راہ ہیں۔

''خطباتِ فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کیا کہ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئینِ کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہء خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحرِ معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہلِ دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت و ذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہلِ ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہء جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر سیف اللہ نقشبندی
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی نور اللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی تم نے اپنی طرف سے اس کام کو نہیں کرنا بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ جب کبھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمد للہ شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا کیونکہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے لیے دعوتیں آنے شروع ہو گئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت ملی رختِ سفر باندھا اور عازمِ سفر ہوئے۔ اس کثرت سے اسفار ہوئے کہ بعض اوقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلہ بنا دیا۔ اِس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے ع

''قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں''

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے،
وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۔

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں خطبات فقیر کے عنوان سے نمبروار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علما طلبا نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

ان خطبات کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو
فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء

یہ خطبات مجموعہ ہے باغِ علی رضی اللہ عنہ (حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ) کے ایک پھول، عشقِ صدیق رضی اللہ عنہ کو دل میں بسا کر مشرب نقشبندیہ سے سیراب ہونے والی اور فنا فی الرسول کی منزل سے گزر کر فنا فی اللہ کا راز پانے والی ایک ہستی کے بیانات کا۔ جو نسبت کا نور دل میں لیے قریہ بہ قریہ قلوبِ انسانی کو محبت الٰہی سے گرمانے اور انہیں شریعت و سنت کی راہ پر لانے میں اپنے شب و روز ایک کیے ہوئے ہے۔ بلاشبہ پوری دنیا میں لاکھوں لوگ اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو رہے ہیں اور بعض سرشار ہو رہے ہیں۔ کہ

لطافتِ غمِ جاں سما گئی دل میں
نزاکتِ دلِ عاشق کو پالیا میں نے

حضرت اقدس محبوب العلما و الصلحا حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے دعوتِ رشد و ہدایت کے سفر کی ابتدا خانقاہِ عالیہ نقشبندیہ چکوال سے ہوتی ہے، جہاں انہیں مرشدِ عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت و خلافت کی نعمت سے شرف یاب فرمایا۔ عاجز کو حضرت اقدس مدظلہ سے بیعت ہونے کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ ابھی حیات تھے۔ حضرت کا بیان اس وقت بھی اتنا پرتاثیر ہوتا تھا کہ خانقاہِ عالیہ نقشبندیہ چکوال کے سالانہ اجتماع میں مختلف شہروں سے آنے والے احباب کو حضرت کے بیان کا خاص طور پر انتظار رہتا تھا۔ بعد ازاں حضرت دامت برکاتہم نے جھنگ میں دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا جو بہت جلد دوسرے شہروں میں پھیل گیا۔ چنانچہ فیصل آباد، لاہور، کراچی اسلام آباد گوجرانوالہ، بنوں وغیرہ میں مستقل بیانات

ہونے لگے اور یہ سلسلہ روز بروز پھیلتا چلا گیا ؎

راستے کھلتے گئے عزم سفر کے سامنے
منزلیں ہی منزلیں ہیں اب نظر کے سامنے

بیرون ملک سے دعوتیں ملنا شروع ہوئیں۔ امریکہ کی بہت سی ریاستوں میں مستقل بیانات ہونے لگے۔ پھر روس کی آزاد ریاستوں کے دورے ہوئے۔ متعدد یورپی ممالک میں جانا ہوا، آسٹریلیا اور پھر افریقی ممالک کی باری آئی، جہاں اب بھی رمضان المبارک میں اعتکاف اور تربیتی اجتماعات کا سلسلہ چل رہا ہے۔ برصغیر میں بنگلہ دیش، نیپال اور انڈیا میں جانا ہوا۔ انڈیا کے اسفار میں کثیر تعداد میں لوگ فیض یاب ہوئے، اور علما کی بڑی تعداد نے آپ سے روحانی استفادہ کے لیے رجوع کیا۔ مشرق بعید کے ممالک ملائشیا اور سنگاپور وغیرہ بھی جانا ہوا۔ مشرق وسطی میں عرب امارات، شام، اردن اور مصر جیسے ممالک میں جانا ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ حجازِ مقدس کی طرف حج وعمرے کے اسفار تواتر سے ہوتے رہے۔ ارضِ حرمین شریفین جہاں پر پورے عالمِ اسلام سے عشاق کھنچے چلے آتے ہیں وہاں پر زائرین میں آپ کے بیانات کا ایک مستقل سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یوں اس مرکزِ فیض سے آپ کا فیض اطراف واکناف میں پھیل رہا ہے۔ سالانہ تربیتی نقشبندی اجتماع معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں ہوتا ہے۔ جہاں پر اندرون ملک اور بیرون ملک سے حضرت کے متوسلین کی کثیر تعداد جوق در جوق شریک ہوتی ہے۔ اس موقع پر حضرت کے خصوصی تربیتی بیانات ہوتے ہیں۔ جس کے حاضرین پر عجیب اثرات اور قابلِ دید کیفیات ہوتی ہیں۔ بقولِ شاعر ؎

خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں رازِ حسن وعشق
اہلِ دل، اہلِ جنوں، اہلِ نظر کے سامنے

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ اقدس مدظلہ کو بیان کا ایک عجیب ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حکمت کا گویا ایک دریا ہے جو بہہ رہا ہوتا ہے، جس سے ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگ بہرہ مند

ہوتے ہیں۔ جہاں بھی جاتے ہیں توبہ، انابت الی اللہ، محبتِ الٰہی، اور اصلاحی و تربیتی موضوعات پر بات ہوتی ہے۔ بقول

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

عجیب بات تو یہ کہ ابتدا میں حضرت بیانات کی ریکارڈنگ سے سختی سے منع فرما دیتے تھے کہ تشہیر کو ناپسند فرماتے تھے۔ لیکن کس کس کو کب تک روکتے اہلِ شوق اتنے تھے کہ آخر ریکارڈنگ ہونا شروع ہو گئی اور لاتعداد کیسٹیں بننے لگیں۔ آڈیو سی ڈیز کا دور آیا تو سی ڈیز والیم بھی بننے لگے۔ تاہم جو مقبولیت خطباتِ فقیر کی کتاب کو ملی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ عوام الناس سے زیادہ یہ خطبات علمائے کرام میں مقبول ہو رہے ہیں کیونکہ انہیں ان میں سے علم و حکمت پر مبنی مواد میسر آ جاتا ہے۔ اس طرح وہ بالواسطہ طور پر حضرت کے فیض کو آگے پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس قدر کام میرے حضرت سے لے رہے ہیں اور جس قدر عوام و خواص کا رجوع ان کی طرف ہو رہا ہے، اس کو دیکھ کر جہاں خوشی ہے وہاں یہ فکر بھی لاحق ہوتی جا رہی ہے کہ کہیں یدخلون في دين الله افواجا کا ناقوس تو نہیں بج رہا۔ ہائے افسوس کہ ہم کس قدر وقت ضائع کرنے والے ہیں......!!! اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت کی زندگی کی قدر کرنے کی اور ان سے خوب خوب استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیں۔ آمین ثم آمین

مجھے بے فکر کر دے گردشِ ایام سے پہلے
پلا نظروں سے بھی کچھ بادۂ گلفام سے پہلے

دعاؤں کا طالب

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ

یکے از خدام

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

(البقرة:۱۶۵)

محبت الٰہی کا مدار

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

اللہ تعالیٰ سے محبت کیسی ہو؟ جیسی بچے کو ماں سے۔ اگر چھوٹا سا بچہ ماں سے ذرا سا جدا کر دیا جائے تو وہ کیسے تڑپتا ہے؟ کیسے روتا ہے؟ اس کو پڑھی لکھی عورتیں اٹھائیں، خوبصورت عورتیں اٹھائیں، یا جو مرضی عورت ہو، وہ کبھی چپ نہیں کرے گا، جب تک کہ اپنی امی کے سینے سے نہیں لگ جائے گا۔ اس لیے کہ اس بچے کو ماں سے محبت ہے۔ وہ آرام نہیں کرتا۔ تڑپتا ہے، روتا ہے۔ ماں کتنی مصروف اور مشغول کیوں نہ ہو، سب کام چھوڑ کے آتی ہے اور بالآخر بچے کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ جب اس بچے کو ماں کے بغیر چین نہیں آتا، کاش! ہمیں بھی اسی طرح اپنے رب کے بغیر چین نہ آئے۔ ایسی محبت ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ بچہ ماں کا دیوانہ اور یہ مؤمن اپنے پروردگار کا دیوانہ بن جاتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

محبت الٰہی کا مدار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ o﴾ (البقرة:۱۶۵)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ o﴾ (البقرة:۱۶۵)

''اور ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے''

ایمان والے اللہ سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں۔

محبت کا خمیر:

اللہ رب العزت نے ہر انسان کو اپنی محبت کے خمیر میں گوندھا ہے۔ ہر انسان کے دل میں فطرتاً محبت ہوتی ہے، حق کو تلاش کرنے کی اور سچ کو تلاش کرنے کی۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ)) (الترمذی: رقم ۲۰۶۴)

''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے''

اور جب وہ کلمہ پڑھ لیتا ہے تو وہ اللہ سے محبت کرنے والوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہر ایمان والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے۔

اگر فرق ہوتا ہے تو وہ کم یا زیادہ ہونے کا ہوتا ہے۔ جو محنت کرتا ہے اس کے دل میں محبت کی کیفیت شدید ہو جاتی ہے اور حرارت بڑھ جاتی ہے۔ جو غفلت میں پڑ جاتا ہے تو محبت اس میں بھی ہوتی ہے لیکن اس کے دل میں محبت ذرا کم ہوتی ہے۔

محبت کے مقامات اور ثمرات:

تصوف اور سلوک کے جتنے بھی مقامات ہیں ان کا حاصل اور لب لباب اللہ رب العزت کی محبت ہے۔ کچھ مقامات اس کے لیے مقدمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے توبہ، انابت، زہد، ریاضت۔ یہ سب کے سب، دس مقدمات ہیں اس محبت کے حاصل ہونے کے اور جب محبت حاصل ہو جاتی ہے تو بقیہ مقامات اس کے ثمرات ہوتے ہیں، جیسے صبر، تسلیم، رضا۔ یہ سب کے سب محبت کے ثمرات ہوتے ہیں۔ اصل مقصد یہی ہے کہ دل میں اللہ رب العزت کی محبت بھر جائے تاکہ اس کی بندگی کرنا آسان ہو جائے۔

تجھ پر میرا حق بنتا ہے:

حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

((یَا ابْنَ اٰدَمَ خَلَقْتُ اَشْیَاءَ لَکَ وَ خَلَقْتُکَ لِی))

''اے آدم کے بیٹے! میں نے چیزوں کو تمہارے لیے پیدا کیا اور تمہیں میں نے اپنے لیے پیدا کیا''

تو ساری دنیا انسان کے لیے اور انسان کو پیدا کیا گیا رحمٰن کے لیے۔

ایک اور حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

((یَا عَبْدِیْ اَحَقِّیْ اٰدَمَ اِنِّیْ لَکَ مُحِبٌّ فَبِحَقِّیْ عَلَیْكَ كُنْ لِی مُحِبًّا))

(المنبوات:۱/۷۹)

''اے آدم کے بیٹے میں تیرے ساتھ محبت کرتا ہوں، تجھ پر بھی میرا حق بنتا ہے کہ تو مجھ سے محبت کرنے والا بن جا''

اس لیے حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((لا ایمان لمن لا محبة له)) (موسوعۃ الخطب:۱)

''اس کا ایمان ہی نہیں جس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت نہیں''

حصولِ محبت کے لیے محبت بھری دعائیں:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نعمت کو اللہ رب العزت سے مانگا کرتے تھے

⊙......ارشاد فرماتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ)) (مسند احمد:۳۶/۴۲۳)

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں''۔

اللہ رب العزت کی طرف سے پیارے حبیب ﷺ کو اتنی نعمتیں ملیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا)) (النسآء:۱۱۳)

''اور اے محبوب! تیرے اوپر اللہ کا بڑا فضل ہے''

اتنے فضل و کرم کے باوجود اللہ کے محبوب ﷺ دامن پھیلاتے تھے اور اللہ رب العزت سے اس کی محبت میں اضافے کا سوال کرتے تھے۔

⊙......نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَيَّ)) (کنز العمال:۳۶۴۸)

''اے اللہ! اپنی محبت کو میرے لیے تمام چیزوں کی محبت سے زیادہ محبوب بنا دیجیے''۔

یعنی آپ کی محبت، میرے دل میں تمام محبتوں پر غالب آجائے۔ قرآن میں بھی

ایسی ہی محبت کا تقاضا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبہ:۲۴)

''کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ بیٹے اور بھائی، اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو، اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم بھیجے''

یہاں اَحَبِیَّتْ کا حکم ہے۔ یعنی کچھ محبتیں ایسی ہیں جو شرعاً جائز ہیں۔ جیسے ماں باپ کی محبت، اولاد کی محبت، میاں بیوی کی محبت، مگر یہ ساری محبتیں نیچے ہوں اور اللہ رب العزت کی محبت ان سب پر غالب اور فائق ہو۔

⊙...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اور دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ))

(ترمذی، رقم:۳۸۲۸)

''اے اللہ! تو اپنی محبت کو میری اپنی ذات، میرے اہلِ خانہ اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی میرے لیے زیادہ محبوب بنا دیجیے۔''

یہاں ٹھنڈے پانی کا تذکرہ کیوں؟ اس لیے کہ جب ریگستان میں کوئی چل رہا ہو پسینے سے شرابور ہو اور اس کا حلق خشک ہو چکا ہو اس وقت اس کا پورے کا پورا جسم ٹھنڈے پانی کا متلاشی ہوگا۔ اسی طرح جب کسی کی محبت ہوتی ہے تو وہ انسان کے انگ انگ اور ریشے ریشے میں آجاتی ہے۔ وہ بھی اسی طرح پیاسا ہوتا ہے جس طرح کہ یہ

پیاسا بندہ پانی کا محتاج ہوتا ہے، اس لیے ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبت مانگی۔

⊙......ایک اور دعا یوں مانگی:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ وَلَذَّۃَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ)) (مسند الابرار: رقم ۱۳۹۲)

''اے اللہ! میں آپ کی ملاقات کا شوق مانگتا ہوں، اور اے اللہ! جو آپ کا کریم چہرہ ہے اس کو دیکھنے کی جو لذت ہے میں آپ سے وہ طلب کرتا ہوں''

محبت معانی و الفاظ میں لائی نہیں جاتی
یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

یہ سمجھانا بھی مشکل کام ہے کہ محبت ہوتی کیا ہے؟

لطف مے تا نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

''کوئی اس شراب الفت کی لذت سے واقف نہیں ہو سکتا جب تک کہ بندہ اس کو چکھ نہ لے۔''

کسی عارف نے کہا۔

کچھ حقیقت نہ ہو محبت کی
اک نشہ سا ضرور ہوتا ہے

محبت کی یہ پہچان ہے کہ جس پر یہ کیفیت ہو اس کے اوپر ایک نشہ سا ضرور ہوتا ہے۔ اس میں دیوانگی اور جنون سا ہوتا ہے، وہ اپنے محبوب کی رضا جوئی میں اور محبوب کا قرب حاصل کرنے میں لگا ہوتا ہے، اس لیے کہ اس کے دل میں محبوب کی محبت کا وہ نشہ موجود ہوتا ہے۔

دوطرفہ محبت......ایک آئیڈیل کیس:

یہ محبت ایک طرف سے نہیں ہے، بلکہ دونوں طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں

سے اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے۔ مگر دنیا کا دستور ہے کہ اگر دونوں طرف سے محبت ہو تو لوگ کہتے ہیں: جی! بڑا آئیڈیل کیس ہے، دونوں طرف سے محبت ہے۔ مگر اس معاملے میں اللہ رب العزت کی محبت زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت بندے کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا:

((اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَاءِیْ وَاَنَا اِلٰی لِقَائِهِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا))

(جامع الاحادیث: رقم ۱۱۶۰)

''جان لو! نیک لوگوں کا شوق میری ملاقات کے لیے بڑھ گیا اور میں ان کی ملاقات کے لیے ان سے بھی زیادہ مشتاق ہوں''

گویا بندہ اپنے رب کی رحمت کی طرف ایک قدم چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف دو قدم آتی ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

((وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً)) (ابن ماجہ: رقم ۳۸۱۲)

''اور اگر بندہ میری طرف چل کے آتا ہے تو میری رحمت اس بندے کی طرف دوڑ کے جاتی ہے''

محبوب سے وصل کی تڑپ:

محبت کا لفظ ہے تو چار حرفوں کا مجموعہ، لیکن

......گہرائی میں یہ سمندر سے بھی زیادہ

......اونچائی میں پہاڑوں سے بھی بلند اور

......اپنی حرارت میں یہ دنیا کی آگ کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہے۔

محبت کی وجہ سے بندے کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ زندگی بھر اس بندے کے ل میں ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جو اسے جھکنے نہیں دیتی۔ اس کے لیے دن اور رات کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ کھانا پینا اس کے لیے ضمنی چیز رہ جاتی ہے۔ اس کی نظر میں

ہر وقت ایک ہی مقصود ہوتا ہے کہ مجھے

......محبوب کا قرب نصیب ہو جائے۔

......محبوب کا وصل نصیب ہو جائے۔

......محبوب کی رضا نصیب ہو جائے۔

محبت اور معرفت کا تلازم:

محبت اتنی ہی زیادہ ہوتی جاتی ہے جتنی معرفت بڑھتی جاتی ہے، مثال کے طور پر:

۱......اگر بندے کو پتہ ہو کہ فلاں پھل اتنا میٹھا ہے اور اس کا ذائقہ اتنا اچھا ہے تو جتنا زیادہ پتہ چلے گا اتنا ہی اس کا جوس پینے کو زیادہ جی کرے گا۔

۲......اگر کسی مقام کی خوبصورتی کا پتہ ہو کہ فلاں جگہ تو اتنی خوبصورت سینری ہے، تو جتنی زیادہ اس کی تفصیل کھلے گی اتنا زیادہ دیکھنے کو دل کرے گا۔

۳......ایک مرتبہ ایک بچے کے سامنے ہم نے جنت کے واقعات سنائے۔ اس چھوٹے سے بچے نے جب جنت کے واقعات سنے تو سننے کے بعد کہنے لگا: پھر چلیں وہاں پر۔ یعنی جنت کے مناظر سنتے ہی اس بچے کے دل میں ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا: پھر چلیں وہاں پر۔

تو گویا محبت اور معرفت، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لیے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

"مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَمْ يُحِبَّ غَيْرَهٗ وَ مَنْ عَرَفَ الدُّنْيَا زَهَدَ فِيْهِ"

(طبقات الصوفیہ)

"جس شخص نے اللہ رب العزت کو پہچانا، وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کیے بغیر رہ نہیں سکتا اور جس نے دنیا کی حقیقت کو جانا' وہ دنیا کو چھوڑے بغیر رہ نہیں سکتا"

منعمِ حقیقی کے ساتھ محبت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا:

''تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، اس لیے کہ اس نے تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے''

اب اگر بندہ اس بات پر غور کرے کہ اللہ رب العزت نے اس کو کتنی نعمتوں سے نوازا ہے تو دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور زیادہ آئے گی۔ اس نے بینائی دی، سماعت دی، صحت دی، گویائی دی، عقل کی روشنی دی، عزت دی، رزق دیا۔ کتنی نعمتیں ایسی ہیں جو پروردگار نے بن مانگے عطا فرمائیں۔ چنانچہ دل سے یہ آواز آتی ہے کہ اس منعمِ حقیقی کے ساتھ اپنے دل کی گہرائیوں سے محبت کرنی چاہیے۔

معرفت کی بنیاد:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمَحَبَّةُ اَسَاسُ الْمَعْرِفَةِ))

''محبت، معرفت کی بنیاد ہے''

دنیا کی محبت کا نتیجہ:

اللہ تعالیٰ سے محبت اس لیے بھی کرنی چاہیے کہ دنیا کے جتنے بھی محبوب ہیں وہ ایک نہ ایک دن جدا ہو جائیں گے، کیونکہ جس نے دنیا سے محبت کی وہ ایک نہ ایک دن دنیا سے جدا کر دیا جائے گا اور جس نے اللہ رب العزت کی محبت کی وہ ایک نا ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سیدنا جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آکر عرض کیا: اے اللہ کے محبوب ﷺ!

((وَاَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ)) (شعب ایمان: رقم ۱/۱۰۵۴)

''اور آپ جس سے چاہیں محبت کیجیے' ایک دن آپ کو اس سے جدا ہونا پڑے گا''

اگر دنیا میں محبت کرنے والے دو بندے ہوں تو وہ ہر وقت تو اکٹھے نہیں ہو سکتے، بھلے میاں بیوی ہی کی محبت لے لیجیے، وہ ہر وقت اکٹھے نہیں رہ سکتے، کبھی میاں سفر پر ہے اور کبھی بیوی اپنے والدین کے گھر ہے۔ یعنی دنیا میں بھی عارضی جدائیاں ہوتی ہیں اور موت کے وقت تو ویسے ہی جدائی ہو جائے گی۔ محبتوں میں جتنی بھی شدت ہو، ایک کی موت آجاتی ہے تو وہ محبت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ تو دنیا کے محبوب بالآخر ایک دن جدا ہو جائیں گے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ہمیشہ اکٹھے رہیں۔

علما نے فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ میں ایک نکتہ لکھا ہے کہ یہاں پر بلاغت کی انتہا دیکھیے کہ باب مفاعلہ استعمال کیا۔ اس کی صفات میں سے ہے کہ دو محبت کرنے والوں میں سے یہ جدائی کسی کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے۔ کبھی میاں، بیوی کو چھوڑ سکتا ہے اور کبھی بیوی، میاں کو چھوڑ سکتی ہے اور کبھی دونوں موت کی وجہ سے ایک دوسرے کو چھوڑ سکتے ہیں۔

اللہ کی محبت کا انجام:

تو اس دنیاوی محبت کا انجام بالآخر جدائی ہے۔ ایک ہی محبوب ایسا ہے کہ جب اس کی محبت ملتی ہے تو پھر وہ محبوب جدا نہیں ہوتا، وہ ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ دن میں بھی اور رات میں بھی، صحت میں بھی اور بیماری میں بھی، خوشی میں بھی اور غمی میں بھی۔ انسان پہاڑوں کی چوٹیوں پہ چلا جائے، زمین کی پستیوں میں چلا جائے یا سمندر کی گہرائیوں میں چلا جائے، پھر بھی وہ محبوب کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اس نے قرآن میں فیصلہ فرما دیا:

﴿هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید: ۴)

''وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو''

یہ ایک ایسی بات ہے جس کی وجہ سے دل مجبور ہوتا ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اپنے پروردگار سے کرے۔

ایک قدم اور آگے:

اللہ رب العزت کو بندے سے محبت ہوتی ہے اور بندے کو اللہ سے محبت ہوتی ہے۔لیکن بندہ اس محبت میں ایک قدم اور آگے بڑھ سکتا ہے۔وہ اس طرح کہ

⊙......جب یہ کلمہ گو بندہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا شروع کر دیتا تو اللہ رب العزت اس بندے کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔پھر بندہ تو زمین پر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے لیکن اللہ رب العزت عرش پر اس کا ذکر کرتے ہیں: چنانچہ فرمایا: اے بندے!

﴿فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

''تو میرا ذکر کر، میں تیرا ذکر کروں گا''

⊙......جب یہ بندہ نبی علیہ السلام کی پیاری سنتوں پر عمل کر لیتا ہے تو اللہ اس کو محبوب بنا لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (ال عمران:۳۱)

''اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا۔''

اتباع سنت کی برکت سے انسان اپنے پروردگار کا محبوب بن جاتا ہے۔

⊙......جب یہ بندہ عبادت میں اپنے آپ کو مگن کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

((یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ)) (الاحکام الشرعیہ:۶۲۰/۳)

''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا اتنا قرب پالیتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں''

یعنی عبادت گزار بندہ اپنے پروردگار کا محبوب بن جاتا ہے۔ چنانچہ مومن کو چاہیے کہ وہ ان اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کو بڑھائے۔

بے لوث محبت کرنے والا:

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بے لوث محبت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ خالق ہے، مالک ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے:

((یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ ذَکَرْتَنِیْ ذَکَرْتُکَ وَاِنْ نَسِیْتَنِیْ ذَکَرْتُکَ))

''اے بنی آدم! اگر تو میرا ذکر کرتا ہے تو پھر بھی میں تیرا ذکر کرتا ہوں، اور اگر تو مجھے بھول بھی جاتا ہے تو اے بندے! میں پھر بھی تیرا ذکر کرتا ہوں۔''

میں پھر بھی تجھے یاد رکھتا ہوں اور میں اپنی رحمتیں تقسیم کرتے ہوئے تیرے مقدر میں رحمتیں بھیج رہا ہوتا ہوں۔ ایک بزرگ فرماتے تھے:

''اے دوست! اگر تجھے کھانے میں جلی ہوئی سبزی بھی مل جائے تو، تو پھر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا، یہ نہ دیکھنا کہ کھانے کو کیا ملا، بلکہ اس بات کو دیکھنا کہ جب اللہ رب العزت نے رزق کو تقسیم کیا تو تو اس وقت اللہ کو یاد تھا۔''

محبت میں سچائی کی دلیل

ہمارے مشائخ نے فرمایا:

صِدْقُ الْمَحَبَّةِ فِیْ ثَلَاثٍ

محبت کی سچائی کی دلیل تین باتوں سے ملتی ہے:

{۱}......سب سے پہلی بات:

اَنْ یَخْتَارَ کَلَامَ حَبِیْبِہٖ عَلٰی کَلَامِ غَیْرِہٖ

''کہ وہ غیر کی مجلس پر اپنے محبوب کی مجلس کو اختیار کر لے۔''

یعنی اسے قرآن مجید کی تلاوت اچھی لگے۔ دنیا کی باتیں کرنے کے بجائے، گپیں لگانے کی بجائے، تبادلہ خیالات کی بجائے قرآن مجید کی تلاوت میں زیادہ مزہ آئے۔ [illegible]ونکہ یہ محبوب حقیقی کا کلام ہے یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ انہیں قرآن پاک پڑھنے سے بھی محبت تھی، شوق تھا، وہ عاشق قرآن تھے۔

{۲}......دوسری بات:

وَیَخْتَارُ مُجَالَسَۃَ حَبِیْبِہٖ عَلٰی مَجَالِسَ غَیْرِہٖ

وہ غیر کی مجلس پر اپنے محبوب کی مجلس اختیار کر لے۔''

آج تو حالت یہ ہے کہ دوستوں میں بیٹھنا آسان اور تنہائی میں بیٹھ کر اپنے رب کی یاد کرنا مشکل کام ہے۔ جب بھی پوچھتے ہیں: بھئی! کیا مراقبہ کیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے: جی! فرصت نہیں ملتی۔...... یہ دیکھیں! آج کل کے مجنوں ......ان کو لیلیٰ کو یاد کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی ...... نئے دور کے مجنوں...... کہ جی! اللہ کو یاد کرنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ پھر یاد کس کو کرتے ہیں؟ اس کی یاد تو دل سے جدا ہی نہیں ہونی چاہیے۔

{۳}......تیسری بات:

وَیَخْتَارُ رِضَاءَ حَبِیْبِہٖ عَلٰی رِضَاءِ غَیْرِہٖ

''اور وہ غیر کی رضا پر اپنے محبوب کی رضا کو اختیار کر لے''

یعنی مقدم کر لے۔ اس محبت کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب شادی ہوتی ہے۔

کہتے ہیں: او جی! چچا روٹھے ہوئے ہیں ان کو منا لو، خالہ روٹھی ہوئی ہے ان کو بھی منا لو، پڑوسی کو بھی منا لو، کام کرنے والی نوکرانی روٹھ کے چلی گئی تھی، چلو اس کو بھی منا لو، گھر کا نوکر روٹھ گیا تھا، چلو اس کو بھی منا لو۔ شادی کے موقعہ پر سب روٹھے ہوؤں کو منا لیتے ہیں اور جو پروردگار پہلے راضی ہوتے ہیں، خلاف سنت عمل کر کے اس محبوب کو ناراض کر لیتے ہیں۔

محبت کی حقیقت:

جب محبت ہو تو بندہ سب کچھ اپنے محبوب کے لیے قربان کر دیتا ہے۔ پھر وہ دنیا کو نہیں دیکھتا، بس وہ اپنے محبوب کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

حَقِيْقَةُ الْمَحَبَّةِ اَنْ تَهَبَ كُلَّكَ لِمَنْ اَحْبَبْتَ وَلَا تَبْقٰى مِنْكَ شَيْئًا

''محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تیرے پاس ہے، وہ اپنے محبوب کو ہبہ کر دے اور اس کے بعد تیرے پاس کچھ بھی نہ بچے۔''

اپنی محبتیں، اپنے جذبے، اپنی تمام امنگیں اور آرزوئیں کس ذات کے لیے ہوں؟ اللہ رب العزت کے لیے ہوں۔

محبت الٰہی کا مدار چھ باتوں پر:

ہمارے مشائخ نے فرمایا: اگر آدمی یہ دیکھنا چاہے کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کتنی ہے تو وہ چھ باتوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

①...... موت سے محبت ہونا:

جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اس کو موت اچھی لگتی ہے۔ اسے موت سے وحشت نہیں ہوتی۔ بھئی! اگر ہمیں اسی لمحے پتہ چل جائے کہ اللہ رب العزت ہم سے راضی ہیں تو اللہ کی قسم! ہم اسی جگہ بیٹھے ہوئے ابھی مرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے

کہ مقصود جو یہی ٹھہرا۔ان کو دراصل موت اس لیے اچھی لگتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا سبب بن جاتی ہے۔نبی نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ))

''موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملا دیا کرتی ہے''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے۔عرض کیا: جی! آپ کو اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا ہے۔یعنی آپ کا آخری وقت آ گیا ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

هَلْ رَأَیْتَ خَلِیْلًا یَقْبِضُ رُوْحَ خَلِیْلِهٖ

''کیا آپ نے کسی خلیل کو دیکھا کہ وہ اپنے خلیل کی روح کو قبض کر رہا ہو؟''

انہوں نے واپس جا کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ بات کہہ دی۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام بھیجا کہ جا کر میرے خلیل کو کہہ دیجیے:

هَلْ رَأَیْتَ خَلِیْلًا یَکْرَهُ لِقَاءَ خَلِیْلِهٖ

''کیا تم نے کسی دوست کو دیکھا جو اپنے دوست کی ملاقات سے کراہت کر رہا ہو؟''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ روح کا قبض ہونا، اللہ رب العزت کی ملاقات کا سبب ہے۔لہٰذا فوراً کہنے لگے'' ملک الموت! جلدی کر، جلدی کر، میری روح کو قبض کر لے اور مجھے اپنے پروردگار سے واصل کر دے۔

(۲)......ماسویٰ سے کٹ جانا:

ماسویٰ سے دل کٹ جائے۔یاد رکھنا! جب تک دنیا سے دل نہ کٹے اس وقت تک انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ نصیب نہیں ہو سکتا۔اگر کوئی چاہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی مل جائے اور دنیا کی محبت بھی سلامت رہے تو یہ ناممکن ہے۔کیونکہ

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ﴾ (الاحزاب:۴)

''اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے سینے میں دو دل نہیں بنائے''

کہ ایک دل میں رحمٰن کی محبت ہو اور دوسرے میں نفس کی اور شیطان کی محبت ہو۔ دل ایک ہے اور ایک ہی کے لیے ہے۔

۳...... ذکرِ الٰہی میں دوام نصیب ہونا:

ایسے بندے کو ذکرِ الٰہی میں دوام نصیب ہو جاتا ہے۔ لیٹے بیٹھے، چلتے پھرتے، اس کی زبان پر محبوب کی باتیں رہتی ہیں۔ اسے بس وہی اچھی لگتیں ہیں۔ یہی چیز قرآن مجید میں ان الفاظ سے بتائی گئی:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ﴾ (ال عمران:۱۵۸)

''یہ وہ بندے ہیں جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے مجھے یاد کرتے ہیں''

میرے عقل مند بندے ہیں۔

۴...... شعائر اللہ سے محبت ہونا:

اسے شعائر اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ شعائر اللہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ رب العزت کی نسبت پا جاتی ہے،

......کلام اللہ، شعائر اللہ۔

...... بیت اللہ، شعائر اللہ۔

......رسول ﷺ شعائر اللہ۔

......اولیاء اللہ، شعائر اللہ۔

بلکہ جہاں اولیائے کاملین کے قدم لگ جاتے ہیں، وہ جگہیں بھی شعائر اللہ میں سے بن جاتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں گواہی دے دی۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ﴾ (البقرۃ:۱۵۸)

''بیشک صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔''

یہ پکی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے محبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر دل میں بیت اللہ کی محبت بھی ہوگی ،کلام اللہ کی محبت بھی ہوگی، رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی ہوگی۔ یہ محبت اس بات کی دلیل ہوئی کہ اس کو اللہ رب العزت سے محبت ہے۔

آپ کو دیہاتی علاقے کا محبت کا ایک واقعہ سنائیں۔ ایک مولانا صاحب وہاں پڑھ کے آئے۔ ان کو حدیثیں بھی کافی یاد تھی۔ چنانچہ، جب بھی بیان کرتے تو اکثر کہتے: قال: قال رسول الله...... قال: قال رسول الله...... وہاں ایک سادہ سا آدمی تھا۔ اس بے چارے کو عربی تو آتی نہیں تھی۔ وہ روز ہی قال: قال رسول الله سنتا۔ چند دن تو وہ صبر کرتا رہا کیونکہ اسے اس کا معنیٰ ہی سمجھ نہیں آتا تھا۔ وہ قال رسول اللہ کو کالا رسول اللہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ جب انہوں نے ایک دن درس دیا تو اس کے بعد اس دیہاتی نے آ کر مولانا کا گریبان پکڑا اور غصے میں آ کر کہنے لگا'' او مولوی صاحب! تو کالا تیرا پیو کالا، میرا رسول تو چٹا اور گورا ہے۔'' اس کا یہ کہنا محبت کی وجہ سے تھا۔ پھر یوں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت انسان کے رگ و ریشے میں رچ بس جاتی ہے۔

﴿۵﴾...... دعائے نیم شبی پر حرص نصیب ہونا:

اس آدمی کو دعائے نیم شبی پر حرص نصیب ہو جاتی ہے۔ وہ رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات کرنے میں حریص ہو جاتا ہے۔ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ الہام فرمایا: اے داؤد! جھوٹا ہے وہ شخص جو میری محبت کا دعویٰ کرے اور رات آئے تو سو جائے، کیا ہر محبّ اپنے محبوب کے ساتھ تنہائی نہیں چاہتا؟: یعنی اگر یہ میری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ کیوں رات کے آخری پہر میں

نہیں اٹھتے؟ اپنے محبوب پروردگار سے راز و نیاز کی باتیں کیوں نہیں کرتے؟ پھر ایسے بندے کے لیے عبادت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بھئی! اگر کوئی کسی سے محبت کرتا ہو اور اسے کہا جائے کہ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھ جائے تو تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھنا اسے کوئی مصیبت تو نظر نہیں آئے گی، وہ تو خوش ہوگا، بلکہ کہے گا کہ وقت گزرتا ہی کیوں ہے؟ یہ تھم جاتا اور میں اپنے محبوب کے پاس بیٹھا رہتا۔ یہی بات مؤمن کو اس وقت پیش آتی ہے، کہ جب وہ مسجد میں آجاتا ہے۔ وہ عبادت کو پرسکون طریقے سے کرتا ہے، کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ فِی الْمَسْجِدِ کَالسَّمَكِ فِی الْمَاءِ)) (کشف الخفاء: رقم ۲۶۷۹)

''مؤمن مسجد میں ایسے سکون پا لیتا ہے جیسے مچھلی پانی میں آکر سکون پا لیتی ہے۔''

۶..... ایمان والوں سے پیار ہونا:

جس کو اللہ رب العزت سے محبت ہوتی ہے اس کو ایمان والوں سے فطرتی پیار ہو جاتا ہے، اسے مؤمن اچھے لگتے ہیں۔ دیکھیں! ماں باپ سے محبت ہوتی ہے، ان کی وجہ سے اپنے بھائیوں سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب اللہ رب العزت سے محبت ہوگی تو جو اللہ پر ایمان لانے والے ہیں، ان ایمان والوں سے ایک فطرتی محبت بندے کے دل میں آجائے گی۔

تین حیران کن باتیں:

قرآن مجید میں تین باتیں بڑی حیران کن ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: میں ایسی قوم پیدا کروں گا کہ جو:

﴿یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدہ: ۵۴)

''اللہ تعالیٰ ان سے محبت کریں گیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔''

دوسری بات صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (البینہ:۸)

''اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی''

محبت کو بھی مقدم کیا اور یہاں رضا کو بھی مقدم کیا اور پھر تیسری جگہ فرمایا:

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ (التوبہ:۱۱۸)

''پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہوا کہ وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوں''

جب قرآن پاک کی یہ تین باتیں پڑھتے ہیں تو بڑے حیران ہوتے ہیں اور پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعی چاہتے ہیں کہ اس کے بندے اپنے پروردگار سے محبت کرنے والے بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کیسی ہو؟

اللہ تعالیٰ سے محبت کیسی ہو؟ جیسی بچے کو ماں سے۔ اگر چھوٹا سا بچہ ماں سے ذرا سا جدا کر دیا جائے تو وہ کیسے تڑپتا ہے؟ کیسے روتا ہے؟ اس کو پڑھی لکھی عورتیں اٹھائیں، خوبصورت عورتیں اٹھائیں، یا جو مرضی عورت ہو، وہ کبھی چپ نہیں کرے گا، جب تک کہ اپنی امی کے سینے سے نہیں لگ جائے گا۔ اس لیے کہ اس بچے کو ماں سے محبت ہے۔ وہ آرام نہیں کرتا۔ تڑپتا ہے، روتا ہے۔ ماں کتنی مصروف اور مشغول کیوں نہ ہو، سب کام چھوڑ کے آتی ہے اور بالآخر بچے کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ جب اس بچے کو ماں کے بغیر چین نہیں آتا، کاش! ہمیں بھی اسی طرح اپنے رب کے بغیر چین نہ آئے۔ ایسی محبت ہمیں بھی نصیب ہو جائے (آمین)۔ بچہ ماں کا دیوانہ اور یہ مؤمن اپنے پروردگار کا دیوانہ بن جاتا ہے۔ جس طرح چڑیا کو اپنے گھونسلے میں آکر سکون مل

جاتا ہے اسی طرح مومن جب اللہ تعالیٰ کی یاد میں، ذکر و مراقبہ میں بیٹھ جاتا ہے، مصلے پر آتا ہے تو اس کو سکون مل جاتا ہے۔

یاد رکھنا! اگر اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پہچاننی ہو تو مصلے کے ساتھ اپنا تعلق دیکھا کریں کہ کتنا ہے۔ اگر مصلے پر بیٹھنے کی فرصت ہی نہیں اور بس نماز پڑھی اور مصلیٰ لپیٹ کر بھاگ گئے تو یہ محبت کی دلیل نہیں ہے۔ البتہ جن کو محبت ہوتی ہے ان کا وقت مصلے پر گزرتا ہے۔ مصلے پر بیٹھنا ان کو اچھا لگتا ہے وہ پر سکون ہو کر بیٹھتے ہیں۔

وہی زمانہ آچکا ہے:

آج ایسا وقت آچکا ہے کہ اسے خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر ہم دنیا کی چیزوں کی محبت کے پیچھے بھاگتے پھر رہے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمیں دھوکہ لگ گیا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((سَیَاْتِیْ زَمَانٌ عَلٰی اُمَّتِیْ یُحِبُّوْنَ خَمْسًا وَ یَنْسَوْنَ خَمْسًا))

''عنقریب میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ پانچ چیزوں سے محبت کریں گے اور پانچ چیزوں کو بھول جائیں گے۔''

((یُحِبُّوْنَ الدُّنْیَا وَ یَنْسَوْنَ الْاٰخِرَۃَ))

''وہ دنیا سے محبت کریں گے اور آخرت کو بھول جائیں گے۔''

((یُحِبُّوْنَ الْمَالَ وَیَنْسَوْنَ الْحِسَابَ))

''وہ مال سے محبت کریں گے اور اس کا حساب دینا بھول جائیں گے۔''

((یُحِبُّوْنَ الذُّنُوْبَ وَ یَنْسَوْنَ التَّوْبَۃَ))

''وہ گناہوں سے محبت کریں گے اور توبہ کو بھول جائیں گے۔''

((یُحِبُّوْنَ الْقُصُوْرَ وَ یَنْسَوْنَ الْقُبُوْرَ)) (ارشیف ملتقی: ۱/۱۴۲۴۷)

''وہ محلات سے محبت کریں گے اور قبروں کو بھول جائیں گے۔''

آج وہی بات آچکی ہے کہ اللہ رب العزت کی محبت کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے اتنی بھی نہیں رہی کہ فجر میں اٹھا کر مسجد میں لے آئے۔ اذان میں اللہ اکبر کی آواز سنیں اور بندہ دنیا کے کام چھوڑ کر اپنے رب کی یاد کے لیے مسجد میں آجائے۔ اور جن کے دلوں میں محبت ہوتی ہے وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مگن ہوتے ہیں اور اس سے ہمکلام ہونے کے موقعے ڈھونڈتے ہیں:۔

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی

کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی:۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

پھر انسان اللہ کی محبت میں بیٹھنے میں مزہ پاتا ہے اور یہ محبت انسان کے اعمال میں جان پیدا کر دیتی ہے۔

شقاوتِ ابلیس کی اصل وجہ:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتہ لکھا: وہ فرماتے ہیں کہ شیطان اس محبت کے نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہوا۔ اس کے پاس علم تھا، عبادت بھی تھی، عمل بھی تھا، اس کے باوجود مردود بن گیا۔ اس لیے کہ محبت نہیں تھی ..... تو وہ فرماتے ہیں کہ چار ''ع'' ہوتے ہیں

......علم، ع کے حرف سے شروع ہوا

......عمل، ع کے حرف سے شروع ہوا

......عارف، ع کے حرف سے شروع ہوا

......عاشق، ع کے حرف سے شروع ہوا

یہ چار الفاظ ہیں اور چاروں ''ع'' سے شروع ہوتے ہیں۔اس مردود کے پاس تین ''ع'' تو تھے اور آخری چوتھے سے محروم تھا۔اور یہ چوتھا'عشق والا''ع'' اتنا اہم تھا کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے اللہ اس کو راندۂ درگاہ بنادیا۔

نالہ ہے بلبل شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشا لب بام ابھی

عقل ابھی کھڑی تماشا دیکھ رہی ہے اور عشق آگ کے اندر کود کر چلا گیا۔

محبت کی آزمائش:

جو انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعوٰی کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی آزمائش آجائے اور اللہ کے شکوے ہی کرتا پھرے کہ ہماری تو وہ سنتا نہیں، ہمیں تو یہ نہ ملا، وہ نہ ملا، تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔

ایک بزرگ تھے۔ان کے پاس کچھ لوگ جمع ہو گئے۔انہوں نے پوچھا: کیوں جمع ہو گئے۔انہوں نے جواب دیا: جی! ہم آپ سے محبت کرنے والے ہیں۔انہوں نے یہ سن کر پتھر اٹھائے اور مارنا شروع کر دیے، اس پر وہ سب بھاگ گئے۔چنانچہ انہوں نے پیچھے سے آواز دے کر فرمایا:

لَوْ كُنْتُمْ اَحِبَّائِیْ مَا فَرَرْتُمْ عَلٰی بَلَائِیْ

''اگر تم مجھ سے محبت کرنے والے ہوتے تو میری اس آزمائش پر بھاگ نہ جاتے''

اس طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی آزمائش آجائے تو بندہ صبر کرے۔ یہ نہ ہو کہ اپنے رب کے گھر کا دروازہ ہی بھول جائے۔

وہ شخص جھوٹا ہے......:

نکتے کی بات سن لیجیے...... جو شخص نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کا دعویٰ کرے اور علماء سے اس کو محبت نہ ہو، تو سمجھ لو کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ علما کا اتنا اکرام کرتے تھے اور ان سے اتنی محبت تھی کہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر کوئی عالم میرے سینے پر پاؤں رکھ کر بھی گزر جائے تو مجھے اس سے تکلیف نہیں ہوگی۔''

جو شخص دوزخ سے ڈر کا دعویٰ کرے مگر گناہ کرنا نہ چھوڑے تو سمجھ لو کہ یہ شخص اپنے قول میں جھوٹا ہے۔ اس لیے کہ جس کے دل میں دوزخ کا خوف ہوگا وہ کبھی گناہ پر جرأت نہیں کرے گا۔

جو شخص جنت کی محبت کا دعویٰ کرے اور عبادت نہ کرے، سمجھ لو کہ یہ شخص اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بندے کے دل میں جنت کی رغبت ہو اور انسان اس میں جانے کے لیے اپنا زادِ راہ تیار نہ کرے، اس لیے مشائخ نے فرمایا:

صِدْقُ الْمُحَبَّةِ عَلَى الْعَمَلِ بِطَاعَةِ الْمَحْبُوْبِ

''محبت کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت والا عمل کرلیا جائے۔''

بعض کتابوں میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا نام لکھا ہے اور بعض میں کسی اور کا نام، کہ انہوں نے فرمایا: ؎

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهُ

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَا یُحِبُّ مُطِیْعُہٗ

''محبّ جس سے محبت کرتا، پھر وہ اس کا فرمانبردار ہوا کرتا ہے۔''

فریب اور حقیقت کی پہچان:

یاد رکھنا! جس محبت کا تعلق ''قال'' سے ہے وہ فریب ہے اور جس کا تعلق ''حال'' سے ہے وہ حقیقت ہے۔ ایسے بندے کو اگر کہا جائے کہ اللہ کے نام پر جان دے دے، تو وہ جان دینے پر بھی تیار ہو جائے۔

وَلَوْ قِیْلَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّ طَاعًا
وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَھْلًا وَّ مَرْحَبًا

''اگر محبوب کہے کہ تم مر جاؤ تو میں ابھی مرنے کے لیے تیار ہوں اور میں موت کے داعی کو ابھی اھلا وسھلا کہنے کو تیار ہوں۔''

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جان دے کے بھی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو حق تو ادا نہ کر سکے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس طرح دیگ کو آگ جوش دلا دیتی ہے اسی طرح عشق وہ آگ ہے جو پورے سمندر کو بھی جوش دلا دیتا ہے۔

اللہ سے لو لگانے کے انعامات:

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے وحی عطا فرمائی:

''اے داؤد! زمین والوں کو بتا دے کہ جو شخص مجھ سے محبت کرے گا میں اس کا حبیب ہوں، جو میرے پاس بیٹھے گا، میں اس کا جلیس ہوں، جو میرے ذکر سے انس حاصل کرے گا میں اس کا انیس ہوں، جو میرے ساتھ رہے گا

میں اس کے ساتھ ہوں گا، جو مجھے اختیار کرے گا، میں اسے اختیار کروں گا، جو میرا کہنا مانے گا میں اس کی دعا قبول کروں گا۔"

ہم اگر اللہ رب العزت کے حکم ماننے لگ جائیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ پروردگار ہماری دعاؤں کو رد کرنا شروع کر دے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی محبت کا بدلہ نقد عطا فرماتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ:

آج دنیا کہتی ہے کہ عبادت کرنے والے دنیا میں نقد عبادت کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں جنت کی نعمتوں کا وعدہ ہے۔ اس طرح نقد بدلہ نقد نہ ملا۔ بھئی! اصل میں ان کو مغالطہ لگ جاتا ہے...... ذرا توجہ سے بات سنیے گا...... ایک بزرگ فرماتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ عمل کے ذریعے اللہ سے نقد کا سودہ کرے اور اللہ اسکے اجر اور بدلے کو قیامت کے ادھار پر چھوڑ دے کہ جنت دی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بھی بعید ہے۔ قیامت میں بدلہ دینے کی بات کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دینا چاہتے ہیں وہ دنیا میں مل ہی نہیں سکتیں ...... نہ کوالٹی Quality میں، نہ کوانٹٹی Quantity میں...... نہ معیار میں، نہ مقدار میں......

کوالٹی میں کیسے؟ وہ اس طرح کہ جنت کے کھانے ایسے ہوں گے کہ دنیا میں ان کھانوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جنتی مخلوق کا حسن بھی بہت زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ وہ مخلوق آسمان کے نیچے اپنے کپڑے کو ظاہر کر دے تو سورج کی روشنی بھی ماند پڑ جائے۔ مردے سے کلام کرے تو وہ زندہ ہو جائے گا۔ کھاری پانی میں تھوک ڈال دے تو وہ میٹھا ہو جائے۔ اب آپ سوچیں کہ یہ نعمت دنیا میں انسان کو کیسے مل سکتی ہے؟

پھر کوانٹٹی میں کیسے؟ وہ اس طرح کہ جب جنت ملے گی تو جو سب سے آخری درجے کا جنتی ہوگا، اس جنتی کو اس ساری دنیا سے دس گناہ بڑی جنت ملے گی۔ تو جب سب سے آخری جنتی کو دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی تو اس دنیا میں انسان کو وہ بدلہ مل کیسے سکتا ہے۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ اعمال کا پورا پورا بدلہ دنیا میں ہی مل سکے۔

اصل میں ہر دینے والا اپنی شان کے مناسب دیتا ہے۔ ہم اور آپ اگر کسی کو دیں تو کچھ دے دیں گے اور کچھ جیب میں ڈال لیں گے۔ اور اگر وہی کسی بادشاہ سے مانگیں تو وہ کہے گا: اچھا! اتنا کچھ اس کے گھر پہنچا دو۔ مال بھی دے گا اور پہنچا بھی دے گا۔ اس لیے کہ اس کی شان ہی ایسی تھی۔

اللہ رب العزت کی شان ایسی ہے کہ جب وہ قیامت کے دن دے گا تو وہ دینا اتنا ہوگا کہ دنیا اس دین کو اپنے اندر سما ہی نہیں سکتی۔ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں دے ہی دیتے تو جیسے دنیا فانی تھی اسی طرح بدلہ بھی فانی ہوتا۔ اور وہ پروردگار چاہتا کہ نہیں، میں ہمیشہ رہنے والا ہوں اس لیے میں انعام بھی وہ دینا چاہتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والا ہو اور وہ انعام دنیا میں دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لیے آخرت میں دینے کا وعدہ فرمایا کہ تو فانی گھر سے نکل آ، میرے بندے! تو دنیا میں میری عطا کو کیا دیکھے گا۔ اگر تو نے میری عطا دیکھنی ہے تو فانی گھر سے ذرا چھٹکارا پا لے، اس پنجرے سے نکل آ، پھر آ کر دیکھنا کہ میں تجھے کتنا عطا کروں گا۔

عبادات کا نقد انعام:

قیامت کا تو اس لیے وعدہ فرمایا۔ رہ گئی بات نقد کی، تو سنیے کہ اللہ تعالیٰ نقد بھی دیتے ہیں۔ بھئی! ذرا یہ بتایئے کہ عبادت کی وجہ سے فقط جنت کی نعمتیں ملتی ہیں؟ ایک

اور بدلہ بھی تو ہے، جسے اللہ کی محبت اور اللہ کا قرب کہتے ہیں۔ کیا دنیا میں یہ محبت نقد ملتی ہے یا نہیں ملتی؟ بالکل ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے، اللہ رب العزت اس کو دنیا میں اپنی محبت کے اجر سے نقد سرفراز فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نگرانی:

جو بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کا نگران بن جاتا ہے۔

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (العمران:۱۷۳)

﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (الانفال:۴۰)

اللہ تعالیٰ اس کے لیے نعم الوکیل بھی بن جاتا ہے، نعم المولیٰ بھی بن جاتا ہے اور نعم النصیر بھی بن جاتا۔

ایک بات بڑے مزے کی:

ایک بات بڑے مزے کی ہے......طلبہ کے لیے بڑے مزے کا نکتہ......اہلِ محبت حضرات کے لیے ایک خوشخبری ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدہ:۵۴)

''تم میں سے جو اپنے دین سے پھر گیا، اللہ ایک ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔''

یہاں نکتے والی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو فرماتے ہیں جو اپنے دین سے پھر گئے، لوٹ گئے، مرتد ہو گئے، محروم ہو گئے، کہ اگر تم پھر گئے ہو تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔

معلوم یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو ان مرتد لوگوں کے مقابلے میں لائے جائیں گے۔ یہ دستور ہے کہ مقابلے میں ہمیشہ ضد لائی جاتی ہے تا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل آسکیں۔ اب یہ مرتد بنے تھے اور اللہ ان کے مقابلے میں اہل محبت کو لایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ محبت کبھی بھی ایمان سے محروم نہیں ہو سکتے، اگر ایمان سے محروم ہو گئے تو پھر یہ تو ضد نہ بنی نا۔ چنانچہ جو بندہ دنیا میں اہلِ محبت بن کر زندگی گزارے گا، اللہ تعالیٰ موت تک اس کے ایمان کو سلامت رکھیں گے۔ یہ اللہ رب العزت سے محبت کرنے کا کتنا بڑا انعام ہے! سبحان اللہ! قرآن مجید سے دلیل مل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت ایمان کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت مانگنی بھی ہے اور اس سے محبت کرنی بھی ہے۔

فیضانِ محبت:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی مُحَبَّتَهٗ عَلٰی مُحَبَّةِ عِبَادِهٖ

''اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو اپنے بندوں کی محبت پر مقدم فرما دیا''

کیوں؟ اس لیے کہ:

اِنَّهُمْ يُحِبُّوْنَ رَبَّهُمْ بِفَيْضَانِ مُحَبَّةِ رَبِّهِمْ

''وہ اپنے رب سے محبت کرتے ہیں اس فیضان کی وجہ سے جو رب نے ان کو محبت کا عطا فرما دیا''

تو ہم اللہ تعالیٰ سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرتے ہیں۔ گویا یہ محبت بھی اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

((مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ))

''جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں''

((مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ)) (الدارمی: رقم ۲۷۵۶)

''اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے سے کراہت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات سے کراہت فرماتے ''

اہلِ محبت کے ساتھ مجالست کا حکم:

اس لیے ایک اور حدیث پاک میں فرمایا گیا:

((سَائِلُوا الْعُلَمَاءَ وَجَالِسُوا الْكُبَرَاءَ وَخَالِطُوا الْحُكَمَاءَ))

(ابن ابی شیبہ: رقم ۲۶۱۰۲)

''سوال پوچھو علما سے، بڑوں کے پاس نشست رکھو اور اہل دانش کے ساتھ مجالست اختیار کرو۔''

یہ اہلِ محبت ہوتے ہیں، ان کے ساتھ خوب مل گھل کے زندگی گزارو، تاکہ ان کے صدقے محبت نصیب ہو جائے۔ جیسے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اور مقناطیس کے پاس لوہا رہ کر مقناطیسیت پالیتا ہے، اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر سالک بھی اللہ کی محبت پالیتا ہے۔ اللہ راضی، سارا جگ راضی۔

اللہ کو ناراض کرنے پر وبال:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو بندہ یہ چاہتا ہے کہ میں مخلوق کو راضی کرلوں اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو بھی اس سے ناراض کر دیتے ہیں۔ واقعی! آپ دیکھیں کہ شادی بیاہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کو بھول کر لوگوں کو خوش کرنے

میں لگے ہوتے ہیں۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جن کو راضی کرنے کے لیے اتنا کیا وہ بندے بھی اس سے راضی نہیں ہوتے۔

اللہ کو راضی کرنے پر انعام:

پھر فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بندوں کی پرواہ نہ کرے، تو بندے کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کریں، ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مخالف لوگوں کو بھی ان کا دوست بنا دیا کرتا ہے، کیونکہ دل تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کی عبادت کریں اس کا ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔ لیٹے بیٹھے، چلتے پھرتے، اپنے رب کو یاد کریں۔ عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے ان کا ردیف تھا یعنی سواری پر پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا:

((يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ))

(شعب الایمان: رقم ۱۹۵)

”اے غلام! تو اللہ کا دھیان رکھ، اللہ تعالیٰ تیرا دھیان رکھے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہ، اللہ تعالیٰ کو تو اپنے سامنے پائے گا“

تو خوش حالی میں اس کے ساتھ جان پہچان پیدا کرلے وہ تنگ حالی میں تجھ کو پہچانے گا۔ جب بھی مانگنا ہو، اپنے رب سے مانگو اور جب بھی مدد چاہنی ہو تو اپنے پروردگار سے مدد چاہو۔

فضیلت والے لوگ:

قیامت کا دن ہوگا، ابھی مخلوق کا حساب نہیں ہوگا۔ ایک اعلان ہوگا، کہا جائے گا: اہل فضیلت کہاں ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا: تم

جنت میں چلے جاؤ! بغیر حساب کتاب کے۔ تو لوگ فرشتوں سے پوچھیں گے: کہ یہ اہلِ فضیلت کون تھے؟ فرشتے بتائیں گے: یہ وہ لوگ تھے جن کے ساتھ اگر دنیا میں کوئی زیادتی بھی کر لیتا تھا تو وہ اللہ کے لیے اس زیادتی کو معاف کر دیتے تھے۔ آج تو ہم کہتے ہیں کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔

صبر والے لوگ:

جب وہ جنت میں چلے جائیں گے، پھر اعلان ہوگا: صبر والے لوگ کہاں ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہونگے اور ان کو بھی جنت میں بھیج دیا جائے گا، بغیر حساب کتاب کے۔ پھر لوگ فرشتوں سے پوچھیں گے: یہ صبر والے لوگ کون تھے؟ وہ کہیں گے: اللہ رب العزت کے حکموں کی اطاعت میں یہ اپنے نفس کو صبر کے ساتھ روکتے تھے۔ اور انکو آج بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیج دیا گیا ہے۔ آج

......شہوت ابھرتی ہے اور بندہ اپنے نفس کو روکتا ہے۔

......آنکھ اٹھانے کو دل چاہتا ہے اور بندہ اپنی آنکھ کو قابو کرتا ہے۔

......دل رشوت قبول کرنے کو چاہتا ہے اور بندہ اپنے آپ کو روکتا ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نفس کو صبر کے اوپر جمائے رکھا، اس کی وجہ سے یہ لوگ قیامت کے دن بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے پڑوسی:

پھر تیسرا اعلان ہوگا: اللہ تعالیٰ کے پڑوسی کہاں ہیں؟ کچھ لوگ کھڑے ہونگے اور ان سے کہا جائے گا: تم بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جاؤ۔ اب تو لوگ بڑے حیران ہوں گے۔ فرشتوں سے پوچھیں گے: یہ اللہ تعالیٰ کے پڑوسی کون ہوں گے؟ ان کو بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ایک دوسرے سے

محبت کرتے تھے، ان کو اللہ نے اپنا پڑوسی کہا ہے اور ان کو بغیر حساب کتاب کے جنت عطا فرما دی۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی محبت کا تو اجر ملے گا، اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اگر مخلوق سے بھی محبت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی بغیر حساب کتاب کے جنت عطا فرما دیں گے، اس لیے اللہ رب العزت سے دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت عطا فرمائے۔

جب ایام بھلے آتے:

جب تک پروردگار نہیں چاہے گا، اس وقت تک ہمیں یہ نعمت نہیں مل سکتی۔ معاملہ ادھر سے ہوتا ہے، اشارہ ادھر سے ہوتا ہے، راستہ خود بخود بن جاتا ہے۔ سمجھے؟ ؎

حسن کا انتظام ہوتا ہے
عشق کا یونہی نام ہوتا ہے

جب وہ چاہتے ہیں تو اپنی طرف آنے کے راستے بھی ہموار کر دیا کرتے ہیں۔

سن لے اے دوست! جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

وہ ملنے کا راستہ بھی خود کھول دیتے ہیں، طریقہ بھی بتلا دیتے ہیں، وہ راتوں کو پھر جگا دیا کرتے ہیں۔ دنیا کہ محبوب پیغامبر بھیج کے اپنے رقعے پہنچاتے ہیں اور پروردگارِ عالم اپنے فرشتوں کو بھیجتے ہیں: جاؤ! میرے بندے کو پر مار کے جگا دو، یہ میرے دینے کا وقت ہے یہ تہجد میں اٹھ کر مجھ سے مانگیں، میں پروردگار ان کے دامن کو بھر دوں گا۔

ایک انمول خوشخبری:

حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرماتے تھے: ''اللہ تعالیٰ کا نام کتنی ہی

غفلت سے کیوں نہ لیا جائے، قیامت کے دن انسان کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور دیا جائے گا۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام بہت برکت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرما دیا:

﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن:۷۸)

''برکت والا نام ہے تیرے رب کا''

جب پروردگار خود فرماتے ہیں: تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ''برکت والا نام ہے تیرے رب کا'' تو اس کی برکتیں اتنی ہیں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا نام غفلت سے بھی لے بیٹھے گا تو پھر بھی یہ نام اس آدمی کو فائدہ پہنچ جائے گا اور اگر کوئی یہ نام محبت سے لے گا تو کیا اس کو فائدہ نہیں پہنچے گا؟؟؟

ایک صاحب کہنے لگے: جی! یہ کیا تم ہر وقت! اللہ اللہ اللہ کرتے رہتے ہو؟ اس عاجز نے آگے سے شعر پڑھ دیا:

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

بھئی! جب کسی سے محبت ہو تو اس کا نام لیتے ہوئے بھی منہ میں مٹھاس محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کا نام لینے سے منہ میں شیرینی محسوس ہوتی ہے۔

جہنم سے آزادی، اتنے سے عمل پر......!!!

یاد رکھنا! جس بندے کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام محبت سے نکلا اور جس کی آنکھ سے ندامت کی وجہ سے آنسو نکل آیا، وہ آدمی جہنم کی آگ سے ایک نہ ایک دن بچا دیا جائے گا، اس لیے جب زبان سے اللہ رب العزت کا نام نکلے تو اس کے اس نام کی برکت سے دعا مانگا کریں: اے اللہ! میں آپ کے نام کی برکت سے یہ مانگتا ہوں۔

رے گناہوں کی حیثیت:

میرے دوستو! ہمارے گناہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سمندر کے مقابلے میں کیا
نیت رکھتے ہیں؟......ایک مچھر آ کے ہاتھی پر بیٹھا جب اڑنے لگا تو معذرت کی:
ں معذرت کرتا ہوں کہ میں آپ کے اوپر کچھ دیر بیٹھا رہا۔ اس نے کہا: میاں! نہ
رے آنے کا پتہ چلا، نہ تیرے جانے کا پتہ چلا۔......ارے! اگر مچھر کا وزن ہاتھی کو
سوس نہیں ہوتا تو پھر بندے کے گناہ رب کی رحمت کے سامنے محسوس ہی نہیں
تے۔ ہمارے گناہ اللہ رب العزت کی رحمت کے سمندر کے سامنے کیا حیثیت
کھتے ہیں؟

جب ہم اللہ رب العزت سے محبت سے اپنی معافی کا سوال کریں گے تو یقیناً وہ
ارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور اپنی محبت سے نواز دیں گے۔ اس پروردگار
سے دعا مانگیں، وہ سنتا ہے۔ مگر مانگی جانے والی دعا دل سے ہو۔ غفلت بھری دعاؤں
کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟......اگر کوئی مانگنے کے لیے ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اپنا
ہرہ پیچھے کو کر لے تو کچھ دینے کے بجائے تھپڑ لگانے کو دل کرے گا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے
کہ ہاتھ آگے بڑھایا اور چہرہ پیچھے ہٹا لیا......آج ہم دعا ایسے ہی کرتے ہیں کہ زبان
سے لفظ ادا ہو رہے ہوتے ہیں اور دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے، یہ تو اس پروردگار
کا حلم ہے کہ پھر بھی اس دعا کو نامۂ اعمال میں لکھوا دیا کرتے ہیں، ورنہ تو پھٹے کپڑے
کی طرح منہ پر ماردی جاتی۔

جس نے رب کو دل سے پکارا......:

ہاں! دل سے پکارنے والوں کی باتیں سنیے......ایک بوڑھی عورت تھی۔ اس کا
خاوند کسی وجہ سے ناراض ہو گیا اور اس نے اسے کہہ دیا: تو میرے لیے ماں کی مانند

ہے۔ اس کو ظہار کہتے ہیں۔...... عربوں میں جب یہ لفظ کسی کو کہہ دیا جاتا تھا تو ہمیشہ کے لیے پکی طلاق شمار ہوتی تھی۔ چنانچہ اب وہ بڑھیا پریشان ہوگئی کہ اس عمر میں خاوند نے ایسی پکی طلاق دے دی۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی ہے، میں بڑھیا ہوں، سہارا بھی کوئی نہیں، نہ گھر ہے نہ در ہے، میں جاؤں گی تو کہاں جاؤں گی، نہ ہی مجھے کوئی اور نکاح میں قبول کرے گا، نہ ہی اور اولاد ہونے کی توقع ہے، میری تو عمر گزر گئی ہے، میں اب کیا کروں؟ جب اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے فریاد کی تو اللہ کے محبوب ﷺ نے اصول کے مطابق یہی بتایا کہ طلاق تو ہوگئی ہے۔ چنانچہ اب وہ اور پریشان ہوگئی۔ ایک دو دفعہ سمجھانے کے بعد اللہ کے محبوب ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ اس بڑھیا کو یہ محسوس ہونے لگا کہ خاوند نے تو گھر سے نکال ہی دیا تھا، میں اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، محبوب ﷺ بھی مجھے اتنی زیادہ دلچسپی لیتے نظر نہیں آرہے، جواب دے کر خاموش ہو گئے ہیں، اب تو میرے لیے کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ جب اس کو کوئی اور سہارا نظر نہ آیا تو اس کی توجہ اپنے رب کی طرف گئی اور وہ اپنے رب سے پکارنے لگی: میرے مولیٰ! میں بڑھیا ہوں، اولاد بڑی ہوگئی، خاوند نے گھر سے نکال دیا، اور نکاح بھی نہیں کر سکتی، اس عمر میں دوسری اولاد بھی نہیں ہو سکتی، نہ میرا گھر ہے نہ میرا در ہے، میں بے در بے گھر کہاں ٹھوکریں کھاؤں گی، تیرے محبوب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، وہ بھی یہی جواب دے کر خاموش ہو گئے، مولا! اب تیرے سوا تو میرا کوئی ہے ہی نہیں، جب کوئی نہیں سنتا تو مالک! تو تو سن لیا کرتا ہے، اب اس بڑھیا کی فریاد کو سن لے چنانچہ رب کریم نے اسی وقت اپنے محبوب ﷺ پر وحی نازل فرما دی۔ فرمایا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى

اللّٰہِ﴾ (المجادلة:۱)

"تحقیق اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے بارے میں تجھ سے جھگڑتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے رو لگاتی ہے۔"

اے مالک! آپ کتنے کریم ہیں کہ ایک بڑھیا اگر آپ کو پکارتی ہے تو آپ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما دیتے ہیں، تو کیا وہ بوڑھے جو گناہوں میں اپنے بال سفید کر بیٹھے، اگر تیرے گھر میں بیٹھ کر آج تجھے پکاریں گے اور تجھ سے تیری رحمت طلب کریں گے، تو اللہ! آپ کی رحمت کیوں نہیں متوجہ ہو گی اور ان کے گناہوں کو کیوں نہیں معاف فرمائے گی؟

ان کا رونا اتنا پسند آیا......!

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ وعظ فرمایا، وَعْظًا بَلِيْغًا۔ وہ بڑا پر اثر وعظ تھا۔ اس کی وجہ سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ رو پڑے جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آہ و زاری دیکھی تو فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا رونا اتنا پسند آیا کہ انکی وجہ سے محفل میں موجود تمام لوگوں کی اللہ نے مغفرت فرما دی۔ وہ کتنا کریم پروردگار ہے کہ اتنے بڑے مجمعے میں سے اس نے کسی ایک کی فریاد قبول کر لی اور اس صدقے باقی سب کی اللہ نے مغفرت فرما دی۔

تو پھر کوئی مسئلہ نہیں:

ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے سامنے قیامت کا تذکرہ ہوا۔ قیامت کا تذکرہ سن کر وہ دوسروں سے پوچھنے لگے: قیامت کے دن حساب کون لے گا؟...... بڑے سادہ سوال کرتے تھے...... ان کو جواب ملا: اللہ تعالیٰ حساب لیں گے۔ کہنے لگے: اگر اللہ تعالیٰ نے حساب لینا ہے تو پھر خیر ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر فرشتے حساب لیں

گے تو پھر مسئلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جب انہوں نے سنا کہ قیامت کے دن خود پرورد
حساب لیں گے تو پھر کہنے لگے: اگر اللہ تعالیٰ نے حساب لینا ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں
اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی کریم ہیں اور پروردگار بہت ہی ر
ہیں۔ ان کو اللہ کی رحمتوں پر کتنا بھروسہ ہوگا، ان کو اللہ کی رحمتوں پر کتنا یقین ہوگا ک
کر کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حساب لینا ہے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

بخشش کا بہانہ دیکھو......!

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک بندہ بڑا ہی گنہگار تھا۔ ایک مرتبہ اپنے گنا
نادم ہو کر ''یارب'' کے الفاظ کہے۔ اس کا معنیٰ ہے، اے پروردگار!...... اللہ تعالیٰ
اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا۔ فرشتے بڑے متعجب ہوئے کہ ساری زندگی کے گ
''یارب'' کہنے پر معاف کر دیے۔ رب کریم نے فرمایا:

أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا (البخاری: رقم ۷۰۶۸)

''کیا میرا یہ بندہ بھی جانتا ہے کہ اس کا بھی کوئی پروردگار ہے؟''

اگر یہ جانتا ہے کہ اس کا بھی کوئی پروردگار ہے تو اب میں پروردگار اس ک
گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں۔ بھئی! ہمارا تو وہی پروردگار ہے نا۔ ہم تو اسی
مانگتے ہیں۔ اس کی رحمت کو طلب کرتے ہیں کہ وہ رب کریم اپنی رحمت عطا ف
دے۔

پھر مجھے اللہ کب دے گا؟

ایک بوڑھی عورت تھی۔ وہ بے چاری نادار تھی، معذور سی تھی۔ اسے روٹی مل
نہیں تھی۔ وہ تڑپتی تھی اور گھروں سے جا کر مانگتی تھی۔ کبھی کسی کے پاس کچھ ہوتا تو
دے دیتا اور جس کے پاس نہ ہوتا، وہ کہتا: اچھا بی بی! اللہ دے گا۔ اللہ دے گا۔ ال

تعالٰی کی شان کہ اس بڑھیا کی وفات ہو گئی۔ کسی کو خواب میں ملی تو اس نے پوچھا: سنائیں آگے کیا معاملہ ہوا ؟ کہنے لگی: میں اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوئی فرشتوں نے مجھ سے پوچھا: کیا لائی ہو؟ میں رونے لگ گئی۔ میں نے کہا: میں تو ساری زندگی در در کی ٹھوکریں کھاتی رہی، جدھر ہاتھ پھیلاتی تھی، وہی کہتا تھا: اللہ دے گا، اللہ دے گا۔ اب میں اللہ کے حضور آئی ہوں، میں تو ساری عمر سنتی رہی کہ اللہ دے گا، اور تم پوچھتے ہو کہ کیا لے کر آئی ہو، تو مجھے اللہ کب دے گا؟ میری یہ بات اللہ کو ایسی پسند آئی کہ اسی بات پر اللہ نے میری مغفرت کر دی۔

محبت کا اشارہ:

ایک بندے کی جھونپڑی تھی، وہ سرکنڈے کی بنی ہوئی تھی۔ کہیں سے ایک ہاتھی والا آ گیا۔ ہاتھی والے نے اس جھونپڑی والے سے کہا: میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: جی! میں تو نہیں کر سکتا۔ پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: آپ تو ہاتھی والے ہیں، آپ تو ہاتھی لے کر آئیں گے اور میری جھونپڑی میں ہاتھی آ نہیں سکتا۔ تو یہ سن کر ہاتھی والا مسکرایا اور کہنے لگا: بس تم ہاں کر دو، میں تمہاری جھونپڑی کو بھی محل بنا دوں گا۔ جہاں ہاتھی آ جاتا ہے، اور ہاتھی والا جھونپڑی والے کی زبان سے محبت کی ہاں سننے پر اس کی جھونپڑی کو محل بنا سکتا ہے تو بالکل یہی معاملہ ہے کہ پروردگار نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (ال عمران:۲۵)

''اللہ دوست ہے ایمان والوں کا''

ان کی مثال ہاتھی والے کی اور مؤمن کی مثال جھونپڑی والے کی۔ اب اگر مؤمن ہاں کر دے کہ اللہ! اگر آپ دوستی کرنا چاہتے ہیں تو ہم بھی اس دوستی پر لبیک کہتے ہیں، تو پروردگار ہماری جھونپڑی کو محل خود بنا دیں گے۔ محبت کے آداب سکھا کر

ہمیں اپنی محبت کی نعمت خود عطا فرمادیں گے۔ یہ بڑوں کی طرف سے ہی محبت کا اشارہ ہے نا کہ فرمارہیں ہیں: اللہ ولی الذین امنوا۔ جب اشارہ ہے تو ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔ اے محبوب! ہم آپ سے محبت کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہمیں اپنی محبت میں شامل فرمالیجیے۔

محنت سے محبت ملتی ہے:

محبت اور محنت میں حرف اور نقاط ایک جیسے ہیں صرف نقطے کے اوپر اور نیچے ہونے کا فرق ہے۔ محنت میں نقطہ اوپر ہوتا ہے۔ جس کے اندر اونچائی ہے اس کو ابھی محنت کرنے پڑے گی۔ اگر عجب ہے، تکبر ہے، خود پسندی ہے تو اس کو اپنے اندر تواضع پیدا کرنی پڑے گی۔ یعنی نقطے کو اوپر سے نیچے لانا پڑے گا۔ یہ جو مشائخ کہتے ہیں جھک جاؤ، اپنے نفس کو مٹاؤ، اپنے اندر تواضع پیدا کرلو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ انسان محنت کے نقطہ کو اوپر سے نیچے لائے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی اس محنت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت عطا فرمادیتا ہے۔

محبوب حقیقی کا ناز اپنے حسن پر:

ایک بات ذرا توجہ سے سنیے گا۔ علمی نکتہ ہے طلبا کے لیے توجہ طلب بات ہے...... اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے''

اب یہاں محبت کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امر کا صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا کہ محبت کرو۔ یہ صیغہ استعمال نہیں ہوا، بلکہ اس جملہ میں اطلاع دی گئی ہے، اس جملے میں خبر دی گئی، جملہ خبریہ بن گیا۔ خبر کیا مل رہی ہے؟ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

”ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے“ تو یہاں طالب علم کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا حکم کیوں نہیں دیا؟

مفسرین نے اس کا جواب لکھا، وہ فرماتے ہیں: جو حسن و جمال والے ہوتے ہیں، ان میں ناز ہوتا ہے اپنے حسن پر۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کسی کو پتہ چل گیا کہ ہم اتنے حسین ہیں تو پھر ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم سے محبت کرو۔ ارے! وہ اس حسن کی وجہ سے بے اختیار محبت کرے گا۔ اے ایمان والو! ہم بھی بتا رہے ہیں کہ ہم کتنے حسن جمال والے ہیں، لہٰذا اس حسن و جمال کی اطلاع کے بعد تم محبت کیے بغیر رہ نہیں سکتے۔ ہمیں پکا یقین ہے کہ جب تم ہمارے حسن و جمال کی باتیں سنو گے، ہمارے کرم کی داستانیں سنو گے، ہمارے رحم کے قصے سنو گے کہ وہ کتنا ارحم الراحمین ہے، احکم الحاکمین ہے، اکرم الاکرمین ہے، تو تم محبت کیے بغیر رہ نہیں سکتے۔ یہ محبت ایک خیر ہے کہ اس کے بغیر بندہ رہ نہیں سکتا۔ میرے دوستو! اس میں ایک ناز کی بات ہے۔ حسن والے کہتے ہیں: ہمارے چاہنے والے بڑے ہیں، کوئی نہیں بھی چاہے گا تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ بھی ناز کا ایک معاملہ ہے۔ پروردگار نے اطلاع دے دی کہ ایمان والے شدید محبت کرتے ہیں۔ اگر کوئی محبت نہیں کرتا تو ہمارے حسن و جمال پر کوئی فرق نہیں آتا، ہماری عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا، یاد رکھنا! ہمارے چاہنے والے بڑے ہیں۔

اللہ کو چاہنے والے:

یاد رکھنا! ہمارے چاہنے والے بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بڑے یوسف اور زلیخا ہیں، اس کو چاہنے والے بڑے لیلیٰ اور مجنوں ہیں۔ یہ تو ہماری اپنی ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔ اللہ سے محبت کرنے والے کیسے کیسے دنیا میں گزرے۔ لاکھوں نہیں، کروڑوں کی تعداد میں

اس کو چاہنے والے اسے راتوں کی تنہائیوں میں پکارتے تھے۔ اس کے سامنے دامن پھیلاتے تھے، اس کے نام پہ جانیں دیتے تھے، مال لٹاتے تھے، اس کی محبت میں راتوں کو رو دیا کرتے تھے، ان کی داستانیں جب سنتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں۔

⊙...... میں چشمِ تصور سے دیکھتا ہوں، مجھے بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا نظر آتا ہے، تنہائی میں بیٹھا اپنے رب سے باتیں کر رہا ہے۔ اللہ! موسیٰ کلیم اللہ نے بتایا ہے کہ تیری بیوی نہیں، تیرے بچے نہیں، اللہ! تیری خدمت کرنے والا کوئی نہیں، میں تجھے دعوت دیتا ہوں، اے مالک! آجا! میں آپ کی خدمت کروں گا، میں یہ دوں گا وہ دوں گا جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو انہوں نے تنبیہ کی یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے، اس طرح نہیں کہنا چاہیے۔ وہ بوڑھا ڈر گیا اور موسیٰ علیہ السلام چلے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی ''اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے تو تمہیں اس لیے بھیجا تھا کہ تو لوگوں کو مجھ سے جوڑ دیتا اور تو نے تو بندے کو مجھ سے توڑ دیا ہے''۔ اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ وہ بوڑھا ایسی باتیں کر رہا تھا جو اللہ تعالیٰ کے شان کے مناسب نہیں تھیں، محبت میں کہہ رہا تھا۔ اگر وہ باتیں بھی اللہ کو اچھی لگتی ہیں تو جو باتیں اللہ کی شان کے مطابق ہیں، اگر وہ کوئی محبت سے کہے گا تو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں کتنی اچھی لگیں گی۔

⊙...... ایک عورت تھی وہ تہجد کے بعد دعا مانگتی تھی:

''اللہ آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کا واسطہ، میرا یہ معاملہ یوں کر دیجیے۔ کسی نے کہا: ایسے نہ کہو، بلکہ کہو: ''اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کا واسطہ'' وہ کہنے لگی: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر اللہ کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ مجھے یوں نہ جگاتا اور تجھے یوں ساری رات میٹھی نیند نہ سلاتا۔''

وہ تو محبت والے ایسے تھے۔

◎......ان محبت والوں میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جب ان کے سامنے کوئی اللہ کا نام لیتا تھا تو وہ اس کے منہ کے اندر گڑ کی ڈلی ڈال دیتے تھے۔ کسی نے پوچھا: آپ یہ کیا کرتے ہیں کہ جو اللہ کا نام لے اس کے منہ میں گڑ ڈالتے ہیں۔ وہ جواب میں کہتے تھے: ''جو میرے محبوب کا نام لے میں اس کے منہ میں مٹھاس نہ ڈالوں تو اور کیا کروں؟''

◎......امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کا قرآن پڑھتے تھے۔ اپنے رب کے ساتھ باتیں کرتے تھے چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھ کر اپنے رب سے محبت کا کیسا ثبوت پیش کر دیا۔

◎......اللہ کے چاہنے والوں میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے ہیں۔ جن کو اللہ کے قرآن کی خاطر کوڑے لگائے گے۔ انہوں نے وہ کوڑے برداشت کر لیے۔

◎......ارے! اللہ کے چاہنے والوں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے ہیں۔ وقت کے حاکم نے ان کا منہ کالا کر دیا۔ مدینہ میں پھرا دیا تا کہ ان کی بے عزتی ہو لیکن وہ خود کہنے لگے: ''جو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور مجھے دین کی خاطر یوں رسوا کیا جا رہا ہے'': اللہ کی محبت میں قربانیاں دینے والے عزتیں قربان کرنے والے، جان قربان کرنے والے، کیسے کیسے عجیب لوگ گزرے ہیں۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت کے چاہنے والے بہت تھے۔

اہلِ محبت کا قافلہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آج تک جتنے بھی مشائخ گزرے ہیں، ان میں سے ایک ایک کے حالات زندگی پڑھیے، پھر پتہ چلے گا کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کیسی تھی، ان کے دن اور راتیں کیسی تھیں؟ مشائخ نقشبند ایک ٹولہ ہے، ایک

جماعت ہے، ایک قافلہ ہے، جو اللہ کی محبت کے راستے پر چلا۔ بالآخر کتنے خوش نصیب تھے جو اس منزل پر پہنچ گئے۔ آج ہم انہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ اگر ہم بھی محبت کے اس راستے قدم پر اٹھاتے رہیں گے اور آگے بڑھتے رہیں گے تو یقیناً پروردگارِ عالم ہمیں بھی اپنی سچی محبت عطا فرما دیں گے اور ہمیں بھی انہی کے ساتھ قیامت کے دن واصل فرما دیں گے اور اگر ہم پیچھے ہٹے تو میرے دوستو! نقصان ہمارا اپنا ہے۔ اس کے چاہنے والوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔

اللہ سے اللہ کو مانگ لیجیے:

اس لیے آج کی اس محفل میں ہم اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے دعا مانگیں: پروردگار! ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیجیے۔ عمر گزرتی جارہی ہے، کوئی کہتا ہے: فلاں سے بیعت ہے کوئی کہتا ہے: یہ صوفی ہے، کوئی کہتا ہے: یہ ذاکر ہے، کوئی کہتا ہے: یہ سالک ہے۔ یہ سب لفظ اپنی جگہ، مگر اللہ! اگر دل میں محبت کی مٹھاس نہ ہوئی تو ہم قیامت کے دن کیا منہ دکھائیں گے۔ آج وقت ہے تیرے چاہنے والوں کا مجمع ہے اس میں ہم آپ سے ایک ہی سوال کرتے ہیں"

((اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ حُبَّکَ)) (الترمذی: رقم ۳۴۱۲)

''اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتے ہیں"

اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیجیے۔ اے اللہ!

......ہم یہ بے کیف نمازیں کب تک پڑھتے رہیں گے؟

......ہم بے ذوق سجدے کب تک کرتے رہیں گے؟

......کھڑے مسجد میں ہوتے ہیں اور پہنچے گلی کوچہ بازار میں ہوتے ہیں!

......یہ ظاہر داری کب تک رہے گی؟

......حقیقت کب آئے گی؟

......وہ مقامِ احسان جو کتابوں میں پڑھتے ہیں، وہ ہمیں کب نصیب ہوگا؟

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ)) (ابنِ ماجہ: رقم ۶۴)

......یہ باتیں ہی رہیں گی یا کبھی یہ حقیقت بھی بنے گی۔ آج اس کی حقیقت بنا دیجیے اور ہمیں اپنی سچی محبت عطا فرما دیجیے۔

اے مالک! آپ تو بڑے کریم ہیں آپ نے دو نبیوں کو فرعون کے پاس بھیجا۔ فرعون جیسا مردود جو اپنے آپ کو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا تھا، اللہ! آپ نے اس کے بارے میں ان نبیوں کو حکم فرمایا:

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ (طہ: ۴۴)

''تم فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنا''

اللہ! جو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا ہے، آپ اس کے ساتھ بھی نرمی کا حکم دیتے ہیں، ہم تو سجدے میں سبحان ربی الاعلی کہتے ہیں، پھر آپ ہمیں کیسے محروم فرمائیں گے۔ مالک! ہمارا یہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا قبول کر لینا، اللہ ہمارے سجدے رد نہ کر دینا۔ ہم پیشانیاں ٹکاتے ہیں۔ مولا! کہیں ان کو خالی نہ لوٹا دینا۔ رب کریم! جب آپ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہنے والے کے ساتھ اتنے حبیب ہیں کہ نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم دیتے ہیں تو پھر یہ تو سبحان ربی الاعلیٰ کہنے والوں کا مجمع ہے، ہم دامن پھیلائے بیٹھے ہیں، رب کریم! ہم آپ کی رحمت کے سوالی ہیں، آپ کے طلب گار ہیں۔ اللہ! کوئی کتنی دور سے آیا کوئی کتنی دور سے آیا، میرے مولا! یہ سب ایک ہی چاہت لے کر آئے ہیں۔ مرد بھی آئے عورتیں بھی آئیں، گھروں کو چھوڑا، خویش قبیلہ چھوڑا اور اپنے وطن کو چھوڑ کر صرف تجھے منانے آئے ہیں اور تیرا تعلق لے کے آئے ہیں، اے مالک! اب ہمیں خالی نہ لٹا دینا اور آج کی اس محفل میں ہمیں اپنی محبت کی یہ نعمت عطا فرما دینا، اپنی محبت کی شدت عطا فرما دینا۔ ہم آپ کے چاہنے والوں میں شامل ہونا

چاہتے ہیں۔رب کریم! ہمارے اندر استطاعت نہیں، ہمارے اندر خوبیاں نہیں لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ ہمیں اپنے قریب کر سکتے ہیں۔اللہ! جب کوئی چھوٹا بچہ اپنے باپ کی طرف چل کے جاتا ہے، وہ ڈگمگانے لگتا ہے تو باپ اسے گرنے نہیں دیتا بلکہ بچے کو اٹھا کے سینے سے لگا لیتا ہے۔ ہماری بھی یہی مثال ہے، ہم چلنا چاہتے ہیں، شیطان گرانا چاہتا ہے۔اے مالک! تو ہمیں گرنے نہ دینا، گرنے سے پہلے ہمیں بھی اپنی رحمت کی چادر میں چھپا لینا۔ ہمارے ساتھ کرم کا معاملہ فرما دینا۔رب کریم! تو اپنی رحمتوں کے فیصلے فرما دینا۔اے اللہ! ہم آپ کی رحمتوں کے امیدوار ہیں کہ اس محفل میں آپ کی محبت اپنے دلوں میں پائیں گے اور ہمارے انگ انگ میں آپ کی محبت سرایت کر جائے گی۔ ہمارے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ہمارے رگ و ریشے میں آپ اپنی محبت پیوست کر دو گے۔ہم ہٹنا بھی چاہیں تو آپ ہمیں ہٹنے نہیں دیں گے، ہم پیچھے جانا بھی چاہیں تو آپ ہمارے راستے بند کر دیں گے۔اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما دیجیے اور قیامت کے دن اپنے چاہنے والوں کے قدموں میں ہمارا بھی حشر فرما دیجیے۔میرے مالک! ہم نے کتابوں میں پڑھا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ہوں گے، وہ آپ کے سامنے حاضر ہوں گے، اللہ! وہ آپ کو دیکھ کر مسکرائیں گے اور آپ ان کو دیکھ کر مسکرائیں گے۔اے مالک! اب ہمارے دل کی بھی یہی چاہت ہے کہ ایسی زندگی عطا فرما دیجیے کہ جب قیامت کے دن حاضری ہو تو اللہ! ہم آپ کو دیکھ کر مسکرائیں، آپ ہمیں دیکھ کر مسکرائیں۔آواز آئے:

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ (الفجر: ۲۷-۳۰)

(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾

(ق:١٦)

قرب الٰہی کے مراحل

بیان: محبوب العلماء والصلحا

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 30 نومبر 2007ء

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

اقتباس

تو آج کی بات کی سمری یہ ہوئی کہ ادب سے انسان کے اندر علمِ نافع پیدا ہوتا ہے۔ علمِ نافع سے اس کو عمل کی توفیق مل جاتی ہے، عمل کی برکت سے انسان پر حکمت کے چشمے کھلتے ہیں اور حکمت کے ذریعے دنیا اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے اور آخرت کی طرف اس کا دل جڑ جاتا ہے۔ آخرت کے ساتھ دل جڑنے کی وجہ سے آخرت والے اعمال کرنے اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں۔ نوافل آسان، تلاوت آسان، تہجد آسان، سب کام آسان، پھر ان کاموں سے بندے کو اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قربِ الٰہی کے مراحل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (ق:۱۶)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَر

عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا الْمُقَرَّبُوْنَ (الدھر:۶)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ (الاحکام الشرعیہ:۲۶۰/۳۰)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

سب سے بڑی نعمت:

دنیا میں ہر انسان پر اللہ رب العزت کے بے شمار احسانات ہیں اس قدر نعمتیں ہیں کہ اگر ہم گننا چاہیں تو ان کو گن بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا﴾ (النحل:۱۸)

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے''

لیکن ان نعمتوں میں سے ایک نعمت سب سے اعلیٰ، سب سے اونچی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ رب العزت کسی بندے کو اپنا مقرب بنالیں۔ کسی سے خوش ہو جانا یہ بھی بڑی نعمت ہے، کسی کو ایمان اور ہدایت عطا کر دینا یہ بھی بڑی نعمت ہے مگر ان ایمان والوں

میں سے کسی کو اپنا مقرب بنالینا یہ اللہ رب العزت کا سب سے بڑا فضل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید سے بھی ملتی ہے۔ چنانچہ جب فرعون نے جادوگروں کو بلایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں تو جادوگروں نے ایک سوال پوچھا کہ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو ہمیں کیا بدلہ ملے گا۔ اب فرعون کے پاس سونے چاندی کے خزانے تھے، حکومت کے عہدے تھے، مگر ان میں سے اس نے کسی کا تذکرہ نہیں کیا۔ جب سوال پوچھا تو اس نے جواب میں کہا کہ

﴿اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ (الاعراف:۱۱۴)

"اگر تم جیت گئے تو تم میرے مقرب بن جاؤ گے"

تو معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کا قرب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے مقرب بندوں میں شامل کر لے۔

قربِ الٰہی کیسے ملے؟

جب یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان اور اتنا بڑا فضل ہے تو ہر مومن کی تمنا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں شامل ہو۔ چنانچہ قربِ الٰہی کیسے ملتا ہے؟ سالک کے ذہن میں یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے، آج کی اس محفل میں اسی عنوان پر گفتگو کرتے ہیں کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب کیسے بن سکتا ہے۔

ادب پہلا زینہ ہے:

سب سے پہلا کام جو اسے کرنا ہوگا وہ یہ کہ اپنے آپ کو ادب سے مزین کرے۔

اَدِّبُوا النَّفْسَ اَيُّهَا الْاَصْحَاب

طُرُقُ الْعِشْقِ كُلُّهَا اٰدَابٌ

"اپنے نفس کو ادب سکھاؤ! اے دوستو! اس لیے کہ اس عشق کے جتنے بھی

راستے ہیں وہ سارے کے سارے ادب پرمبنی ہیں''

تو ادب کے بغیر بندے کو کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا: ''با ادب با نصیب اور بے ادب بے نصیب'' کہ جو با ادب ہوتا ہے وہ بانصیب ہوتا ہے نیک بخت ہوتا ہے سعید ہوتا ہے اور جو بے ادب ہوتا ہے وہ بدنصیب ہوا کرتا ہے۔

دین سراسر ادب ہے:

ارشاد فرمایا:

اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اَدَبٌ

''دین تو سارا کا سارا ادب ہی ہے''

اللہ تعالیٰ کا ادب، رسول اللہ ﷺ کا ادب، کلام اللہ کا ادب، بیت اللہ کا ادب، اولیاء اللہ کا ادب، والدین اور اپنے اساتذہ کا ادب۔

دین پورے کا پورا ادب ہے لیکن بعض لوگ وہ ادب کو شاید غیر ضروری چیز سمجھتے ہیں، توحید کے خلاف سمجھ لیتے ہیں، دھوکا کھا لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ایک آدمی کو حرم میں مکہ کے اندر جوتوں سے چلتے دیکھا اور وقت بھی اشراق کا تھا۔ کوئی گرمی نہیں تھی کہ پاؤں جلتے۔ انسان سوچ لیتا ہے کہ پاؤں میں تکلیف ہوگی دھوپ میں نہیں چل سکتا۔ ایک آدمی کو قرآن مجید کو سر کے نیچے لے کے سوئے ہوئے دیکھا۔ وہ کلام اللہ شریف کو بھی ایسی ہی کتاب سمجھ رہا تھا جیسے عام انگریزی کی کتاب ہوتی ہے۔ ہمارے علما نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا کہ انہوں نے ہمیں ادب سکھایا۔ چنانچہ ہمارے اس علاقہ کے لوگ پاکستان ہندوستان بنگلہ دیش یہ لوگ ادب سے مزین ہیں۔ یہ ایسی کوئی بات دیکھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک بوڑھے نے دیکھا تو اس نے جا کے وہ جو سویا ہوا بندہ تھا اس کے سر کے نیچے سے قرآن پاک نکال لیا۔ وہ غصے ہونے لگا کہ تم نے کیوں میرے نیچے سے نکالا۔ اسی طرح جو آدمی جوتے پہن کے مسجد میں جا

رہا تھا، ایک نوجوان گیا اور جا کے اس کو کہا کہ مسجد ہے اس نے آگے سے کہہ دیا: ''لَا بَأْسَ فِیْہِ'' اس میں کوئی حرج نہیں۔ وہ نوجوان بڑا کنفیوز ہوا کہ مجھے اس نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ دیکھو بھائی! ایک ہوتا ہے قرآن پڑھنا اور ایک ہوتا قرآن سمجھنا۔ اس بیچارے نے پڑھا تو ہوگا سمجھا نہیں۔ کہنے لگا: وہ کیسے؟ میں نے کہا: آپ غور کرو! اللہ رب العزت نے کوہ طور پر تجلی ڈالی، اس تجلی کے بارے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر علیہ السلام سے فرماتے ہیں۔

﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ (طٰہٰ:۱۲) ''اپنے جوتوں کو اتار لیجیے''

تو کوہِ طور کی اس تجلی کے سامنے ادب سکھایا جا رہا ہے کہ جوتے اتار دیجیے اور یہ تو بیت اللہ ہے یہاں پر اللہ تعالیٰ کی کیا تجلیات برس رہی ہوں گی۔ تو اس کو سمجھ نہیں آتا یہ اللہ کا گھر ہے، مسجد ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھ لیجیے کہ دین سارا کا سارا ادب ہے۔

ادب اور علمِ نافع:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ فِیْ تَادِیْبِیْ)) (کنز الاعمال، رقم:۳۱۸۹۵)

''میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا''

پھر فرمایا:

((عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ))

''تو اللہ نے مجھے علم بھی سکھایا اور بہترین علم سکھایا''

تو یہاں سے محدثین نے نکتہ نکالا کہ ادب انسان میں پہلے آتا ہے اور علم نافع اس کے بعد آتا ہے۔ چنانچہ جس کے اندر ادب نہ ہو، اس کو علمِ نافع نصیب نہیں ہوتا۔ معلومات مل جاتی ہیں۔ اگر وہ ذہین ہوگا تو اس کو بہت عبارتیں یاد ہو جائیں گی لیکن جس کو علمِ نافع کہا گیا جس کی حدیث پاک میں دعائیں مانگی گئی وہ نصیب نہیں ہوتا۔

چنانچہ ادب سے ہی انسان کو علم نافع نصیب ہوتا ہے۔

حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ادب:

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ طلبا سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت کشمیری کیسے بنے؟ یعنی علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ علامہ انور شاہ کشمیری کیسے بنے؟ جس طالب کو تفسیر کے ساتھ ذوق تھا کہنے لگا: جی وہ بڑے اعلیٰ مفسر تھے، کسی نے کہا: بڑے اچھے محدث تھے، جس کو اشعار کے ساتھ رغبت تھی اس نے کہا: جی ان کا کلام بہت اچھا تھا، جی ان کی تقریر بہت اچھی تھی۔ حضرت سنتے رہے بالآخر ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت آپ بتا دیجیے۔

تو مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ یہ سوال خود حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا کہ آپ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کیسے بنے کہ بیس سال کے بعد بھی پڑھی ہوئی کوئی بات آپ کو یاد رہتی ہے۔ قوتِ حافظہ ایسی ہے کہ احادیث آپ ہزاروں کے حساب سے پڑھ دیتے ہیں، ایسی قوتِ حافظہ تو دیکھی نہیں گئی۔ تو آپ کو یہ نعمت کیسے ملی؟ تو حضرت کشمیری نے جواب دیا کہ میں نے دینی کتابوں کا ادب کیا کتابوں کا ادب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کشمیری بنایا۔

پوچھا گیا کہ حضرت! ادب تو سارے ہی کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ نہیں! میں اتنا ادب کرتا تھا کہ کبھی بھی تاریخ کی کتاب کو دین کی کتاب پر نہیں رکھتا تھا۔ کسی بھی دین کی کتاب کے نیچے میں نے حدیث کی کتاب کو نہیں رکھا، حدیث کو فضیلت ہے۔ اور کبھی حدیث کی کتاب کے نیچے میں نے قرآن پاک کو نہیں رکھا، اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ کتابوں کے رکھنے میں بھی میں مرتبے کا خیال رکھتا ہوں۔ اور فرمایا کہ میں نے کبھی بے وضو حدیث پاک کی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لوگ تو قرآن پاک پڑھنے کے لیے وضو کرتے ہیں، میں نے حدیث کی کتاب کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگایا۔

اور فرمایا کہ میں جب کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں تو خود کتاب کے تابع ہوتا ہوں، کتاب کو اپنا تابع نہیں کرتا۔ حضرت وہ کیسے؟ فرمایا: جب میں یوں پڑھ رہا ہوتا ہوں اور حدیث کی کتاب کے حاشیے پر کچھ لکھا ہوتا ہے تو میں حاشیہ ادھر سے بھی پڑھتا ہوں پھر ادھر سے بھی پڑھتا ہوں۔ جب ادھر سے پڑھنے کا وقت ہوتا ہے تو میں کتاب کو یوں نہیں کرتا بلکہ میں خود اٹھ کے ادھر آتا ہوں کہ کتاب میرے تابع نہ بنے میں کتاب کے تابع بن جاؤں۔ میں حدیث پاک کی کتاب کا اتنا ادب کرتا ہوں۔ فرمانے لگے: کہ کتابوں کے ادب نے مجھے اللہ رب العزت کی جناب سے ایسا علم عطا فرما دیا۔

حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا ادب:

چنانچہ حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کی مرشدِ عالم کیسے بنے؟ تو فرمایا کرتے تھے کہ کبھی میں نے اپنے شیخ کے چہرے کو بے وضو نہیں دیکھا۔ ہمارے سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ، ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے زندگی میں بیت اللہ کو کبھی بے وضو نہیں دیکھا۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ ضروری نہیں ہے، نہ فرض ہے نہ واجب ہے، ہاں ادب ہے۔ اس لیے قابلِ اجر ہے۔ ان شعائر اللہ کا ادب دل میں ہو۔ چنانچہ جس نے کتابوں کا ادب کیا یا استاد کا ادب کیا، اس کو اللہ رب العزت علمِ نافع عطا فرمائیں گے۔

حضرت غلام رسول پونٹوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد تھے، ان کا نام تھا غلام رسول۔ شجاع آباد ملتان کی طرف ایک بڑا شہر ہے، وہاں سے آگے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ پونٹا، اس کا نام ہے، دیہات میں انہوں نے مدرسہ بنایا تھا اور ان کا مدرسہ روڈ سے تیس کلو میٹر کے اندر تھا اور فصلوں کے اندر سے سر پر بستر رکھ کر جانا پڑتا تھا۔ نہ تانگہ نہ ریڑھی

کچھ بھی نہیں ملتا تھا، چل ہی نہیں سکتے تھے۔ طلبا تمیں کلومیٹر بستر سر پر رکھ کر جاتے تھے اور جمعرات کو کبھی آنا ہوتا تو تمیں کلومیٹر پیدل چل کر واپس آتے تھے پھر سڑک ملتی تھی۔ اگلا سفر بعد میں اور اس دیہات میں جہاں ان کے پاس زندگی کی سہولیات بھی نہیں تھیں۔ تین سو طلبا پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔

آپ اتنے بڑے نحوی تھے کہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ ہوا اور اس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے مشاہیر علما تشریف لائے۔ مفتی اعظم پاکستان اور دوسرے حضرات، بڑے بڑے شیوخ الحدیث اور مفسرِ قرآن سب تشریف لائے۔ اس وقت حضرت مولانا خیر محمد جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی تھے اور بہت بڑے عالم بھی تھے اور اس مدرسے کے بانی بھی تھے، انہوں نے سٹیج پر کھڑے ہو کر حضرت غلام رسول پونٹوی رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور اعلان فرمایا: شمس النحات غلام رسول پونٹوی دامت برکاتہم تشریف لائیں۔ اب جس کو پورے ملک کے علما کے سامنے شمس النحات کہا جا رہا ہو وہ کتنے بڑے عالم ہوں گے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت عزتوں سے نوازا آخر آپ کو یہ علم کیسے ملا؟ (ان کی ایک کتاب شرح مائۃ عامل پونٹوی اکثر مدارس میں پڑھائی جاتی ہے) فرمایا: مجھے اپنے استاد کے ادب کی وجہ سے ملا۔ حضرت! استاد کا ادب تو سارے بچے کرتے ہیں، فرمایا: نہیں میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے جب بخاری شریف پڑھتا تھا تو حضرت نے اپنے کمرے سے دار الحدیث میں چل کر آنا ہوتا تھا تو میں استاد کی محبت میں رات کو طلبا سے چھپ کر اس راستے کو صاف کیا کرتا تھا۔ کہ میرے شیخ الحدیث ہیں میں نے ان سے علم حاصل کرنا ہے۔ اور فرمایا کہ ایک دن جھاڑو نہیں تھا تو میں نے اپنے امامہ کو اتارا اور پگڑی سے اس راستے کو صاف کیا۔ اللہ کی شان کہ اسی رات شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑکی سے جھانکا اور ان کی نظر پڑ گئی، انہوں نے بلا لیا۔ غلام رسول! کیا کر رہے ہو؟ بات کھولنی

پڑ گئی کہ حضرت! میں روز اس راستہ کو صاف کرتا ہوں۔ آپ تشریف لاتے ہیں، میں آپ سے علم حاصل کرتا ہوں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بہت خوشی ہوئی تو حضرت نے دعا دی۔ قبولیت کا لمحہ، ایک لمحے میں اللہ تعالیٰ کو وہ درجے طے کروا دیتا ہے جو انسان سالوں کی محنت سے حاصل نہیں کرسکتا۔ پھر اللہ نے وہ مقام دیا کہ طلبا کو فرمایا کرتے تھے اگر پوری دنیا میں سے شرح جامی کو ضبط کرلیا جائے، ختم کر دیا جائے، کہیں نہ ملے اور کوئی طالب علم میرے پاس آکر کہے کہ حضرت شرح جامی کی ضرورت ہے۔ فرماتے تھے کہ اپنی قوتِ یادداشت سے اس کتاب کو میں دوبارہ لکھوا سکتا ہوں۔

تو سب سے پہلے انسان کے اندر ادب آتا ہے اور اس ادب کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ علمِ نافع عطا فرماتے ہیں۔ معلومات تو آجاتی ہیں، بحث مباحثہ، دلائل، یہ تو بے ادب لوگوں کو بھی بڑے آتے ہیں لیکن وہ علم جو علمِ نافع بنے وہ ادب کرنے والوں کو ملا کرتا ہے۔ چنانچہ پہلے انسان کو ادب آتا ہے اور ادب کی برکت سے انسان کے اندر علمِ نافع آتا ہے۔

علمِ نافع سے عمل نصیب ہوتا ہے:

علمِ نافع کی یہ پہچان ہے کہ انسان کو اس علم پر عمل نصیب ہوجاتا ہے۔ یہ علمِ نافع کی پہچان ہے۔ ایک آدمی جانتا ہے، لیکن عمل کی توفیق نہیں تو یہ علمِ نافع نہیں ہے۔ یہ علم اس کے لیے حجت ہے۔

ایک دفعہ حضرت شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے طلبا سے پوچھا کہ علم کسے کہتے ہیں؟ تو مختلف طلبا نے مختلف جواباتِ دیے۔ حضرت نے فرمایا: کہ دیکھو! علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔ تو جس علم پر عمل کی توفیق نصیب ہوجائے اس کو علمِ نافع کہتے ہیں۔ ہمارے کسی اکابر نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ كَشَجَرٍ بِلَا ثَمَرٍ

''علم بغیر عمل کے ایسا ہی ہے جیسے درخت بغیر پھل کے ہو''

عمل سے حکمت نصیب ہوتی ہے:

تو ادب سے علمِ نافع ملا اور علمِ نافع سے عمل کی توفیق ملتی ہے اور عمل سے انسان کو حکمت نصیب ہوتی ہے۔ یہ خیرِ کثیر ہے جو اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا﴾ (البقرۃ:۲۶۹)

''جسے حکمت مل جائے اسے بہت بڑی خیر مل جاتی ہے''

یہ وہ نعمت ہے جس کے ذریعے انسان کو وقت کے ساتھ دقائق اسرار سمجھ میں آتے ہیں۔ دین کے داعی کے لیے یہ لازمی چیز ہے۔ فرمایا:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (النحل:۱۲۵)

''اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھے انداز سے''

یہاں حکمت کا لفظ پہلے لیا گیا۔ تو یہ حکمت عمل کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔

حکمت کیا ہے؟

حکمت ملنے کی علامات یہ ہیں کہ انسان کو دین کے بارے میں شرح صدر ہوتا ہے۔ شکوک وشبہات سینے سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔ ورنہ تو جگہ جگہ پر اس کو تعارض نظر آتا ہے، شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ اب دین کے بارے میں طبیعت بالکل متفق ہو جاتی ہے۔ مکروہاتِ شرعیہ مکروہاتِ طبعیہ بن جاتی ہیں، طبیعت شریعت کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ حکمت کی یہ برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ دقائق اور اسرار سمجھنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے حضرت کے مدرسہ میں ایک استاد تھے جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ

سے کیا تھا۔ کوئی بیس سال انہوں نے مسلم شریف پڑھائی اور نیک بزرگ تھے، تہجد گزار تھے۔ حضرت کے بڑے مداح تھے، اللہ کی شان کہ دو سال حضرت کے دارالعلوم میں رہے مگر بیعت کے لیے جرأت نہ کی۔ بس یہی سمجھتے رہے کہ محبت تو مجھے ہے، حضرت سے میں درس بھی سنتا ہوں، بیان بھی سنتا ہوں، باتوں پر عمل بھی کرتا ہوں تو مقصود تو حاصل ہے۔ مگر وہ ایک تعلق جو جوڑا جاتا ہے اصلاح اور تربیت کا وہ نہ جوڑ پائے۔ حضرت کی وفات ہوگئی تو جس دن حضرت کی وفات ہوئی بس اس دن تو ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بہت دن تک گریہ زاری کرتے رہے۔ اب وہ ادھر ادھر دیکھتے تھے کہ کس سے بیعت ہوں؟ اب تو مجھے حضرت جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک دن مجھے فرمانے لگے کہ آپ مجھے بیعت کرلیں۔ اس عاجز نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ آپ حدیث پڑھانے والے، ہمارے حضرت کے خدمت کرنے والے، میں تو بچہ ہوں آپ کا۔ کہنے لگے: نہیں! طبیعت کی مناسبت آپ کے ساتھ ہے لہٰذا میں آپ سے یہ تعلق جوڑوں گا۔ خیر میں نے دو تین مرتبہ نہ کی تو ان کی آنکھوں سے آنسو آگئے، بات ماننی پڑی۔

وہ بسا اوقات عجیب باتیں سناتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ حضرت! میں آپ کو آنکھوں دیکھا واقعہ سناؤں! میں نے کہا کہ ضرور سنائیں۔ کہنے لگے کہ ہم دارالعلوم دیوبند میں تھے، حدیثِ پاک کا سبق ختم ہونے کا وقت قریب تھا، سعودی عرب سے کچھ علما کا ایک گروپ آیا۔ ایک جماعت آئی کہ جی ہم حکومت کی طرف سے آئیں ہیں، آپ لوگوں سے علمی نکتہ پر بحث مباحثہ کرنے کے لیے، ہمارے سوال کا جواب دیں۔

ناظمِ تعلیمات نے پوچھا کہ کیا سوال؟ کہنے لگے کہ حدیث پاک میں آیا کہ "بِنَا عَلَی الْقُبُوْرِ" کی اجازت نہیں۔ یعنی قبر کے اوپر جو عمارت بنا دیتے ہیں اس کی اجازت نہیں، کھلے آسمان کے نیچے ہونی چاہیے۔ اسی لیے ہمارے اکابر کے ہاں قبر کے اوپر

مقبرہ نہیں بناتے اور اگر کہیں آپ دیکھیں گے بھی سہی تو اوپر سے چھت خالی رکھتے ہیں۔ وہ بیٹھنے والوں کے لیے بناتے ہیں، جو قریب آ کے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ تو کہنے لگے کہ ہم نے بقیع شریف سے اس طرح کے سارے قبے جو بنے ہوئے تھے، جو ترکوں نے بنائے تھے وہ سب ہٹا دیے۔ اب سوال اٹھا کہ نبی ﷺ کا گنبدِ خضرا ہے۔ جب حدیث میں اجازت نہیں کہ قبر کے اوپر عمارت بنائی جائے تو پھر اس کو بھی کیوں نہ ہٹا دیا جائے؟ تو حکومت نے ہمیں کہا کہ نہیں تم مختلف ملکوں میں جاؤ اور وہاں کے علما سے بات چیت کرو۔ اگر سب متفق ہوں گے تو قدم اٹھائیں گے ورنہ نہیں۔ اسی سلسلے میں ہم آپ کے پاس آئیں ہیں۔ ناظم صاحب نے کہا کہ ہمیں تین دن کا وقت دیں ہم اور علما کو بھی مشورے کے لیے بلا لیں۔ ناظم صاحب نے علما کو اطلاع دی تو یہ بات تو جنگل کے آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ کہنے لگے: جس دن عصر کے بعد کا وقت متعین تھا، اس دن سے پہلی رات ہم نے دار العلوم میں ایسی دیکھی کہ پہلے کبھی دیکھی نہیں تھی۔ قریباً پانچ سو بڑے بڑے علما کا مجمع تھا، جید علمائے کرام جو استاذ الاساتذہ تھے ان کا مجمع تھا۔ کوئی آپس میں بیٹھ کر تکرار کر رہے ہیں، کوئی حدیث پاک پڑھ رہے ہیں، کوئی شروحات دیکھ رہیں ہیں، کوئی نفل پڑھ رہے ہیں، کوئی اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں، ساری رات علما کی روتے تڑپتے گزر گئی کہ اس کا جواب ہم کیا دیں۔

عصر کی نماز پڑھی گئی تو پانچ سو علما کا جو مجمع تھا سب بیٹھ گئے۔ تو جو عرب علما آئے تھے، ان میں سے ایک کھڑے ہوئے اور انہوں نے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ ہم آپ سے ایک علمی نکتہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ بناء علی القبور جائز نہیں۔ اب آپ بتائیے کہ گنبد خضرا کے بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ اس نے یہ سوال پوچھا اور بیٹھ گئے اور آگے

سناٹا، بالکل خاموشی، کوئی جواب دینے کے لیے اٹھ نہیں رہا تھا۔ کہتے ہیں ہم طلبا تھے ہم نے اردگرد دیکھا کہ اکثر علما کی آنکھوں میں سے آنسو تھے۔ بہت بڑی ذمہ داری تھی، سسکیاں لے کر رو رہے تھے۔ اس وقت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے اور جوابی خطبہ پڑھ کر فرمایا: الحمدللہ اللہ رب العزت نے میرا شرح صدر فرما دیا۔ فرمانے لگے: یہ حدیث بالکل صحیح حدیث ہے اس کے رواۃ کے اوپر بھی کوئی جرح اور تعدیل کا مسئلہ نہیں، متن صحیح ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ضعف کہیں سے نہیں آتا کہ بالکل صحیح حدیث ہے، بنا علی القبور کی اجازت نہیں۔ عرب علما وہاں کھڑے ہو گئے، کہنے لگے: جب آپ بھی کہتے ہیں کہ یہ بخاری شریف کی بالکل صحیح حدیث ہے کوئی ضعف نہیں تو پھر ہم جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے۔ فرمایا نہیں یہی تو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کر دیا کہ حدیث پاک بھی صحیح ہے مگر آپ گنبد خضرا کو گرا بھی نہیں سکتے۔ وہ بڑے حیران، کہنے لگے کہ کیا مقصد ہے آپ کا؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر جواب میں فرمایا کہ دیکھو! حدیث پاک صحیح ہے لیکن گنبد خضرا کو آپ نہیں ہٹا سکتے کیونکہ یہ بنا علی القبور نہیں ہے۔ یہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا، بنا پہلے تھی قبر بعد میں بنی، قبر پر چھت نہیں بنائی گئی پہلے سے یہ چھت تھی، جب اس کے اندر قبر مبارکہ کو بنایا گیا تو اب کوئی کون ہوتا ہے اس چھت کو ہٹانے والا؟ ایسی ان کی تسلی ہوئی کہ وہ کہنے لگے کہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہ حضرات واپس چلے گئے، آج بھی یہ گنبد خضرا اپنی جگہ پر کھڑا ہے، یہ علمائے دیوبند کی خدمات کی ایک نشانی نظر آتا ہے۔

تو ادب سے انسان کو علمِ نافع نصیب ہوتا ہے علم نافع سے انسان کو عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور عمل سے انسان کو حکمت نصیب ہوتی ہے۔

حکمت کا نتیجہ......دنیا سے بے رغبتی:

یہ حکمت خیر کثیر ہے یہ انسان کو شرح صدر عطا کر دیتی ہے۔ جب یہ حکمت انسان

کو مل جاتی ہے تو دنیا انسان کی نظر میں ادنیٰ ہو جاتی ہے۔ جب حکمت مل جائے تو دنیا انسان کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ عقل مند انسان وہی ہے جو دنیا کی حقارت کو پہچان لے۔ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس کی میراث تقسیم کرنی ہو، اور وہ وصیت کرے کہ میری میراث عقل مندوں میں تقسیم کی جائے تو لکھتے ہیں کہ زاہدین میں تقسیم کی جائے گی۔ جو زہد فی الدنیا اختیار کرتے ہیں۔

زہد کی حقیقت:

زہد فی الدنیا کسے کہتے ہیں؟ ترکِ لذاتِ دنیا کو کہتے ہیں، دنیا کی لذتوں کو ترک کرنا۔ بعض لوگ اس کو ترکِ دنیا سمجھ لیتے ہیں بس دنیا کو چھوڑ کر کسی جنگل میں چلے جاؤ، کسی غار میں چلے جاؤ، اس کو ترک نہیں کہتے۔ آپ دنیا میں رہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کریں، نرم گدوں پر سوئیں، پھولوں کی سیج کے اوپر سوئیں آپ کو اللہ پھر بھی مل جائے گا۔ مگر یہ کہ آپ کے دل میں دنیا کی ہوس نہ ہو۔ بلا طلب کے جو مل جائے وہ اللہ کی نعمت سمجھ کر استعمال کریں، دنیا کے پیچھے نہ بھاگیں، اس کو کہتے ہیں ترکِ لذاتِ دنیا۔ دنیا کی لذات کو ترک کر دینے کا کیا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا کے خوش ذائقہ کھانے چھوڑ دے، نہیں نہیں! یہ مطلب نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کھانوں کے خلافِ شرع معاملات ہیں، ان کو ترک کر دے۔ یہ نہیں کہ کھانے کا اتنا شوق کہ نہ حلال کا پتہ اور نہ حرام کا پتہ، یہ غلط بات ہے۔ او جی ہم نے تو میکڈونلڈز سے چکن نوڈلز کھاتے ہیں، حلال ہیں یا حرام کچھ پتہ نہیں، یہ چیز غلط ہے۔ تو ترکِ لذاتِ دنیا کا مطلب جو لذتیں انسان کو شریعت کے خلاف قدم پر اکساتی ہیں ان لذتوں کو چھوڑ دے۔ یہ مطلب نہیں کہ آج کے بعد بیوی کے قریب نہیں جانا۔

واقعہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے۔ واقعہ ایک آدمی کا کسی دوسرے شہر

میں مقدمہ تھا درمیان میں دریا پڑتا تھا۔ جب تاریخ آئی تو دریا چڑھا ہوا تھا ان کو دوسری طرف پہنچنا مشکل تھا۔ اب جانا بھی ضروری تھا چنانچہ یہ دعا کے لیے ایک بزرگ کے پاس گیا۔ یہ بزرگ جو بیوی بچوں کے ساتھ مقیم تھے ان سے دعا کے لیے کہا، اس نے کہا: اچھا دوسرے کنارے پر ایک بزرگ رہتے ہیں یہ ہدیہ ان کے پاس لے جانا البتہ دریا کے کنارے پہنچ کر کہنا مجھے اس بندے نے بھیجا ہے جس نے کبھی بیوی کے ساتھ ہم بستری نہیں کی (اور ماشاء اللہ پانچ سات بچے بھی کھیل رہے تھے) راستہ مل جائے گا۔ وہ بندہ بڑا حیران ہوا لیکن چلا گیا اور یہی الفاظ دہرائے، اللہ کی شان کہ دریا نے راستہ دے دیا۔ وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا، اپنا مقدمہ بھگتایا، شام کو دوسرے بزرگ کے پاس گیا اور جو ہدیہ انہوں نے بھیجا تھا ان کو پیش کیا، اور ان کو کہا کہ جی دعا کریں میں نے واپس بھی جانا ہے، دریا طغیانی پر ہے۔ انہوں نے کہا کہ دریا کو جا کر کہنا کہ مجھے اس بندے نے بھیجا ہے جس نے کبھی کھانا ہی نہیں کھایا۔ بندہ حیران کہ اللہ! ابھی تو ڈبہ صاف پورے کا پورا نہ روٹی چھوڑی نہ بوٹی چھوڑی اوپر سے یہ کہہ رہے ہیں کہ کبھی کھانا ہی نہیں کھایا۔ لیکن اس نے حسبِ ہدایت جب یہ الفاظ کہے دریا نے راستہ دے دیا۔ اس کے دل میں خلجان رہا کہ مسئلہ کیا ہے؟ وہ پہلے بزرگ کے پاس واپس آیا اور پوچھا کہ حضرت! آپ نے یہ کہا، انہوں نے یہ کہا، کچھ سمجھ نہیں آیا۔ حضرت نے پھر بات سمجھائی کہ دیکھو! ان بزرگوں نے جو کھانا کھایا حکمِ خدا سمجھ کر کھایا لذت کی خاطر نہیں کھایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ "تجھ پر تیری جان کا حق ہے"

انہوں نے یہ سمجھ کر کھایا، تو "انہوں نے کبھی کھانا کھایا ہی نہیں" کا مطلب یہ کہ نفس کی خاطر تو نہیں کھایا اور میں جب بیوی کی طرف متوجہ ہوا، ہمیشہ دل میں نیت یہ رہی کہ اس کے جو حقوق ہیں میرے اوپر مجھے ادا کرنے ہیں، کبھی نفس کی لذت کی

خاطر میں نے یہ کام نہیں کیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے میں نے کبھی ہم بستری کی ہی نہیں۔
تو یہاں سے ترکِ دنیا کا اصل مقصد سمجھ میں آنا چاہیے کہ انسان دنیا کے جتنے بھی جائز کام ہیں کرے مگر اللہ کی رضا کے لیے کرے، نفس کی خواہش کے لیے نہ کرے۔ اب ایک ہوتا ہے صاف ستھرے کپڑے پہننا لوگوں کو دکھانے کے لیے، ایک ہوتا ہے صاف ستھرے کپڑے پہننا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱)

''کہ مسجد میں جاتے ہوئے زینت اختیار کرو۔''

بس اتنا سا فرق ہے۔

ترکِ دنیا سے فکرِ آخرت نصیب ہوتی ہے:

تو سب سے پہلے انسان کو کیا نعمت نصیب ہوتی ہے؟ ادب ملتا ہے۔ ادب کے بعد انسان کو کیا ملتا ہے؟ علمِ نافع نصیب ہوتا ہے۔ علمِ نافع نصیب ہونے کے بعد انسان کو عمل کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ عمل کی برکت سے انسان کو اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتے ہیں۔ اور حکمت کا نور انسان کے دل میں دنیا کی حقیقت کو کھول دیتا ہے۔ لہٰذا انسان کا دل دنیا سے کٹتا ہے اور آخرت کے ساتھ جڑتا ہے۔ چنانچہ ترکِ دنیا سے انسان کو یہ نعمت ملتی ہے کہ اس کو ''اِنَابَةُ اِلَى الْآخِرَةِ'' کی توفیق مل جاتی ہے۔ ''اَلتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ'' دھوکے والے، گھر دنیا سے دل کٹ گیا وَ الْاِنَابَةِ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ ہمیشہ رہنے والے گھر آخرت کی طرف دل اٹک گیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ہم نے تصوف کی یہ نعمت اوراد و وظائف سے حاصل نہیں کی ترکِ دنیا اور مخالفتِ نفس کی وجہ سے حاصل کی۔ اللہ کرے یہ نعمت ہمیں بھی نصیب ہو جائے کہ دنیا کی چمک دمک ہم پر اثر نہ کرے۔

فکرِ آخرت کا انعام......قربِ الٰہی:

اب جس بندے کو انابت الی الآخرہ نصیب ہو جاتی ہے اس کا آخرت کی طرف دل لگ گیا اور اس نے آخرت والے اعمال کرنے شروع کر دیے، یہ وہ بندہ ہے جس کو اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہو جائے گا۔ انابۃ الی الآخرۃ کا انعام کیا ملے گا بندے کو؟ اللہ کا قرب نصیب ہو جائے گا۔ جس کے دل میں آخرت کی طرف دھیان لگ جائے اور ہر وقت اسی کی فکر میں لگا رہے، وہ اپنے وقت کو ضائع نہیں کرے گا۔ عبادات میں، خدمت میں، تعلیم میں، ان کاموں میں خرچ کرے گا۔ ان کاموں کے کرنے سے اسکو اللہ کا قرب ملے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: حدیث قدسی ہے:

((یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ)) (الاحکام الشرعیۃ:۳/۲۶۰)

''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب پالیتا ہے''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرض چھوڑ دے، نوافل ہی پڑھتا رہے، نہیں فرضوں کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کی بھی پابندی کرے۔ اشراق پڑھے، چاشت پڑھے، اوابین پڑھے، تہجد پڑھے، مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھے، تحیۃ الوضو پڑھے۔ دل میں عبادت کا ذوق ہو طبیعت میں نیکی کا شوق ہو، ہاں کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔ آج کل تو نوجوان طالب علم کو دیکھا کہ نفل پڑھنے ان کے لیے بھی مشکل ہوتے ہیں۔ جب بھی آپ کو موقع ملے نوافل ضرور پڑھیں، کیا معلوم؟ کس جگہ پر کیا ہوا آپ کا سجدہ آپ کے مالک کو پسند آجائے۔ تو انسان اللہ کا مقرب کب بنتا ہے جب اسے انابت الی الآخرۃ کی توفیق مل جائے اور وہ عبادت میں نوافل میں لگ جاتا ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کی دوسروں سے زیادہ کوشش کرتا ہے۔

لینے کے دو طریقے:

لینے کے دو طریقے ہوتے ہیں: ایک ہوتا ہے ضابطے کا طریقہ، اور ایک ہوتا رابطے کا طریقہ۔ رابطے کا طریقہ تو یہ ہوا کہ ایک مزدور گھر میں کام کرنے کے لیے آیا، آٹھ گھنٹے مزدوری کی دو سو روپے لے کر چلا گیا، یہ ضابطے کا ملا ہے۔ اور فرض کریں وہ اگر اچھا کام کرنے والا نیک آدمی ہے اور اداس اور مغموم بیٹھا ہے، مالک اس سے پوچھتا ہے کہ بھئی اداس کیوں ہو؟ کہتا ہے کہ کل بہن کی رخصتی ہے، والدین غریب ہیں، میں ہی محنت مزدوری کرتا ہوں، ہم اس کا پورا جہیز بھی نہیں بنا سکے، پریشان ہوں کہ بہن کی رخصتی کے وقت کچھ تو ہم اس کی ضرورت کی چیزیں دے کے رخصت کرتے۔ اب اس نے جو تھوڑا اپنا حالِ دل کھولا تو مالک کو ترس آیا اور مالک مکان نے بیس ہزار روپے اس کو دے دیے۔ تو آٹھ گھنٹے میں اس کو ضابطے کے ملے دو سو روپے اور آٹھ منٹ کے رابطے کے کتنے ملے؟ بیس ہزار روپے۔

رابطے سے لینا:

جب بندہ نفلیں پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، یہ رابطے سے لے رہا ہوتا ہے۔ اب مسئلہ سمجھ میں آ گیا کہ کیوں کہتے ہیں کہ اشراق کے نفل پڑھنے سے بندے کو ایک حج اور عمرے کا ثواب ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے ایک حج اور عمرے پر بڑا خرچ ہوتا ہے، بہت محنت لگتی ہے کیونکہ وہ جو ملتا ہے ضابطے سے ملتا ہے۔ اور نفل پڑھنے پر کیسے ملا ؟ رابطے سے ملا۔ رابطے کا حساب کوئی نہیں جتنا چاہے مولا دے دیتے ہیں۔

جو بندہ آخرت کی طرف رجوع کرنے والے اعمال شروع کر دیتا ہے اس کو دوسروں کی نسبت بہت زیادہ ملتا ہے۔ اس کی ایک پریکٹیکل دلیل سنیں۔ ایک مزدور نے آٹھ گھنٹے کام کر لیا تھا۔ سب جا رہے تھے مگر آدھے گھنٹے کے بعد آپ نے دیکھا

کہ وہ مزدور ابھی بھی کام کر رہا ہے۔ تو بلا کے پوچھتے ہیں کہ بھئی آپ ابھی تک کیا کر رہے ہو؟ کہتا ہے کہ جی چھٹی کا ٹائم ہو گیا تھا، سب چلے گئے تھے، سیمنٹ کی بوریاں باہر رہ گئی تھیں، میں نے آسمان پر بادل دیکھے تو مجھے خیال آیا کہ بارش ہو گئی تو سیمنٹ ضائع ہو جائے گا لہٰذا میں اس کو اٹھا کے اندر رکھ دوں۔ اب بتائیں اس کا یہ چھوٹا سا عمل جو اس نے اپنے وقت میں کیا، یہ آپ کے دل میں اس کے لیے کتنی محبت پیدا کر دے گا۔ کام تو تھوڑا سا تھا نا، چھوٹا سا تھا، آدھا گھنٹہ کام اس نے کیا لیکن آپ کے دل میں ہمیشہ کے لیے اس کی جگہ بنا لی۔ ضابطے کو دیکھیں تو پورے آٹھ گھنٹے کھپتا رہا آپ اس کو مزدور سمجھتے رہے پروا نہیں لیکن اس نے جب ذاتی وقت میں آپ کا کام کیا، اب اس نے آپ کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کر دیا، اب اس نے آپ کے دل کے اندر جگہ بنا لی۔

بالکل اسی طرح فرائض تو ہر ایک نے پڑھنے ہوتے ہیں لازم ہیں لیکن جو بندہ فرائض سے آگے قدم بڑھا کر نوافل پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، درود پڑھتا ہے، اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ رب العزت کو ایسا بندہ بہت پسند ہے۔

فرشتوں کو دکھانا تھا:

اس کی دلیل حدیثِ پاک میں موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ایک لشکر جا رہا تھا، رات کو سفر کرتے کرتے تھک گیا، نیند غالب آ گئی، حتیٰ کی ایک جگہ انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور سب کے سب سو گئے۔ سوائے ایک بندے کے جس نے وضو کیا اور مصلے پر تہجد کی نیت سے کھڑا ہو گیا۔ فرمایا کہ اللہ رب العزت فرشتوں کے سامنے فخر سے فرماتے ہیں: میرے اس بندے کو دیکھو! اس پر بھی تو تھکن غالب تھی اس کی آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں مگر یہ سویا نہیں میری محبت نے اس کو مصلے پہ کھڑا کر دیا۔ فرشتوں کو دکھانا تھا، دیکھو نا! میرے بندے کو۔ ایسے بھی تو لوگ ہوتے

ہیں جو ایسی محبت کرتے ہیں۔تو فرمایا اس محبت کرنے والے کو اللہ رب العزت فرشتوں کے سامنے دکھاتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

تو آج کی بات کی سمری یہ ہوئی کہ ادب سے انسان کے اندر علمِ نافع پیدا ہوتا ہے۔علمِ نافع سے اس کو عمل کی توفیق مل جاتی ہے،عمل کی برکت سے انسان پر حکمت کے چشمے کھلتے ہیں اور حکمت کے ذریعے دنیا اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے اور آخرت کی طرف اس کا دل جڑ جاتا ہے۔آخرت کے ساتھ دل جڑنے کی وجہ سے آخرت والے اعمال کرنے اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں۔نوافل آسان، تلاوت آسان،تہجد آسان،سب کام آسان،پھر ان کاموں سے بندے کو اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہوتا ہے۔لہٰذا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کو اللہ رب العزت اپنا قرب نصیب فرمادے۔

دو طرفہ محبت:

مزے کی بات اس میں یہ ہے کہ جو اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کو اپنے قریب خود فرماتے ہیں۔دنیا کا دستور ہم نے سنا کہ جی ایک طرف سے محبت ہو دوسری طرف سے بھی محبت ہو تو اس محبت کا عجیب مزہ ہوتا ہے کہ

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

ادھر بھی محبت کی آگ لگی ہوئی ادھر بھی محبت کی آگ لگی ہوئی۔یہ تو دنیا کی محبتیں ہیں،اللہ کی محبت کا معاملہ الگ ہے۔جتنا بندہ اللہ رب العزت سے محبت کرتا ہے،اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس بندے سے محبت کرتے ہیں۔چنانچہ حدیث قدسی ہے:((اَلَاطَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰى لِقَائِيْ)) جان لو میرے نیک بندوں کا شوق میری

ملاقات کے لیے بڑھ گیا ((وَاَنَا اِلَیْہِ لَاَشَدُّ شَوْقًا)) "اور میں ان کی ملاقات کے لیے ان سے بھی زیادہ مشتاق ہوں" اللہ قربان جائیں تیری رحمتوں پر، تو بڑا مہربان ہے کہ بندہ جتنا آپ کو چاہتا ہے آپ اس سے بڑھ کر اس کو چاہتے ہیں۔ حدیث پاک سے دلیل ملتی ہے، فرمایا:

((وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا))

جو بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے، میں اس کی طرف ایک ذراع بڑھتا ہوں۔ جو میری طرف ایک قدم بڑھاتا ہوں، میں اس کی طرف دو قدم بڑھتا ہوں۔

((وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ هَرْوَلَۃً))

"اگر میرا وہ بندہ میری طرف چل کر آتا ہے، میں اس کی طرف دوڑ کے جاتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ اتنے کریم ہیں تو ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے نیک اعمال خوب جی لگا کر کریں۔ جیسے چولہا انگاروں سے نہیں بھرتا، ماں کا جی بیٹوں کی محبت سے نہیں بھرتا، عشاق کا دل قربِ الٰہی کی کوشش پر مطمئن نہیں ہوتا اور کوشش کرتا ہے اور محنت کرتا ہے۔ ایک تو ہم اعمال کریں دوسرا ہم اللہ رب العزت سے دعا بھی مانگیں کیونکہ جیسے ہم ناقص ہیں ہمارے اعمال بھی ناقص ہیں۔ اب ناقص اعمال تو اس قابل نہیں کہ پیش کیے جائیں۔

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

لہٰذا ایک قدم اور رہ گیا۔ وہ یہ کہ تہجد کی پابندی کریں اور تہجد کے وقت میں اپنے اللہ کے سامنے دامن پھیلائیں اور اپنے اللہ سے دعا مانگیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے، فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی زندگی میں سو

مرتبہ اللہ کا دیدار ہوا۔ جب سوویں مرتبہ خواب میں دیدار نصیب ہوا تو انہوں عرض کیا: یا اللہ! کوئی ایسا عمل بتا دیجیے کے آپ کا قرب نصیب ہو جائے اور آپ کے عذاب سے بچ جائے، کیونکہ قرب سب بڑا انعام ہے۔ جیسے شروع میں تفصیل عرض کر دی تو فرمایا کہ تہجد کے وقت یہ دعا پڑھا کر:

سُبْحَانَ الْاَبَدِیِّ الْاَبَدْ
سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الْاَحَدْ
سُبْحَانَ الْفَرْدِ الصَّمَدْ
سُبْحَانَ رَافِعِ السَّمَاءِ بِلَا عَمَدْ
سُبْحَانَ مَنْ بَسَطَ الْاَرْضَ عَلٰی مَاءٍ جَمَدْ
سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَاَحْصَاهُمْ عَدَدْ
سُبْحَانَ مَنْ قَسَمَ الرِّزْقَ وَلَمْ یَنْسَ اَحَدْ
سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدْ
سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدْ

(ردالمختار، مقدمۃ: ۱/۱۲۵)

’’پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔
پاک ہے وہ ذات جو تنہا ہے۔
پاک ہے وہ ذات جو اکیلا اور بے نیاز ہے۔
پاک ہے وہ ذات جو جس نے آسمان کو بغیر ستون کے بلند کیا۔
پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کو پانی پر بچھایا۔
پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور انہیں گن لیا۔
پاک ہے وہ ذات جس کے بیوی نہ بچے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے نہ جنا، نہ وہ جنا گیا، نہ کوئی اس کا ہمسر۔

ہم نیک اعمال بھی کیا کریں اور تہجد میں یہ دعا بھی پڑھا کریں۔ اس کے بعد دامن پھیلا کر اپنے رب سے مانگیں کہ یا اللہ! دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر دیے لیکن تیرا دروازہ اب تک کھلا ہے، تیرے سامنے دامن پھیلاتا ہوں۔

تیرے در پہ میں ہوں بیٹھا لیے کاسۂ گدائی
اس انتظار میں ہوں اور صبح ہونے آئی

اے اللہ! تہجد کے بعد سے تیرے سامنے رو رہا ہوں، مانگ رہا ہوں، آپ سے آپ کو طلب کر رہا ہوں، اب تو اذانوں کا وقت قریب آ گیا۔

ربِ کریم میری منت کی لاج رکھ لے
اپنے مقربوں میں شامل مجھے بھی کر لے

اللہ رب العزت ہمیں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿وَ تُوبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن﴾

(النور:۳۱)

توبہ کا فلسفہ

بیان: محبوب العلماء والصلحا

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 2 نومبر 2006ء مطابق ۱۸ شعبان ۱۴۲۷ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: بارھواں سالانہ تربیتی نقشبندی اجتماع

اقتباس

ایک ہوتا ہے گناہ، ایک ہوتی ہے سرکشی۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ گناہ کہتے ہیں کہ اپنے نفس کی وجہ سے بے قابو ہو کر ایک گناہ کر لینا مگر اپنے آپ کو مجرم سمجھنا، اپنے آپ کو خطا کار سمجھنا، یہ گناہ کہلاتا ہے۔ ایک ہوتی ہے سرکشی۔ سرکشی ہوتی ہے کہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھنا۔ یہ چیز بندے کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسے ایک ہوتا ہے نوٹ کا پھٹنا، اور ایک ہوتا ہے نوٹ کا پھاڑنا۔ آپ کے پاس پھٹا ہوا نوٹ ہے، آپ اس کو کسی بینک والے کے پاس لے جائیں وہ آپ کو اس کی جگہ نیا نوٹ دے دے گا، کہ پھٹ گیا ہے، چلیں نوٹ بدل دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ بنک والے کے سامنے نوٹ کو پھاڑ دیں کہ میں اس کو نہیں مانتا۔ تو کیا اب آپ کو نیا نوٹ دیا جائے گا؟ نہیں بلکہ آپ کو ملک کا غدار سمجھا جائے گا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

توبہ کا فلسفہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o﴾

(النور:۳۱)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

گناہ کیا ہے؟

جو مخلوق سراسر خیر ہے ان کا نام فرشتہ ہے، جو سراسر برائی ہے اس کا نام شیطان ہے اور جو خیر اور شر کا مجموعہ ہے اس کا نام حضرت انسان ہے۔ انسان حالات سے متاثر ہو کر یا اپنی عادات سے مجبور ہو کر، بسا اوقات اللہ رب العزت کے حکموں کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کو معصیت کہتے ہیں، گناہ کہتے ہیں۔ گناہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنا یا نبی اکرم ﷺ کی مبارک سنت سے روگردانی کرنا''۔

گناہوں کے کرنے سے انسان اللہ رب العزت سے دور ہوتا ہے، نیکی کرنے سے انسان اللہ رب العزت کے قریب ہوتا ہے۔

گناہوں سے انسان کی زندگی میں بے برکتی آتی ہے اور نیکی کی وجہ سے انسان کی زندگی میں برکتیں آتی ہیں۔

گناہوں سے انسان کو ذلت ملتی ہے، نیکی کی وجہ سے انسان کو عزت ملتی ہے۔

توبہ کیا ہے؟

اب جو انسان گناہوں کا مرتکب ہو رہا ہو یا ہو چکا ہو وہ ان سے جان کیسے چھڑائے اور نیکی والی زندگی کو کیسے شروع کرے؟ اس عمل کو توبہ کہتے ہیں۔

هِيَ رُجُوْعُ الْعَبْدِ اِلَى اللّٰهِ

''یہ بندے کا اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا ہے''

رجوع کا معنی ہے لوٹنا، متوجہ ہونا، گناہوں کو چھوڑنا اور اللہ رب العزت کی فرمانبرداری والی زندگی کو اختیار کرنا، اس کو توبہ کہتے ہیں۔

توبہ کی اہمیت:

یہ توبہ کرنا ہر بندے کے لیے ضروری ہے۔

......جو بندہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے وہ اس سے توبہ کرے۔

......جو کبیرہ گناہوں کا تو مرتکب نہیں ہوتا مگر صغیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، وہ اس سے توبہ کرے۔

......جو گناہوں سے تو بچتا ہے مگر غفلت کا شکار ہو جاتا ہے وہ اپنے غفلت میں گزرے ہوئے لمحات سے توبہ کرے۔

......جس بندے کے دل میں نفسانی، شہوانی، شیطانی خیالات ہجوم کرتے ہیں، وہ ان سے توبہ کرے۔

تو توبہ کا عمل:

......مبتدی کو بھی کرنا ہوتا ہے، منتہی کو بھی کرنا ہوتا ہے۔

[illegible] بھی ضروری اور واصل کے لیے بھی ضروری۔

[illegible] ضروری، تمہید کے لیے بھی ضروری۔

توبہ کا موضوع......اہم موضوع

یہ توبہ کا موضوع ہر وقت کا موضوع ہے

مَوْضُوْعُ السَّاعَةِ وَ كُلِّ سَاعَةٍ

آج کا بھی یہی موضوع اور ہر وقت کا یہی موضوع ہے

کہ كَيْفَ اَعُوْدُ اِلَى اللّٰهِ میں اللہ کی طرف کیسے لوٹ سکتا ہوں؟

انسان کا ضمیر ایک ایسی نعمت ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے، اس کو ندامت کا احساس دلاتا ہے۔ بندہ گناہ کرنے کے بعد شرمندہ ہوتا ہے، اس کے دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب اس کے دل میں یہ جو ندامت پیدا ہوئی تو اب یہ کیسے توبہ کرے؟ یہ مستقل ایک مضمون ہے جو سمجھنے کے قابل ہے، ایک باب ہے زندگی کا۔

بندے اور اللہ کے مابین دس حجابات

اب توبہ سے پہلے ایک بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان کچھ پردے آجاتے ہیں، ان کو حجاب کہتے ہیں۔ تو علما نے لکھا ہے:

اَلْحُجُبُ الْعَشْرِ بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ اللّٰهِ

''بندے اور اللہ رب العزت کے درمیان دس پردے ہوتے ہیں''

ان دس پردوں کو جب تک ہم نہیں اٹھائیں گے، ہم اللہ تعالیٰ کے دیدار سے فیض یاب نہیں ہوں گے، واصل نہیں ہوں گے۔ یہ پردے کون کون سے ہیں؟ ان کو ذرا دل کے کانوں سے سنیے۔

پہلا حجاب: اللہ تعالیٰ سے جہالت

سب سے پہلا پردہ ہے: **اَلْجُهْلُ بِاللّٰهِ**

اللہ رب العزت کی ذات سے بندے کا تعارف ٹھیک نہ ہو، اس کے اندر جہالت ہو۔ اس کو پتہ ہی نہ ہو کہ اللہ رب العزت تواب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ کوئی انسان کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ کر لے، موت سے پہلے اس کے لیے توبہ کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر وہ توبہ کر لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''اے میرے بندے! اگر تو زمین اور آسمان کے درمیان جتنا خلا ہے، سب گناہوں سے بھرا ہوا لے کر میرے پاس آئے گا، میں تیرے اتنے گناہوں کو بھی معاف کر دوں گا اور مجھے پھر بھی کوئی پروا نہیں ہو گی۔ تو انسان جتنے بھی گناہ کر لے، اللہ تعالیٰ کی رحمت بندے کے گناہوں سے زیادہ ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جتنا زیادہ علم ہوگا...... اس کے رحم کے بارے میں، اس کے حلم کے بارے میں، اس کی دوسری صفات کے بارے میں تو اتنا ہی انسان اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق جوڑنے کی کوشش کرے گا۔ ورنہ تو ایک غلطی کرنے کے بعد سمجھ لے گا کہ اب تو میں مروں گا اور مرنے کے بعد مجھے عذاب ہوگا۔ جیسے کچھ لوگ دنیا میں ہی اپنے آپ کو جہنمی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو اس جہالت سے شیطان فائدہ اٹھاتا ہے کہ چونکہ تم نے جہنم میں تو جانا ہی ہے لہٰذا باقی زندگی میں تم نے جو گناہ نہیں کیے اب وہ بھی کر لو، تو گناہوں کا راستہ کھل جاتا ہے۔ جب کہ توبہ کے ذریعے گناہوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

تو بندے کا سب سے پہلا پردہ ''اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جہالت میں ہونا ہے''۔ مثلاً پتہ نہ ہونا کہ اللہ رب العزت ستار بھی ہے، بندے کی ستر پوشی بھی

فرماتے ہیں۔اب بتائیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں کتنی خطائیں کیں!میرے پروردگار نے ان خطاؤں کے اوپر ایسا پردہ ڈالا کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں۔تو پروردگار ستار بھی ہے۔

علیم اور حلیم ذات:

اللہ تعالیٰ کی دو صفات بڑی مزے کی ہیں اور ان دونوں صفتوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ فرمایا:

﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴾ (الاحزاب:۵۱)

''اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے، حلیم بھی ہے''

علیم کا کیا مطلب؟...... کہ وہ سب جانتا ہے۔حتیٰ کے دلوں کے اندر جو گناہوں کے منصوبے انسان بناتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں۔اتنے علم کے بعد پھر اتنا اللہ رب العزت کا حلم کہ وہ بندہ گناہ بھی کر لیتا ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ سزا دینے میں، اسے مہلت عطا فرماتے ہیں۔ان دو چیزوں کا اکٹھا ہو جانا بڑی عجیب بات ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ورنہ باپ کو پتہ چلے کہ میرا بیٹا میرے خلاف باتیں کر رہا ہے تو بس اتنا ہی کافی ہے، بچے کو ہی گھر سے نکال دے گا۔اللہ تعالیٰ بندے کو دیکھتے ہیں کہ یہ گناہوں کے منصوبے بنا رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنی بندگی سے فارغ نہیں فرماتے۔وہ بندہ گناہ کا مرتکب بھی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ پھر بھی بندگی سے فارغ نہیں فرماتے۔وہ زندگی گزارتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ پھر بھی خارج نہیں کرتے۔اگر موت سے پہلے جب انسان کا سانس اکھڑتا ہے اور موت کے وقت گھنگھرو بجتا ہے اس سے پہلے پہلے، اگر یہ بندہ توبہ کر لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ کا اتنا علم اور پھر اس کے بعد اتنا حلم! یہ فقط اللہ رب العزت کی شان ہے۔

حنّان اور منّان ذات:

اسی طرح اللہ تعالیٰ حنان بھی ہے، منان بھی ہے۔ منان کہتے ہیں احسان کرنے والے کو اور حنان کہتے ہیں جو کسی کو اپنے در سے ناراض ہو کر یا روٹھ کر واپس نہ جانے دے۔ بعض بندوں کی طبیعت ہوتی ہے نا، ان سے کوئی ناراض ہو جائے، ان کو چین نہیں آتا جب تک کہ بندے کو منا نہ لیں، اس کو اپنی طرف متوجہ نہ کر لیں۔ یہ اللہ رب العزت کی صفت ہے کہ جب کوئی بندہ، اللہ تعالیٰ کے در سے پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوتے۔ اب دیکھیں! آدابِ شاہانہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس بندے نے اللہ تعالیٰ کے در سے پیٹھ پھیری، اللہ تعالیٰ پیچھے سے اس کی پیٹھ پر ایک لات لگواتے اور فرماتے: دفع ہو جا! آج کے بعد یہ دروازہ تیرے لیے بند کر دیا گیا۔ آداب شاہانہ کا تقاضا یہی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ رحیم اور کریم ہے، وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے بندے کے لیے دروازے بند نہیں کرتے، اسے پیچھے سے لات نہیں لگواتے، بلکہ اپنے اس بندے کو پیار سے متوجہ کر کے یہ پوچھتے ہیں:

﴿یٰاَیُّہَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ﴾ (الانفطار:٦)

ترجمہ: ''اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا''

اپنے رب سے روٹھ گیا! تو پہچانتا ہی نہیں اس کی عظمت کو!

جہل دوری پیدا کرتا ہے:

تو سب سے پہلا حجاب کہ انسان کو اپنے رب کی صفات کے بارے میں پتہ نہیں ہوتا، لہٰذا فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں تو اب ہوں ہی مردود۔ یہ چیز بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب بن جاتی ہے۔ ویسے بھی کہتے ہیں کہ

اَلنَّاسُ اَعْدَاءٌ لِمَا جَهِلُوْا

(لوگوں کو جس چیز کا پتہ نہیں ہوتا اس کے دشمن ہو جاتے ہیں)

کسی کے بارے میں کم علمی اس سے دور کر دیتی ہے۔ تو انسان اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ غلطی تو ہر انسان کر بیٹھتا ہے۔ انبیائے کرام معصوم ہیں اور اولیائے کاملین محفوظ ہیں۔ باقی میں اور آپ جتنے ہیں سب کے سب غلطیاں کرنے والے ہیں۔ اگر فرق ہے تو تھوڑے اور زیادہ کا فرق ہے، کسی نے زیادہ کر لیں کسی نے کم کر لیں۔ تو جب غلطیاں کر ہی جاتے ہیں تو پھر ہمیں ان غلطیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگنی چاہیے۔ جس کو یہ سمجھ لگ گئی کہ میں نے اپنی غلطیوں کو بخشوانا کیسے ہے؟ میں نے اللہ تعالیٰ سے Sorry کیسے کرنی ہے، وہ اپنے رب کو منا کر کامیاب ہو جاتا ہے۔ تو توبہ یہی ہے کہ بندہ جب گناہ کر بیٹھتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔

معرفت محبت پیدا کرتی ہے:

جس کو علم ہوتا ہے وہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ

''جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اس سے محبت کرتا ہے''

یہ طے شدہ بات ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کیا، وہ اللہ سے محبت کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اور جس نے دنیا کی حقیقت کو پہچانا وہ دنیا سے نفرت کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہے کہ جو اس کو پہچانے گا وہ قریب ہوگا۔ اس میں ایک مزے کی بات اور بھی ہے کہ مخلوق سے کوئی ڈرے تو دور بھاگے گا۔ مثلاً جو شیر سے ڈرا دور بھاگا، سانپ سے ڈرا دور بھاگا، چور سے ڈرا دور بھاگا۔ جو مخلوق سے ڈرے گا وہ دور بھاگے گا۔ جو اللہ سے ڈرے گا، جتنا ڈرے گا اتنا قریب ہو جائے

گا۔ اللہ رب العزت تو ایسی ذات ہے۔ اس لیے بندے کو چاہیے:

اَنْ یَّعْرِفَ عِزَّتَهٗ فِیْ قَضَائِهٖ

''اللہ کی قضا میں اپنی عزت جانے''

اللہ تعالیٰ نے جو قضا اور قدر کے فیصلے اس کے بارے میں کر دیئے، بندہ اپنی عزت اسی میں سمجھے۔

وَبِرَّهٗ فِیْ سِتْرِهٖ

اور اپنی بھلائی اللہ تعالیٰ کی ستاری میں سمجھے۔

وَكَرَمَهٗ فِیْ قُبُوْلِ الْعُذْرِ

''اور اللہ تعالیٰ کے کرم کو اپنے عذر کے قبول ہونے میں سمجھ لے''

وَفَضْلَهٗ فِیْ مَغْفِرَتِهٖ

اور اس کی مغفرت کو اس کا فضل سمجھے۔

تو سب سے پہلا حجاب اللہ تعالیٰ سے جہل ہے۔

دوسرا حجاب: بدعت

دوسرا حجاب جو بندے اور اللہ کے درمیان پڑ جاتا ہے وہ ہے بدعت کا ارتکاب۔ بعض دفعہ بندہ بدعات کا مرتکب ہوتا ہے اور دین سمجھ کر کر رہا ہوتا ہے، حالانکہ وہ چیز بندے کو اللہ سے دور کر رہی ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے اس نقشبندیہ سلوک میں جتنا سنت کا اہتمام بتایا جاتا ہے، اتنا ہی بدعت سے اجتناب بتلایا جاتا ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے سلسلہ عالیہ کے امام ہیں، انہوں نے اپنے مکتوبات میں بدعات کا اتنا رد کیا ہے کہ انسان پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ کیا عجیب باتیں انہوں نے لکھی ہیں! وہ فرماتے ہیں:

''جو قوم بدعت کی مرتکب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے کی ایک سنت کو اس قوم میں سے ہمیشہ کے لیے اٹھا لیا کرتے ہیں۔''

وہ قوم ہمیشہ کے لیے اس سنت سے محروم ہو جاتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ (او کما قال علیہ السلام)

''جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے دین اسلام کو گرانے میں مدد کی''

تو بدعات سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ مَرْدُوْدٌ

جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کر لی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود ہے ۔ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے سب راستے بند ہو گئے، سوائے اس راستے کے جس پر رسول اللہ ﷺ چلے اور اللہ رب العزت کے پاس چلے گئے۔ وہ ایک راستہ ایسا ہے کہ جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ سے واصل ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا تمام راستے اس کو بند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا انسان بدعات سے بچے۔

یہ شیطان ایسا بدمعاش ہے کہ وہ بندے کے دل میں ڈالتا ہے کہ ''حرج ہی کیا ہے''؟ مثلاً کوئی بندہ کوئی نیا کام کرے، اگر اس کو منع کر دو تو کہے گا کہ حرج ہی کیا ہے جی۔ یہ اتنا خطرناک فقرہ ہے کہ ''جی حرج ہی کیا ہے''؟ یہ تھوڑا حرج ہے کہ جس کام کو نبی علیہ السلام نے نہ کیا، جس کام کو صحابہ نے نہ کیا، اولیائے کاملین نے نہ کیا، آج ہم اس کو اگر دین سمجھ کر کریں گے تو ہم گویا یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ تمام بزرگ ہستیاں اس نیکی سے محروم اس دنیا سے چلی گئیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

بدعت کیسے شروع ہوتی ہے؟

یہ بدعت آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔شروع ہوتی ہے تو بہت معمولی سی ہوتی ہے۔کرنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ تو ایک خیر کی بات ہے لیکن جن کو اللہ نے باطن کی آنکھ دی ہو وہ پہچانتے ہیں اور وہ اس سے روکتے ہیں۔پھر آہستہ آہستہ یہ چیز اپنا رنگ ہی بدل لیتی ہے۔

اب اس کی مثال ذرا سن لیجیے۔زمانہ جاہلیت میں ایک مرد اور عورت تھے۔ عورت کا نام نائیلہ اور مرد کا نام مسا تھا، دونوں کے ناجائز تعلقات تھے۔دونوں کہیں طواف کرنے کے لیے آئے اور بیت اللہ شریف کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ مشغول ہو گئے۔اللہ رب العزت کا غضب ہوا اور دونوں پتھر کے بن گئے۔اب اہلِ مکہ نے جب دیکھا تو ان کو بڑا غصہ آیا کہ ایک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسرا بیت اللہ شریف کے اندر۔اب انہوں نے مشورہ کیا کہ ان دونوں کو ایسی سزا دینی چاہیے جو اس سے پہلے کبھی نہ دی گئی ہو۔مل بیٹھے،مشورہ کیا۔کسی نے کچھ کہا،کسی نے کچھ کہا۔ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ دیکھو! حج کا عمل تو قیامت تک رہے گا،ہم ان میں سے ایک کو صفا پر رکھ دیتے ہیں ایک کو مروہ پر رکھ دیتے ہیں، جو حج کرنے کے لیے آئے،سعی کے لیے جائے تو جب صفا پر جائے تو اِس کو جوتے مارے،مروہ پر جائے تو اُس کو جوتے مارے،اس طرح قیامت تک ان کو ذلت ملتی رہے گی۔اب دیکھیں! اپنے دماغوں میں انہوں نے بڑی اچھی بات سوچی لیکن اس چیز کو بھول گئے کہ شریعت کے ایک حکم میں ہم ایک چیز کا اضافہ کر رہے ہیں۔یہ سعی کا حصہ تو نہیں تھا لیکن انہوں نے بنا لیا۔نتیجہ کیا نکلا کہ پہلے ایک دو پشتیں تو یوں ہوا کہ لوگ آتے رہے،اِدھر جوتا مارتے،اُدھر جوتا مارتے۔جس کے پاس جوتے نہیں ہوتے تھے وہ اِدھر تھپڑ لگاتے اُدھر تھپڑ لگاتے۔جب ان کی اولادیں آئیں تو انہوں نے کہا: بھئی

اصل تو ہے اس کو ہاتھ لگانا اور اس کو بھی ہاتھ لگانا۔ وہ صفا و مروہ پر چڑھنا اس وقت تک کامل نہ سمجھتے جب تک ان کو ہاتھ نہ لگا لیں۔ اس سے اگلی آنے والی نسل نے یہ سمجھا کہ یہ کوئی بزرگ بندے ہیں اور برکت کے لیے ہاتھ لگاتے ہیں۔ اب وہ برکت کے لیے اِدھر بھی ہاتھ لگاتے، اُدھر بھی ہاتھ لگاتے۔ کچھ اور بھی ہوتے ہیں ضعیف الاعتقاد، انہوں نے اور زیادہ عقیدت کا مظاہرہ کیا اور انہیں چومنا بھی شروع کر دیا۔ صفا پر اِس کو چومتے، مروہ پر اُس کو چومتے۔ حتی کے بعض وہاں پر دعائیں مانگتے۔ یہاں تک کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام جب تشریف لائے تو یہ مشرکین جب حج کرتے، صفاء پر جاتے تو اُس کو سجدہ کرتے تھے اور مروہ پر جاتے تو اس کو سجدہ کرتے تھے۔ اب دیکھیے کہ بدعت شروع کہاں سے ہوئی اور اس کا انجام کتنا بھیانک نکلا!!!

ہمیشہ کا یہی دستور ہے، بدعت اسی طرح شروع ہوتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: جی! میں نے اذان سے پہلے درود شریف بھی پڑھنا ہے۔ بھئی! آپ پڑھیں درود شریف سو دفعہ پڑھیں، دل میں پڑھیں۔ لیکن اسے اذان سے پہلے لازم بنانا اور اتنا اونچی پڑھنا کہ پوری آبادی کو سنانا اور جب بجلی ہو تو درود پڑھنا ہے: بجلی نہیں تو فقط اذان دینی ہے۔ تو یہ پھر اذان کے ساتھ ایک اضافہ ہو گیا نا۔ آج ہماری آنکھیں اس کو نہیں دیکھ رہیں، ہمارے دماغ نہیں سمجھ رہے۔ آنے والا وقت آئے گا جب لوگ اس کو اذان کا حصہ سمجھا کریں گے۔ تو یہ بدعت چونکہ دین کے نام پر ہوتی ہے، اس لیے اس سے توبہ کی جلدی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ یہ بہت بڑا حجاب ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ہر عمل کو نبی علیہ السلام کی مبارک سنت کے مطابق کریں۔ ذرہ برابر بھی اس سے اِدھر اُدھر نہ ہوں، نہ کم کریں نہ زیادہ کریں۔ ہم ان کے پیچھے چلنے کے پابند ہیں، ہم نے کام کو اسی طرح کرنا ہے جس طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا۔

عمل قبول ہونے کی دو شرطیں:

اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں:۔

وَلِعَمَلِ الصَّالِحِ لَهُ شَرْطَانِ
نیک عمل کی دو شرطیں ہوتی ہیں

(۱) اخلاص (۲) مطابعت

پہلی شرط اخلاص ہے کہ جو بھی نیک عمل کیا جائے، وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اس میں ریا اور دکھلاوا نہ ہو، کسی سے واہ واہ سننے کی نیت نہ ہو۔ یہ اخلاص اعمال کی قبولیت کے لیے بہت ضروری ہے۔

دوسری شرط ہے مطابعت، کہ وہ عمل سنت کے عین مطابق ہو۔ بدعت کو خلوص کے ساتھ بھی کرے گا تو اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی، کیونکہ نبی علیہ السلام کے طریقے کے مطابق جو نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم نیک اعمال کو کر کے اپنے اللہ کے قریب ہو جائیں۔ اس کی رضا پانے والے بن جائیں۔

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ (فاطر:۱۰)

”پاکیزہ کلام بھی اللہ ہی کی طرف اوپر جاتا ہے اور جو نیک اعمال ہیں وہ بھی اللہ ہی کی طرف بلند کیے جاتے ہیں“

اور بدعت چونکہ عملِ صالح کے زمرے میں نہیں آتی۔ وہ تو سیئہ ہوتی ہے۔ اس لیے نہ یہ اوپر اٹھتی ہے نہ اللہ کے ہاں قبولیت پاتی ہے۔ تو بدعات سے انسان اپنے آپ کو بچائے۔

سنت اور بدعت میں فرق:

سنت اور بدعت کا ایک فرق یہ بھی ہے کہ سنت آفاقی ہوتی ہے۔ آفاقی کو

انگریزی میں یونیورسل Universal کہتے ہیں۔ پوری دنیا میں کہیں بھی چلے جاؤ، سنت وہی ہوگی۔ جب کہ بدعت علاقائی ہوتی ہے، مختلف علاقوں کی مختلف بدعتیں ہوتی ہیں۔ تو یہ بھی بدعت اور سنت کا ایک بڑا فرق ہے۔ جس سے انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے یا سنت۔

تیسرا احجاب: باطنی امراض

تیسرا احجاب الکبائر الباطنہ وہ گناہ جو باطنی ہیں اور انسان ان کا مرتکب ہوتا ہے۔ مثلاً حسد، تکبر، عجب، ریا۔ یہ تمام کے تمام باطنی امراض ہیں۔ یہ گناہ ہیں مگر انسان کے باطن سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اللہ کے ہاں بہت ناپسندیدہ ہیں۔ تکبر اتنا ناپسندیدہ ہے کہ فرمایا گیا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنَ الْکِبْرِ

''جنت میں وہ بندہ داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔''

تو یہ ایٹمی گناہ ہیں۔ ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا جنت میں بندہ داخل نہیں ہو گا۔ بلکہ فرمایا:

اَعْظَمُ مِنَ الزِّنَا وَشُرْبِ الْخَمْرِ وَ السَّرِقَۃِ

''یہ تکبر زنا، چوری، شراب پینے سے بھی بڑا گناہ ہے''

جب کہ ہم تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں، متکبرانہ بول بول بیٹھتے ہیں۔ یہ ذہن میں رکھیے کہ اللہ رب العزت کی رضا کی طرف جو راستہ جاتا ہے، یہ قدموں سے طے نہیں ہوتا، یہ دلوں کے ذریعے سے طے ہوتا ہے۔ دل یہ فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اگر دل میں ہی مرض ہے تو اس کو بریک لگ جاتی ہے اس کو، یہ چل ہی نہیں سکتا۔ آگے بڑھ ہی

نہیں سکتا۔ جس طرح پٹرول میں کبھی کچرا آ جائے تو گاڑی رک جایا کرتی ہے۔ اسی طرح جس بندے کے دل میں تکبر کا کچرا آ گیا، اس کی گاڑی رک گئی، اللہ کے قریب نہیں ہو سکتا۔ تو اس لیے ان باطنی گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

چوتھا حجاب: کبیرہ گناہ کا ارتکاب

حِجَابُ اَهْلِ الْكَبَائِرِ الظَّاهِرَة

ظاہری طور پر کبیرہ گناہ کا مرتکب ہونا۔ چوری کرنا، شراب پینا، سود کھانا، زنا کرنا، غیبت کرنا، یہ سب کے سب ظاہری کبیرہ گناہ ہیں۔ اور یہ بھی بندے اور اللہ کے درمیان ایک حجاب ہیں۔

ایک ہوتا ہے گناہ، ایک ہوتی ہے سرکشی۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ گناہ کہتے ہیں کہ اپنے نفس کی وجہ سے بے قابو ہو کر ایک گناہ کر لینا مگر اپنے آپ کو مجرم سمجھنا، اپنے آپ کو خطاکار سمجھنا، یہ گناہ کہلاتا ہے۔ ایک ہوتی ہے سرکشی۔ سرکشی ہوتی ہے کہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھنا۔ یہ چیز بندے کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسے ایک ہوتا ہے نوٹ کا پھٹنا، اور ایک ہوتا ہے نوٹ کا پھاڑنا۔ آپ کے پاس پھٹا ہوا نوٹ ہے، آپ اس کو کسی بینک والے کے پاس لے جائیں وہ آپ کو اس کی جگہ نیا نوٹ دے دے گا، کہ پھٹ گیا ہے، چلیں نوٹ بدل دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ بنک والے کے سامنے نوٹ کو پھاڑ دیں کہ میں اس کو نہیں مانتا۔ تو کیا اب آپ کو نیا نوٹ دیا جائے گا؟ نہیں بلکہ آپ کو ملک کا غدار سمجھا جائے گا۔ تو گناہ کرنے والے کے لیے واپسی کا راستہ پھر بھی آسان ہے۔ سرکشی کرنے والے کے لیے واپسی کا راستہ بند کر دیا جاتا ہے۔ اگر بندہ گناہ کر لے تو اپنے آپ کو دل میں شرمندہ بھی کرے اور کہے کہ اللہ! مجھ سے کوتاہی ہوئی مجھے معاف کر دے۔

پانچواں حجاب: صغیرہ گناہ

حِجَابُ اَہْلِ الصَّغَائِرِ

صغیرہ گناہ بھی حجاب ہیں۔ اب طلبا اس بات پر حیران ہوں گے کہ صغیرہ گناہ تو حجاب نہیں ہوتے۔ مگر ہمارے بزرگوں نے اس کو بھی حجاب کہا اور فرمایا کہ چند باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہو جاتے ہیں۔

صغیرہ گناہ، کبیرہ کیسے بنتے ہیں؟

کَیْفَ تَکَبَّرُ الصَّغَائِرِ؟ صغیرہ گناہ کیسے کبیرہ بن جاتے ہیں؟

تین باتیں ایسی ہیں کہ جن سے صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ کی مانند ہو جاتے ہیں۔

(۱) اصرارِ گناہ:

سب سے پہلی بات ''لَا صَغِیْرَۃَ بِالْاِصْرَارِ'' جب اصرار کیا جائے۔ بار بار، بار بار کوئی صغیرہ گناہ کیا جائے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ تو پہلی بات کہ اصرار کی وجہ سے صغیرہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

(۲) گناہ کو چھوٹا سمجھنا:

دوسری بات ''اِسْتِصْغَارُ الذَّنْبِ'' کہ انسان گناہ کو چھوٹا سمجھے۔ اوجی گل ای کوئی نہیں (بات ہی کوئی نہیں) یہ جو گناہ کو چھوٹا سمجھنا ہے پھر گناہ چھوٹا نہیں ہوتا، گناہ بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ گناہ کو چھوٹا نہ سمجھیں۔

''لَا تَحْقِرَنَّ صَغِیْرَۃً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحِصَاءِ''

''تو صغیرہ کو چھوٹا نہ سمجھ کیونکہ بڑے بڑے پہاڑ چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے مل کر بنتے ہیں۔''

چنانچہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے کہ ایک بزرگ تھے، اپنی بستی سے باہر نکلے تو پہاڑوں کو دیکھا جن پر سبزہ نہیں تھا۔ وہ پہاڑ ایسے تھے کہ کوئی سبزے کا نام ونشان نہیں تھا۔ تو دل میں خیال آیا کہ یا اللہ اگر یہاں سبزہ ہوتا، آبشاریں ہوتیں، بہاریں ہوتیں، کتنا اچھا لگتا (جو بڑے ہوتے ہیں اور قریبی ہوتے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ان کی پکڑ ہو جاتی ہے) اب ان کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آیا، الہام دل میں ڈالا گیا کہ میرے بندے تو نے بندگی چھوڑ دی، اب تو میرا مشیر بن گیا ہے، مجھے مشورے دیتا ہے، میری تخلیق میں تجھے عیب نظر آیا؟ ان کو تب احساس ہوا کہ اوہو! مجھے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چنانچہ بڑے نادم اور شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے نفس کو سزا دینے کی نیت کر لی کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے معافی کی واضح کیفیت معلوم نہیں ہو جائے گی، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ ایسی پابندی اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے بندہ لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ وہ کسی بستی میں گئے، بستی والوں کی تقریب تھی، کھانے پکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: کھانا کھا لیجیے۔ بزرگوں نے کہا: نہیں کھانا۔ پوچھا: کیوں نہیں کھانا۔ انہوں نے بتایا کہ مجھ سے یہ کوتاہی ہو گئی۔ کہنے لگے: یہ کونسی بات ہے؟ اس غلطی کی سزا ہم بھگت لیں گے آپ کھانا کھا لیجیے۔ جیسے ہی بستی والوں نے یہ کہا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں الہام ڈالا کہ میرے پیارے! اس بستی سے فوراً نکل جایئے، میں اس بستی کو عذاب دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے میرے عذاب کو ہلکا سمجھا کہ اس کی سزا ہم مل کر بانٹ لیں گے۔ اس بات پر بستی والوں کو سزا ملی، انہیں زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو جلال آیا، میرے عذاب کو کیوں چھوٹا سمجھا؟ تو یہ جو ہوتا ہے نا گناہ کو چھوٹا سمجھنا کہ جی بات ہی کوئی نہیں، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ جیسے کچھ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے بغیر کام ہی نہیں چلتا۔ یہ تو گناہ کو معمولی سمجھتا ہے۔ اسی طرح اور کئی گناہ

ہیں۔ کسی کی نظر قابو میں نہیں، کسی کی زبان قابو میں نہیں۔ سگریٹ پینے والے کو جب بتایا جائے کہ بھئی یہ چیز اچھی نہیں، تو آگے سے کہتا ہے۔ او جی! میں سگریٹ ہی پیتا ہوں، ہیروئن تو نہیں پیتا۔ اب وہ اس کو چھوٹی سی چیز سمجھ رہا ہے۔ یہ جو گناہ کو چھوٹا سمجھنا ہے اسی وجہ سے گناہ بڑا بن جایا کرتا ہے۔

(۳) گناہ سے لطف اٹھانا:

تیسری بات جس سے گناہ بڑا بنتا ہے اَلسُّرُوْرُ بِالذَّنْبِ گناہ تو کیا اور گناہ سے لطف بھی پایا۔ بندہ کہے: جی بڑا مزہ آیا گناہ کر کے۔ جب یہ الفاظ کہے گا تو کوئی بھی گناہ ہو، وہ چھوٹا نہیں رہے گا، اب اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بڑا گناہ بن جائے گا۔

(۴) اللہ کی ستر پوشی پر جرأت کرنا:

چوتھی بات "اَنْ یَّتَحَاوَنَ بِسِتْرِ اللّٰہِ" کہ اللہ تعالیٰ تو بندے کے گناہوں کو چھپائیں اور ستر پوشی کریں اور یہ ستر پوشی کی وجہ سے آگے اور جرأت کرتا جائے۔ کسی کو پتہ ہی نہیں کہ میں کیا کرتا ہوں۔ یہ جو اس کے اندر اور آگے بڑھنے کی بات پیدا ہو گئی، یہ اس کو بڑا بنا دیتی ہے۔

(۵) اعلانیہ گناہ:

اور پانچویں چیز فرمایا: "اَلْمُجَاهَرَةُ" کھلم کھلا گناہ کرنا۔ یا گناہ کر کے لوگوں میں علی الاعلان تذکرے کرنا۔ آج کل کے نوجوان دوسرے نوجوانوں کو اپنی کارگزاریاں سناتے ہیں۔ میں نے یہ گناہ کیا تو ایسے کیا، بدنظری کی تو ایسے کی، چوری کی تو ایسے کی۔ سنیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

كُلُّ اُمَّتِيْ مَعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ

میرے ہر امتی کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو علی الاعلان گناہ

کرتے ہیں۔تو اس عمل سے بھی بچنا چاہیے۔

(۶) مقتدا کا گناہ:

اور آخری چیز

اَنْ یَّکُوْنَ رَاسٌ یُقْتَدَا بِہٖ کَانَ عَلَیْہِ مِثْلُھَا وَ مُضَرٌّ مَنْ عَمِلَ بِھَا

اگر کوئی بندہ ایسا ہے، جو امام ہے، خطیب ہے، استاد ہے، قاری ہے، صوفی ہے، جس کی لوگ اقتدا کرتے ہیں۔ اگر وہ صغیرہ گناہ کرے اور اسے معمولی سمجھے تو فرمایا: اس کے اوپر اس کے اپنے گناہ کا بھی بوجھ ہوگا اور جس نے اسے دیکھ کر ایسے کیا اس کے گناہوں کا بوجھ بھی اس کے اوپر ہوگا۔

باپ گھر میں ٹی وی لے کر آیا، بیوی بچے جتنا ٹی وی دیکھیں گے وہ خود بھی جہنم کمائیں گے اور ان سب کے گناہوں کا وبال اس ٹی وی لانے والے کے سر پر بھی ہو گا۔ اب یہ صاحب مسجد میں بیٹھ کر نمازیں پڑھ رہے ہیں لیکن بیوی بچے گھر میں ٹی وی دیکھ رہے ہیں، چنانچہ اس کے سر پر گناہوں کا بوجھ لادا جا رہا ہے۔ کیونکہ لانے والا جو یہی ہے۔

چھٹا حجاب: شرک

اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک بڑا حجاب ''حِجَابُ الشِّرْكِ'' شرک کا حجاب ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرک دو طرح کا ہوتا ہے، ایک شرک جلی اور ایک شرک خفی۔ شرک جلی تو یہ ہوا کہ انسان بتوں کو سجدہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے۔

ایک شرک خفی ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی سے ایسی نفسانی شیطانی محبت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ایک طرف کر کے بندہ اسی کے پیچھے لگ جائے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾
(البقرۃ:۱۶۵)

تو یہ جو ہے نا، ''تو میرا دین ایمان ہے سجناں'' یہ شرک ہے۔ وہ دل جو اللہ رب العزت نے اپنی محبت کے لیے دیا ہم اس دل کو مخلوق کی شیطانی محبتوں سے بھر لیتے ہیں۔ جب تک انسان شرک جلی اور شرک خفی دونوں سے سچی توبہ نہیں کرے گا تب تک اللہ تعالیٰ سے واصل نہیں ہو سکے گا۔ اور کئی مرتبہ انسان اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ﴾ (الجاثیہ:۲۳)

''کیا دیکھا آپ نے اُسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا؟''

تو نفس پرستی، زر پرستی، زن پرستی، شہوت پرستی، یہ تمام کی تمام بت پرستی ہی کی اقسام ہیں۔ خدا پرستی کوئی اور چیز ہوتی ہے۔

ساتواں حجاب: اہل وسعت کا حجاب:

ساتواں حجاب ہے: حِجَابُ اَهْلِ الْفُضُلَاتِ وَ تَوَسُّعِ بِالْمُبَاهَاتِ

وہ لوگ جن کو اللہ نے خوب مال دیا، کھلا رزق دیا۔ اب کھلے رزق کی وجہ سے وہ انجوائے کر رہے ہیں۔ شام کو دفتر سے آئے، بیوی کو گاڑی میں بٹھایا اور شاپنگ کرنے چلے کسی سٹور پر اور کھانا کھایا کسی کارنر پر۔ یہ فلاں کارنر ہے، یہ فاسٹ فوڈ ہے، یہ فلاں جگہ کا کھانا ہے۔ اب ان کو شام کا کھانا بیوی کے ساتھ باہر گاڑی میں کھانا، ہوٹلوں میں کھانا اچھا لگتا ہے۔ یہ بھی بندے کے لیے حجاب ہو جاتا ہے۔ اور واقعی، راتیں گزار دیتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ رمضان کی مبارک راتوں میں ایسے لوگوں کی راتیں سڑکوں پہ گزر جاتی ہیں۔ تو پھر یہ بندے اور اللہ کے درمیان

حجاب ہوا یا نہیں۔ بھئی! آپ کو کوئی چیز باہر کی پسند ہے اور وہ حلال ہے آپ اس کو منگوایئے، گھر میں بیٹھ کر کھایئے۔ یہ جو عادت بڑے شہروں میں ہوتی ہے نا کہ شام کا کھانا باہر جا کے کھائیں، انتہائی بری عادت ہے۔ نبی علیہ السلام کی زندگی میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی کہ آپ نے زوجہ محترمہ سے فرمایا ہو کہ آؤ ذرا مدینہ سے باہر جا کے کھانا کھاتے ہیں۔ یہ کفر کا طریقہ ہے اور آج مال کے زور پہ ان کے پیچھے چلنے والوں کی بھی یہی عادت ہے۔ اور بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ وہ سالوں شام کا کھانا باہر کھاتے ہیں۔ مجھے ایک صاحب ملے، نوجوان تھے، بریگیڈیئر کے بیٹے تھے۔ کہنے لگے کہ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ پچھلے پانچ سال میں ہم نے شام کا کھانا گھر میں کھایا ہو۔ تو اس طرح عیش وعشرت میں اور فضولیات میں وقت گزارنا یہ چیز بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب بن جاتی ہے۔

آٹھواں حجاب: اہلِ غفلت کا حجاب

حِجَابُ اَهْلِ الْغَفْلَةِ عَنِ اللّٰهِ اہلِ غفلت اپنی غفلت کی وجہ سے حجاب میں ہوتے ہیں۔ ان کو خدا یاد ہی نہیں ہوتا۔ لگے ہوتے ہیں دنیا کے کاموں میں، مال پیسہ بنانے میں اور خدا کی یاد کے لیے اور عبادت کے لیے ان کے پاس فرصت ہی نہیں ہوتی۔ آپ ان سے کہو کہ بھئی! چلو تین دن رائیونڈ کا اجتماع ہے۔ کہیں گے جی میرا کام اتنا ہے مجھے فرصت ہی نہیں۔ اب ایک بندے کو فرصت ہی نہیں اور دوسرے، چوتھے دن یہی بندہ آیا بیٹھا ہوگا کہ حضرت! دعا کریں، کون سی دعا کریں؟ او جی ایک اور کارخانہ لگانا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ آسانی فرمادے۔ تو بھئی یہ دوسرا کارخانہ لگانے کا وقت کہاں سے نکل آئے گا۔ تو دنیا کے لیے وقت نکلتا ہے، دین کے لیے وقت نہیں نکلتا۔ یہ اہلِ غفلت ہیں۔

نواں حجاب: رسم ورواج

حِجَابُ الْعَادَاتِ وَ الرُّسُوْمِ

یہ جو رسم ورواج ہیں، یہ بھی حجاب بن جاتے ہیں۔ اور شادی بیاہ کے موقع پر تو عورتیں مفتی اعظم بن جاتی ہیں۔ ایسے ان کو بہانے آتے ہیں کہ رسمیں نئی سے نئی نکال لیتی ہیں۔ اور یہ چیزیں انسان کو اللہ سے دور کر دیتی ہیں۔ ہر ایک کو شادی کے موقع پر منا لیا جاتا ہے بس اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ناراض کر دیا جاتا ہے۔ تو یہ کتنا بڑا حجاب ہوا کہ بندہ دنیا کے رسوم ورواج میں اتنا جکڑا ہوا ہو کہ رب سے دور ہو جائے۔

دسواں حجاب: اعتماد بالنفس

حِجَابُ اِعْتِمَادِ بِالنَّفْسِ نفس کے اوپر اعتماد کرنے کا حجاب۔ اس کا کیا مطلب؟ کہ بندے کو اپنے نفس کے اوپر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جو میں پڑھا ہوں یا سمجھا ہوں میں اسی پر عمل کروں گا۔ وہ کسی کو اپنا بڑا نہیں سمجھتا، کسی کے پیچھے چلنا پسند نہیں کرتا۔ اس کو تقلید بری نظر آتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جی بس قرآن، حدیث پڑھو اور اس کے اوپر چلو۔ مگر ہمارا یہ تجربہ ہے کہ تقلید تو دنیا کا ہر بندہ کرتا ہے۔ کسی نے آئمہ اربعہ کی تقلید کی، کسی نے مسجد کے مولوی صاحب کی تقلید کی۔ چنانچہ جو لوگ کہتے ہیں کہ جی ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے، ان سے پوچھو: بھئی! آپ نے کس سے پڑھا؟ یہ مسئلہ کس سے سنا؟ کہیں گے جی مسجد کے مولانا صاحب سے۔ تو مسجد کے مولوی صاحب کی تقلید اگر جائز ہے تو آئمہ اربعہ کی تقلید کیوں جائز نہیں؟ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن کے تقوی پر اور علمی قابلیت پر پوری امت کے علما کا اتفاق ہے، یہ کوئی چھوٹی سے بات نہیں ہے۔ چنانچہ آج کل کے دور میں غیر مقلدیت کے جراثیم کی وبا بہت پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ اور ہر بندے کا نفس یہی چاہتا ہے کہ میں وہ کروں جو میرا دل

چاہے۔ وہ اس کی بھی سنتے ہیں اور اس کی بھی سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فیصلہ ہم کریں گے۔ یعنی یہ بھی شیخ، یہ بھی شیخ، یہ بھی شیخ اور میں شیخ المشائخ۔ کالجوں میں پڑھنے والے، یونیورسٹیوں میں پڑھنے والوں کا آج ذہن ہی یہی بنتا چلا جا رہا ہے بلکہ ان کا ذہن بنایا جا رہا ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا حجاب ہے۔ اب اس کی اور تفصیل میں بیان کروں تا کہ پتہ چلے کہ یہ کتنا بڑا نقصان دہ حجاب ہے۔

کسی کی نہ ماننے والے:

ایک مرتبہ نیویارک میں اس عاجز نے بیان کیا تو وہاں پر ایک مقامی آدمی تھا، اس نے آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ کہنے لگا: جی میرا کوئی نیا نام رکھ دیں۔ ہم نے کچھ انبیائے کرام کے نام، صحابہ کرام کے نام اس کو سنائے۔ مگر اس کا دل کہیں مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک وہ مجھ سے پوچھتا ہے کہ جی آپ کا کوئی بیٹا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، الحمد للہ، بیٹا ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: حبیب اللہ، سیف اللہ۔ کہنے لگے کہ حبیب اللہ کے معنی کیا ہیں؟ میں نے کہا کہ (اللہ کا دوست) تو جیسے ہی میں نے کہا نا "فرینڈ آف اللہ" تو کہنے لگا: ہاں یہ نام میں پسند کرتا ہوں۔ اس کے سینے میں ایمان کا نور تھا۔ چنانچہ ہم نے اس کا نام حبیب اللہ رکھ دیا۔ اب میں نے اس کو ارکانِ اسلام کے بارے میں بتایا کہ بھئی یہ دین کی بنیادیں ہیں، یہ دین اسلام کے پلر (ستون) ہیں۔ پھر اس کو کہا کہ اب وقت زیادہ ہو چکا ہے آپ کل عشا کے وقت میرے پاس آنا تو میں آپ کو ضروریات دین کے بارے میں کچھ بنیادی چیزیں سمجھاؤں گا۔ طہارت، وضو، نماز، اور جو بھی بنیادی چیزیں ہیں ہمارے دین کی ان کے بارے میں آپ کو بتاؤں گا۔ چنانچہ اگلے دن وہ آ گیا۔ اب اس نے بغل میں کوئی چیز دبائی ہوئی تھی اور بیٹھا بات بھی سن رہا تھا۔ میں نے پوچھا: حبیب اللہ یہ کیا

ہے؟ کہتا ہے: ''بخاری، بخاری''۔ پہلے تو میں نہ سمجھا، پھر اس نے مجھے دکھایا تو وہ ''بخاری شریف'' کا انگریزی ترجمہ تھا۔ میں نے پوچھا: حبیب اللہ! یہ تمہارے ہاتھ میں کس نے دے دی؟ تو کہنے لگا: کل جب مجلس برخاست ہوئی تو ہمارے ایک عرب بھائی اسی مسجد میں تھے، وہ میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ مبارک ہو آپ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ کسی کے پیچھے چلنے کی ضرورت نہیں، کسی کی ماننے کی ضرورت نہیں، یہ کتاب ہے، اس کو پڑھ کر اس پہ عمل کرتے رہنا تم دین کے اوپر چلنے والے بن جاؤ گے۔ اب اندازہ لگائیں کہ جو بندہ آج کلمہ پڑھ رہا ہے، اس کو دین کا کچھ پتہ نہیں، کیا وہ اس قابل ہے کہ وہ بخاری شریف کو پڑھ کے اس پر عمل کر سکے؟ وہ بخاری شریف جس کو پڑھانے کے لیے ہمارے مدارس میں پہلے سات سال لگواتے ہیں اور آٹھویں سال بخاری شریف پڑھاتے ہیں اور اس میں بھی کئی احادیث کو تطبیق دینا اور اس کے اشکالات کو دور کرنا، اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس کتاب کو ایک بالکل نابلد اور نو آموز شخص کے ہاتھ میں پکڑا دیا کہ اس پر چلنا اور عمل کرنا۔ اب وہ گمراہ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت:

اسی لیے ایسے لوگوں کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بڑی چڑ ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں...... امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں، وہ بھی آئمہ ہیں۔ فقط امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا مقام دیا تھا کہ سبحان اللہ۔ سارے آئمہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے شاگرد بنتے ہیں۔ کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اصول

فقہ وہی لیے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ اور جو باقی آئمہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں، وہ ویسے ہی ان کے شاگردوں کے آگے شاگرد بنتے ہیں۔ (اللہ اکبر کبیر) ا۔ جو فہم اللہ نے ان کو عطا کی تھی وہ آج کسی کے اندر ممکن ہی نہیں۔ اتنا اللہ نے ان کو دین کا علم دیا تھا۔

شورائی فقہ:

آئمہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تقریباً چالیس بڑے بڑے علما تھے جو ان کے شاگرد تھے۔ کوئی عربی زبان کا ماہر تھا، کوئی قرآن کا ماہر تھا، کوئی حدیث کا ماہر، کوئی ذکر وسلوک کا ماہر تھا، کوئی قیاس اور استحسان کا بادشاہ، یہ سب حضرات مل کر ایک مسئلے کے اوپر بحث کرتے تھے۔ چنانچہ یہ شورائی فقہ ہے۔ مشورے سے اتنے علما ایک بات پر متفق ہوتے تھے وہ طے ہوتی تھی۔ پھر امام صاحب کے سامنے مسئلہ پیش کیا جاتا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر اپنے دلائل دیتے۔ اب جس بات پر سب کے سب متفق ہوتے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کو لکھ لیا کرتے تھے، وہ طے ہو جاتی تھی۔ تو وہ ایسی بات ہوتی جس پر اپنے وقت کے علما کا اجماع ہوا۔ یہ ایسی فقہ ہے (سبحان اللہ) چنانچہ اس مجلس میں مسائل زیر بحث لائے جاتے اور یوں لاکھوں مسائل کے جواب لکھے گئے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت:

ایک مسئلہ یہ چلا کہ ایک آدمی چار رکعت فرض نماز پڑھ رہا ہے، اب دو رکعت کے بعد اس کو التَّحِيَّاتُ پر بیٹھنا ہے اور عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ کر اس کو کھڑے ہو جانا ہے۔ اب مسئلہ یہ پیش آیا کہ وہ بھول گیا اور عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے بعد آگے بھی پڑھتا رہا، تو کیا ہوگا۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس نے اَللّٰهُمَّ پڑھ لیا اور کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو نہیں ہوا۔ صَلِّ پڑھ لیا، کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو نہیں ہوا۔ عَلٰی بھی پڑھ لیا تو

سجدہ سہو نہیں۔ لیکن اگر مُحَمَّد پڑھ لیا تو اب سجدہ سہو پڑ گیا۔ تو جب انہوں نے جب یہ فتویٰ دیا تو کہتے ہیں کہ رات خواب میں نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: نعمان! تم میرا نام پڑھنے والے کے لیے سجدہ سہو کا حکم دیتے ہو۔ تو عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جو آدمی غفلت سے آپ کا نام لے میں اس کے لیے سجدہ سہو کا حکم دیتا ہوں۔ نبی علیہ السلام مسکرا پڑے اور فرمایا تم نے ٹھیک کیا (سبحان اللہ)۔ ایسی اللہ رب العزت نے ان کو ذہانت عطا فرمائی تھی۔

تو بہر حال اعتماد بالنفس بھی ایک حجاب ہے۔ ایسے بندے کو شیطان بڑی آسانی سے ورغلا لیتا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس پہ اعتماد کرتا ہے۔ چنانچہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ تم نے اپنے دل کے یوسف کو اپنی خواہشات کے کنویں کے اندر ڈال دیا اور توبہ کی قمیص پر تم عذر کرنے کے لیے جھوٹ موٹ کا لہو لگا کر آ گئے۔ تو انسان پھر ایسا ہی کرتا ہے، اسی کا نفس اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔

انسان جب ان دس حجابات سے بچے گا تو پھر اس کی توبہ کامل ہوگی اور وہ اللہ سے واصل ہوگا۔

توبہ کی نیت

اب ایک آدمی چاہتا ہے کہ میں توبہ کروں۔ تو توبہ کی نیت کیا ہونی چاہیے؟ یہ ایک بنیادی چیز ہے کہ توبہ کرنے والا اپنے دل میں نیت کیا کرے؟ علما نے لکھا کہ مختلف نیتیں ہیں۔ مثلاً:

پہلی نیت:

ایک نیت یہ کرے کہ میں راستے سے بھٹکا ہوا زندگی گزار رہا تھا، اب میں سیدھے راستے پر آ کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿الَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ (یٰسین:٦١)

ترجمہ: ''اے آدم کے بیٹے! کیا میں نے تجھ سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا؟''

﴿وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (یٰسین:٦١)

ترجمہ ''اور میری عبادت کرو یہ ہے سیدھا راستہ''

تو پہلی نیت یہ ہوئی کہ اعود الٰی صراط المستقیم کہ توبہ کے ذریعے سیدھے راستے کے اوپر زندگی گزاروں گا''۔

دوسری نیت:

دوسری نیت یہ کرے کہ میں اللہ رب العزت کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (النور:٣١)

''اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو!''

تو یہاں تُوْبُوْا امر کا صیغہ ہے، حکم ہے...... کس کا حکم ہے؟ اللہ رب العزت کا حکم ہے۔ تو اس آیت کو پیش نظر رکھ کر نیت کرے کہ میں اللہ رب العزت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے توبہ کر رہا ہوں۔ یہ نیت کرے۔

تیسری نیت:

تیسری نیت یہ کرلے کہ ''فَرَارٌ مِنَ الظُّلْمِ اِلَى الْفَلَاحِ'' میں ظلم سے فرار ہو کر فلاح کی طرف آرہا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (الحجرات:١١)

''کہ جو توبہ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں''

چنانچہ جو توبہ نہیں کرے گا وہ ظالموں میں سے ہوگا۔ تو اب یہ نیت کرے کہ اے اللہ! میں توبہ کرر ہا ہوں اس توبہ کے ذریعے، میں

چوتھی نیت:

اور چوتھی نیت یہ کرے کہ اَلْفِرَارُ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ (اللہ کے عذاب سے چھٹکارا حاصل کرر ہا ہوں) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ ﴾ (الذٰریت:۵۰) '' اللہ کی طرف فرار حاصل کرو''

بھاگو اللہ کی طرف! چھڑاؤ اپنی جان ان خواہشات سے اور ان معصیتوں سے۔ چنانچہ بندہ نیت یہ کرے کہ میری یہ توبہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے ہے۔

پانچویں نیت:

پانچویں نیت یہ کرے کہ اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرر ہا ہوں)

نبی علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا کہ مہاجر کون ہوتا ہے؟

مَنْ ھَاجَرَ مِنَ الْخَطَایَا وَ الذُّنُوْب

''جو گناہوں سے اور خطاؤں سے ہجرت کر جاتا ہے'' تو یہ گویا بندے کی اللہ کی طرف ہجرت ہوئی۔ اپنے دل میں کہہ سکتا ہے اِنِّی مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّی میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرر ہا ہوں۔

انسان توبہ کرتے ہوئے اپنے دل میں یہ تمام نیتیں رکھ لے تو توبہ کامل ہو جائے گی۔

توبہ کے ارکان

اب بات کرتے ہیں کہ مَاھِیَ اَرْکَانُ التَّوبَۃِ۔ توبہ کے رکن کون کون سے ہیں؟ جن کے ساتھ توبہ کرنی چاہیے۔

پہلا رکن ''اخلاص''

پہلا رکن ہے ''الاخلاص'' یعنی اللہ کی رضا کے لیے گناہوں سے توبہ کرنا۔ فرض کریں کہ ایک بندہ جوا کھیلتا ہے، اس کو اس میں بہت نقصان ہو گیا۔ اب اگر وہ کہے کہ جی میں توبہ کرتا ہوں کہ جوا نہیں کھیلوں گا تو یہ توبہ نہیں کہلائے گی۔ یہ تو نقصان کی وجہ سے اس نے طے کیا کہ میں آئندہ جوا نہیں کھیلوں گا، اللہ کی رضا کے لیے تو توبہ نہیں کی۔ تو توبہ کے لیے اللہ کی رضا بہت ضروری ہے۔ اسی طرح ایک آدمی نے چوری کی، پکڑا گیا، ذلت ہوئی۔ اب وہ کہتا ہے کہ جی بڑی ذلت ہوتی ہے میں چوری سے توبہ کرتا ہوں، اس کی یہ توبہ نہیں کہلائے گی۔ وہ تو ذلت سے بچنے کے لیے توبہ کی، اللہ کی معصیت سمجھ کر تو وہ نہیں رکا۔ تو توبہ کا پہلا رکن اخلاص ہے۔ مطلب یہ کہ

''اَنْ تَتُوْبَ بِخَوْفٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ تَعْظِیْمًا وَ اِجْلَالًا لَّهٗ وَ خَشْیَةً لِّسَكُوْتِ الْمَنْزِلِ عِنْدَهٗ''

اللہ کے ڈر سے توبہ کرنا، اس کے عظمت کی وجہ سے، اس کی علوِ شان کی وجہ سے، اور اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں میں اللہ کی نظر سے گر نہ جاؤں

دوسرا رکن ''رک جانا''

توبہ کا دوسرا رکن ہے اَلْاِقْلَاعُ یعنی گناہ سے رک جانا، باز آ جانا۔ توبہ کا یہ مطلب نہیں کہ زبان سے تو توبہ توبہ کرنا اور گناہ بھی کرتے جانا۔ تو دوسرا رکن ہے کہ اب رک جائے، اس عمل کو چھوڑ دے۔ اس لیے گناہ کو چھوڑنے میں جتنی مشقت

اٹھائے گا اللہ کی طرف سے اتنی مدد آئے گی۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

عَلٰی اَقْدَرِ الْمَعُوْنَةِ تَأْتِی الْمَؤُوْنَةُ

انسان کی مشقت کے بقدر اللہ کی مدد بندے پر اتر آتی ہے۔

تو گناہ کو چھوڑنے میں جتنا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے بندے کو اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی مدد ملتی ہے۔

تیسرا رکن ''شرمندگی''

اور تیسرا رکن ہے۔ اس کا اَلنَّدَمُ یعنی شرمندگی اور ندامت۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ ''ندامت توبہ ہے''

کہ انسان اپنے کیے ہوئے عملوں پر شرمندہ ہو، نادم ہو کہ واقعی میں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی ناقدری کی۔ اور واقعی اگر دیکھا جائے تو انسان ہے بڑا ناقدار۔ اتنا کہ اللہ رب العزت کو فرمانا پڑا:

﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ (الزمر:٦٧)

لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسے کرنی چاہیے تھی۔

اللہ تعالیٰ کو فرمانا پڑا۔ اس لیے فرمایا:

﴿مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا﴾ (نوح:١٣)

''تمہیں کیا ہو گیا! تم اللہ کو وہ وقار نہیں دیتے جو دینا چاہیے''

اب توبہ کی ندامت کے لیے کیا کرے؟ استغفار کرے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ جی آبِ حیات پی لیا جائے تو زندگی مل جاتی ہے۔ یہ جو استغفار ہے یہ بھی روحانی طور پر انجیکشنِ حیات ہے۔ جس نے استغفار کا انجیکشن لگا لیا اس کو روحانی زندگی مل گئی۔

توبہ کیسے کریں؟

اب اس سے آگے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیت بھی کر لی، تین رکن بھی ہم نے سن لیے، اب کَیْفَ نَتُوْبُ ہم توبہ کیسے کریں؟ تو علمانے اس کا طریقہ کار بتایا کہ ہم توبہ کیسے کریں۔

(۱) توبہ کی ابتدا:

چنانچہ توبہ کی ابتدا کیسے ہوتی ہے؟

اَلْوَعْظُ وَ التَّذْكِيْرُ [اپنے آپ کو نصیحت کرنا اور یاد دلانا

آج کل تو نصیحتیں فقط دوسروں کو کرتے ہیں نا! اپنے آپ کو تو نصیحت نہیں کرتے۔ نبی علیہ السلام فرماتے تھے:

اُوْصِیْ نَفْسِیْ اَوَّلاً وَّ اِیَّاكَ بَعْدَهٗ

تو بندہ اپنے آپ کو بھی نصیحت کرے اور اپنے نفس کو سمجھائے کہ

یَا نَفْسِیْ! تُوْبِیْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتِ

''اے میرے نفس! توبہ کر اس سے پہلے کہ تجھے موت آجائے''

تو اپنے دل میں سوچیں اور اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ جیسے لوگ کہتے ہیں نا؟ کہ جی میں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھایا۔ اسی طرح اپنے آپ کو سمجھائیں کہ بس کر، اب گناہوں سے باز آجا، اب اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے، رک جا! اسی کو فاتحۃ التوبۃ (توبہ کی ابتدا) کہتے ہیں۔

(۲) گناہ کے مواقع سے اجتناب:

دوسرا عمل یہ کرے کہ:

عَدۡمُ النَّفۡسِ عَنۡ مَوَاقِعِ الۡمَعۡصِيَّةِ

جو گناہوں کے مواقع ہیں، انسان اپنے آپ کو ان سے دور لے جائے۔ چھوڑ دے وہ جگہیں جہاں نافرمانیوں کا مرتکب ہوتا تھا۔ اگر کہیں بیٹھ کر غیبت کرتا تھا تو اس جگہ پر جانا بند کر دے۔ جہاں شراب پیتا تھا، وہ محفلیں چھوڑ دے۔ جہاں بیٹھ کر فلمیں دیکھا کرتا تھا اور لہو ولعب کی محفلیں جماتا تھا، ان جگہوں پر جانا چھوڑ دے۔ ایسی جگہوں پر جانا ہی بند کر دے۔

آج ہم جن کو دوست سمجھتے ہیں، کل قیامت کے دن یہی سب سے بڑے دشمن ہوں گے۔

﴿اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ﴾ (الزخرف:۶۷)

سوائے متقیوں کے جتنے بھی دوست ہوں گے قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ اس لیے ہم اپنے آپ کو برے دوستوں سے بچائیں۔ اس دن انسان کہے گا:

﴿يٰلَيۡتَنِيۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا﴾ (الفرقان:۲۸)

''ہائے میری کم بختی! میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا''

آج تو تعلق جوڑتے ہیں، فون کے ذریعے سے...... میسجز (پیغاموں) کے ذریعے سے...... ملاقاتوں کے ذریعے سے۔ اور انسان اتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ برے تعلقات کے لیے دعائیں مانگتا ہے۔ ایک نوجوان کہنے لگا کہ میں روز دو رکعت نفل پڑھتا تھا کہ فلاں میری کزن میرے ساتھ گناہ پر آمادہ ہو جائے۔ اللہ اکبر!۔ اتنا انسان کے اوپر غفلت کی پٹی آ جاتی ہے۔ اگر کسی سے ایسا تعلق ہے تو اس تعلق کو توڑ دینا، ایسی جگہوں پر جانا چھوڑ دینا یہ انسان کے لیے لازم ہوتا ہے۔

(۳) روزوں کی کثرت:

اپنے نفس پر قابو رکھنے کے لیے تیسرا عمل کرے:

عِلَاجُ النَّفْسِ بِالصَّوْمِ وَ مَنْعُ الْحُدُوْدِ

انسان اپنے نفس کا علاج کرے روزے رکھ کر اور اپنے آپ کو لذتوں سے روک کر۔ جتنی لذیذ چیزیں کھائے گا اتنا شہوت بھڑکے گی۔ اور جتنا ڈٹ کر کھانا کھائے گا اتنا زیادہ شہوت کو غلبہ ہوگا۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ نکاح کرلے۔ اور جو نکاح نہیں کرسکتا اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے۔ تو کنوارے نوجوانوں کو، کنواری بچیوں کو، بیوہ عورتوں کو ٹکا کے روزے رکھنے چاہییں۔ مثال کے طور پر ہر مہینے میں ایام بیض یعنی چاند کی (تیرہ چودہ پندرہ) کے روزے رکھے۔ ہفتے میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ لے۔ یا اور کوئی دن اپنا متعین کر لے جو آپ کو اچھا لگے۔ اور سب سے بہترین عمل یہ کہ (اگر نفس قابو میں نہیں آنے والا) تو ایک دن روزہ ایک دن افطار، ایک دن روزہ ایک دن افطار۔ نفس کو اس ترتیب پر ڈالے، پھر دیکھیں کیسے سیدھا ہوگا۔ ہم کبھی کبھی روزہ رکھ لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ جی روزے رکھنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بھئی روزہ رکھنے میں فائدہ کیا ہوگا؟ جب سحری اور افطاری میں ملا کر ہم دو دن کے برابر کھانا کھالیں گے اور سارا دن کھٹی ڈکاریں آتی رہیں گی۔ روزے کا ایک مقصد ہے وہ مقصد ہمیں حاصل ہو جائے۔ نفس پر مشقت پڑے گی تو وہ مقصد حاصل ہوگا۔

(۴) آخرت کی سوچ:

چوتھی بات یہ کہ

اِرْفَعْنَا بِفِکْرِ اَعْلَامِ الْآخِرَہ

آخرت کے بارے میں اپنی سوچ کو ذرا بلند کر لے۔ اپنے دل میں دوزخ کے عذاب کے بارے میں اور جنت کی نعمتوں کے بارے میں سوچے، جتنا وہ سوچے گا اتنا ہی دل گناہوں سے ہٹے گا اور نیکی کے لیے تیار ہو جائے گا۔ یہ انسان کی عادت ہے کہ اس کو اگر تھوڑی سی ترغیب دی جائے تو یہ عمل کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ اپنے چھوٹے بیٹے سیف اللہ کے سامنے، (جب کہ ابھی وہ بہت چھوٹا تھا) جنت کا تذکرہ شروع کر دیا۔ وہ سنتا رہا، سنتا رہا...... میں نے بتایا کہ ایسے مکان ہوں گے، باغ ہوں گے، بہاریں ہوں گی، مزے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا مزے کی محفلیں ہوں گی۔ جب آدھا پونا گھنٹہ اس کو یہ بات سنائی تو پھر مجھ سے پوچھتا ہے: ابو جی! چلیں پھر وہاں۔ تو انسان کی عادت ہے کہ جب اس کو ترغیب دی جائے تو اس کا دل تیار ہو جاتا ہے، متوجہ ہو جاتا ہے۔ تو ہم بھی اپنے آپ کو، اپنے نفس کو نیکی کی طرف متوجہ کریں۔ وہ آخرت کے لیے تیار ہو جائے گا۔

(۵) غیر اللہ کے بتوں کو توڑنا:

اور آخری بات تَحْطِیْمُ الْاَصْنَامِ کہ اپنے بتوں کو توڑے،

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے

ان بتوں کو توڑنا پڑتا ہے، آفاقی ہوں یا انفسی۔ جب تک بتوں کو نہیں توڑے گا، تب تک اللہ تعالیٰ کی ذات سے واقف نہیں ہو گا۔ اگر کہیں بھی تعلقات ہیں ان کو چھوڑ دے۔ اور پھر یہ کہے: کہ اللہ

تَرَکْتُ اللَّاتَ وَ الْعُزّٰی جَمِیْعًا
کَذٰلِكَ یَفْعَلُ رَجُلُ الْبَصِیْرُ

اے اللہ! سب لات اور منات میں نے توڑ ڈالے اور عقل اور بصیرت رکھنے

والا بندہ وہ پھر ایسے ہی کیا کرتا ہے۔

تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان نفسانی خواہشات کے بتوں کو توڑ ڈالیں۔

گناہ کیسے چھوڑیں؟

لیکن ایک سوال جو سالکین اکثر پوچھتے ہیں۔ نیت بھی کر لی، ہمیں ارکانِ توبہ کا بھی پتہ چل گیا اور کیسے توبہ کریں اس کا بھی پتہ چل گیا لیکن عادتیں چھوٹتی نہیں۔ ہم اپنی بری عادات کو کیسے چھوڑیں؟ اس کے لیے سات اعمال کرنے پڑے گیں

پہلا عمل: گناہوں کے برے انجام پر نظر

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم عواقب المعاصی یعنی گناہوں کے برے انجام کو سوچا کریں۔ جس انسان کو پتہ چل جائے گا کہ گناہ کتنا برا اور گھٹیا عمل ہے تو گناہوں سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے کہ جو انسان گناہ کرے گا تو گناہوں کا اثر تو اس پر پڑے گا۔ مثلاً:

(۱) ذلت ملتی ہے:

گناہ کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس سے ذلت ملتی ہے۔ حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْعِزَّۃَ وَالْوَقَارَ لِمَنْ تَابَعَ اَمْرِی

”بے شک اللہ تعالیٰ نے عزت اور وقار اس بندے کے لیے بنایا ہے جو میرے حکم کی پابندی کرے گا۔“

یعنی شریعت کی پابندی کرے گا۔ اور فرمایا:

وَ جَعَلَ الذِّلَّةَ وَ الصَّغَارَ عَلٰی مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ

''اور جو میرے حکم کی نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ذلت اور چھوٹا پن بنایا ہے''

چنانچہ اگر ہم شریعت پر عمل کریں گے تو عزتیں ملیں گی اور معصیت کے مرتکب ہوں گے تو ذلتیں ملیں گی۔

(۲) بے رونق چہرے:

گناہ کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے بندے کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ سیاہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے۔ چہرے پہ رونق نہیں رہتی، رعنائی نہیں رہتی۔ چنانچہ گناہ کرنے والے کا چہرہ اسکی چغلی کھا رہا ہوتا ہے۔ اس کے چہرے پر خزاں کا موسم ہوتا ہے، نحوست ٹپک رہی ہوتی ہے۔ یہ چہرہ بندے کے عملوں کا سائن بورڈ بن جاتا ہے۔ تنہائیوں میں چھپ کر جو گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ظلمت کا اس کے اوپر لیپ لگا دیتا ہے۔

اللہ والوں کے چہروں کو دیکھیں! آپ کو تر و تازہ نظر آئیں گے۔ رعنائی نظر آئے گی، تازگی نظر آئے گی، نور ٹپکتا نظر آئے گا۔ آپ دیکھیں جو بندہ نماز نہیں پڑھتا، جو بندہ گناہوں کا خیال ہی نہیں کرتا، اس بندے کے چہرے کے اوپر آپ کو بے رونقی نظر آئے گی۔ اسی طرح بے پردہ پھرنے والی عورتیں چاہے جتنے مرضی لیپ لگاتی پھریں ان کے چہرے پر رونق نہیں آتی۔ بے پردگی کے گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے چہروں سے رونق اٹھا لیتا ہے، اب فیئر اینڈ لولی کریمیں کیا کریں بھئی؟

(۳) ظلمتِ قلب:

بلکہ بات اس سے بھی آگے جاتی ہے، چہرہ ہی سیاہ نہیں ہوتا بلکہ گناہوں کی وجہ

سے انسان کا دل بھی سیاہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ فرمایا کہ ضیقه و غمه دل کے اندر غم ہوتا ہے اور تنگی ہوتی ہے۔ دل تنگ ہوتا ہے، دل کے اندر گناہوں کی وجہ سے گھٹن ہوتی ہے۔

(۴) دشمن کے مقابلے میں کمزوری:

پھر اگلی بات فرمائی: ضِعْفُهٗ عَنْ مُقَابَلَةِ عَدُوِّهٖ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اس بندے کے اندر کمزوری اور سستی آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد جو نہیں ہوتی۔ ہر میدان میں ذلیل و خوار ہوتا ہے ذِلَّةٌ بَعْدَ عِزَّةٍ اس بندے کو عزتوں کے بعد اللہ تعالیٰ ذلت عطا فرما دیتے ہیں۔

(۵) اہلِ خانہ کے مابین محبت کی کمی:

اور ایک اثر گناہ کا یہ ہوتا ہے کہ اس کے اور اس کے اہلِ خانہ کے درمیان محبت ختم کر دی جاتی ہے، وحشت ڈال دی جاتی ہے۔ چنانچہ خاوند کہتے ہیں، جی ہمیں بیوی اچھی ہی نہیں لگتی، اور بیویاں کہتی ہیں کہ خاوند کے ساتھ ہماری طبیعت نہیں ملتی۔ یہ گناہوں کا نتیجہ ہے۔ نوجوان آکر بتاتے ہیں کہ باہر بدنظریاں کرتے پھرتے ہیں جب کہ گھروں میں نیک، خوبصورت، اچھی بیویاں ہوتی ہیں، لیکن ادھر دھیان ہی نہیں جاتا۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے محبت کو وحشت میں بدل دیا یہ گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ استغفار کثرت سے کریں گے تو اللہ تعالیٰ بیوی کے ساتھ محبت پیدا فرما دیں گے۔

(۶) اپنے آپ سے وحشت:

پھر دیکھیے کہ بات یہی نہیں ہوتی کہ بندے اور بیوی کے درمیان محبت وحشت میں بدل جاتی ہے۔ نہیں! بلکہ بندے اور اس کے نفس کے درمیان وحشت ہو جاتی

ہے۔ اپنا آپ بھی اچھا نہیں لگتا، مرنے کو دل کرتا ہے، خودکشی کو دل کرتا ہے۔ بندہ اپنے آپ سے بیزار ہو جاتا ہے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا ہوگا، ہر کسی کو گالیاں نکال رہے ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو بھی نکال رہے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے آپ سے جو بیزار ہو گیا یہ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے گناہ کی وجہ سے اس بندے اور اس کے نفس کے درمیان نفرت پیدا کر دی، بیزاری پیدا کر دی۔

(۷) بندے اور اللہ کے درمیان وحشت:

اور پھر فرمایا کہ بات یہاں ختم نہیں ہوتی ثُمَّ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللّٰهِ پھر بندے اور اللہ کے درمیان وحشت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ بندے کو اللہ کا تذکرہ ہی اچھا نہیں لگتا۔ پھر وہ کہتا ہے: جی کیا کریں؟ اللہ تعالیٰ تو بس داڑھی والوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ ''نقلِ کفر کفر نا باشد'' ایک صاحب نے مجھے کہا: جی اللہ تعالیٰ میں بڑا فیورٹ ازم ہے۔ کیوں بھئی؟ کہتا ہے: جی بس داڑھی والوں کی دعائیں سنتا ہے، ہماری تو سنتا ہی نہیں۔ یہ اللہ اور بندے کے درمیان وحشت آ گئی۔

تو دیکھو! پہلے بندے اور اہل خانہ کے درمیان سے محبت چھین لی جاتی ہے، پھر بندے اور اس کی اپنی ذات کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے، اس کو چھین لیا جاتا ہے۔ پھر بندے اور اللہ کے درمیان کی محبت کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

(۸) نہ ختم ہونے والی حسرتیں:

گناہوں کا آٹھواں اثر بندے پر یہ پڑتا ہے کہ

وُقُوْعُ الْعَبْدِ فِي بِئْرِ الْحَسَرَاتِ

بندہ حسرتوں کے کنویں میں جا گرتا ہے...... حسرتیں ہی حسرتیں...... کاش میرے پاس ایسی گاڑی ہوتی، ایسی کوٹھی ہوتی! ایسی بیوی ہوتی! روز نئی نئی حسرتیں

ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ حسرتوں کے کنویں میں اس کو گرا دیتے ہیں اور اس بیچارے کی حسرتیں کبھی پوری نہیں ہوتیں۔بے پردہ عورت ہے تو اس کے دل میں حسرت ہوگی کاش میرا خاوند ایسا ہوتا کاش میرے گھر کے اندر رزق اتنا زیادہ ہوتا! غرض کہ اطمینانِ قلب نہیں ہوتا۔

(۹) رزق کی کمی:

مزید فرمایا: نُقْصَانُ رِزْقِهٖ

"گناہوں کی وجہ سے بندے کے رزق کو کم کر دیا جاتا ہے"

حدیث پاک میں آتا ہے:

إِنَّ الْعَبْدَ يُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ

بندے کو جو رزق پہنچنا تھا گناہوں کی وجہ سے اس رزق کو کم فرما دیتے ہیں۔

پھر آتے ہیں جی، حضرت کچھ پڑھنے کے لیے بتائیں، لگتا ہے کسی نے کاروبار باندھ دیا ہے۔کاروبار کوئی نہیں باندھ سکتا، رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ﴾ (الزخرف: ۳۲)

انسانوں کے درمیان رزق کو ہم نے تقسیم فرمایا۔اللہ تعالیٰ اگر دے تو کوئی روک نہیں سکتا، اور اللہ تعالیٰ اگر لے تو کوئی دے نہیں سکتا۔یہ تو خوامخواہ کی بات ہے کہ کسی نے کاروبار باندھ دیا ہے۔کسی کو چھوٹا خدا نہ سمجھو۔جیسے بعض کہتے ہیں: جی پھوپھی نے رزق باندھ دیا، عامل نے رزق باندھ دیا ہے۔او اللہ کے بندے! کسی نے رزق نہیں باندھا، رازقِ کائنات نے ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمارے رزق کو گھٹا دیا ہے۔کہتے ہیں: جی بکری نہیں ہوتی......سارا دن بیٹھ کر آ جاتے ہیں......او جی! سودا ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے......او جی! بچی کے رشتے آتے تو بڑے ہیں، فائنل نہیں

ہوتا۔ یہ بھی تو رزق ہے نا کہ بچی کو مناسب رشتہ مل جائے۔ تو یہ کوئی نہ کوئی گناہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ بندش ہوتی ہے۔ اگر ہم گناہوں سے سچی توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے رزق کی ان کوتاہیوں کو ختم فرما کر ہمیں سکون والا رزق عطا فرما دے۔

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا، کئی شرابی، کبابی، زانی ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس پیسہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ سمجھ لیں! کہ وہ حلال کا رزق نہیں ہوتا۔ یقین کر لینا ایسے لوگوں کے پاس اگر پیسہ زیادہ ہوتا ہے تو وہ سارے کا سارا حرام کا پیسہ ہوتا ہے، مشتبہ مال ہوتا ہے۔ حلال کا رزق ایسا نہیں ہوتا کہ بندہ نافرمانی بھی کر رہا ہو اور اس کو کھلا حلال رزق مل جائے۔

مال کے مصرف سے مال کی آمد کا اندازہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بتاتے تھے کہ ہم لوگوں کے مال کے مصرف سے ان کے مال کی آمد کا اندازہ لگا لیتے ہیں کہ حلال کا رزق ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ حلال کا مال ہوگا تو نیک کاموں میں لگے گا اور اگر حرام کا ہوگا تو گناہوں میں صرف ہو رہا ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بندہ آیا۔ کہتا ہے: جی آپ جو کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے مال کے مصارف سے ان کے مال کی آمد کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب؟ فرمایا: اچھا ایسے کرو، یہ پیسے لے لو، شہر میں لے جاؤ اور جس بندے کو تم سمجھتے ہو کہ وہ سب سے زیادہ غنی نظر آتا ہے محتاج نہیں ہے، سائل نہیں ہے، اس کو دے دو۔ اور پھر دیکھو کہ یہ خرچ کہاں ہو رہا ہے؟ وہ گیا اور اس نے جا کر شہر میں ایک بندے کو دیکھا، بڑا اچھا لباس پہنا ہوا ہے اور اس کا چہرہ ایسا ہے جیسے شرفا کا ہوتا ہے اور وہ ہاتھ میں تھیلا لے کر جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ واقعی یہ بندہ تو سائل نہیں ہو سکتا، اس نے پیسے اس کو دے دیے۔ پیسے دینے کے بعد یہ اس کے پیچھے لگ گیا۔ اس نے عجیب بات دیکھی کہ وہ بندہ دوسری گلی میں چلا گیا، تھیلا اس نے پھینک دیا اور ایک دکان کے

اندر چلا گیا اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں خرید کر گھر کے اندر لے گیا۔ اب اس نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور درخواست کی کہ آپ پوری صورتِ حال بتا دیں۔ اس نے کہا: دیکھو! میں سادات میں سے ہوں۔ میرے گھر میں تین دن سے فاقہ ہے اور گھر میں بچے مرنے کی حالت میں پہنچ چکے ہیں۔ میں اپنی بیماری کی وجہ سے مشقت کے قابل نہیں۔ ہم کسی سے کچھ مانگ سکتے ہیں نہ لے سکتے ہیں۔ تو آج بچوں کو اس فاقے کی حالت میں تڑپتا دیکھ کر میں اٹھا اور میں نے باہر ایک مردہ بکری کو دیکھا تو میں نے سوچا کہ چلو میں اس کا گوشت لے جاتا ہوں۔ یہ میرے بچوں کے لیے اس اضطراب کی حالت میں حلال ہے۔ میں وہ بکری کی ران کاٹ کر لے جا رہا تھا کہ آپ نے مجھے پیسے دے دیے، چنانچہ اب اس کا استعمال میرے لیے حرام ہو گیا، میں نے اس کو پھینک دیا۔ دکان سے جا کر چیزیں خریدیں اور جا کر گھر والوں کو دے دیں۔ وہ بندہ حیران ہو گیا۔ حضرت کو آ کر بتایا۔ حضرت نے فرمایا: اب اپنا پیسہ بھی نکال اور جس کو سب سے زیادہ محتاج سمجھتا ہے اس کو جا کر دے اور پھر دیکھ کہ وہ کیا کرتا ہے؟ چنانچہ وہ پیسے لے کر نکلا، اس نے بازار میں ایک بندے کو دیکھا جو ذرا لنگڑا بھی تھا، اور فقیر بنا ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے سمجھا کہ یہ معذور بھی ہے، فقیر بھی ہے، اس کو پیسے دیتا ہوں۔ پیسے اس کو دے دیے، پھر اس کے پیچھے لگ گیا۔ دیکھا کہ وہ سیدھا ایک ایسی دکان پر گیا جہاں، چرس بکا کرتی تھی۔ اس لنگڑے نے وہاں ان پیسوں کی چرس خریدی، پھر اس کے بعد وہ لنگڑا نوجوان ایک طوائفہ کے گھر گیا، اس سے زنا کا مرتکب ہوا۔ اس نے یہ ساری بات دیکھ کر آ کر کہا: حضرت! آپ نے سچ کہا تھا، میرا پیسہ مشتبہ تھا۔ اس لیے میں نے اگرچہ اپنی طرف سے صحیح بندے کو دیا لیکن اس نے بھی اس کو گناہ کے کاموں میں صرف کیا۔ آپ کا پیسہ حلال تھا، اس لیے اگرچہ میں نے ظاہر میں ایک ایسے بندے کو

دیکھا جو غیر مستحق نظر آتا تھا مگر اللہ نے آپ کے پیسے کو مستحق جگہ پر لگوا دیا۔

تو وہ فرماتے تھے: ''ہم مال کے مصارف سے مال کی آمد کا اندازہ لگا لیتے ہیں کہ یہ کدھر سے آ رہا ہے، حلال ہے یا حرام ہے'' تو آپ اگر دیکھیں کہ کوئی بندہ فاسق و فاجر ہے اور خوب پیسے کی بہتات ہے لیکن فضولیات میں اڑائے جا رہا ہے تو آپ یقین کر لیں کہ حلال کا پیسہ اتنا کھلا کسی کو نہیں مل سکتا۔ کوئی نہ کوئی اس کے اندر مسئلہ ہوگا۔

(۱۰) رعب کا خاتمہ:

پھر آگے فرمایا کہ گناہوں کے برے انجام میں سے یہ بھی ہے کہ زَوَالُ الْمَهَابَةِ بندے کی ایک ہیبت ہوتی ہے، وہ چھین لی جاتی ہے۔

تَتَبَدَّلُ حَقَارَتُهُ فِي قُلُوْبِ النَّاسِ

انسان کے دلوں میں اس کی حقارت ڈال دی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ ایسا ہی ہے آج کا افسر جب کسی کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کو سیلوٹ مارتا ہے، جیسے ہی وہ افسر پیٹھ پھیر کے جاتا ہے وہ اس کو ماں بہن کی گالی نکال دیتا ہے۔ تو لوگ بھی اس بندے کی ایسی ظاہری عزت کرتے ہیں، دل سے عزت کوئی نہیں کرتا۔ دل سے عزت اسی بندے کی کرتے ہیں جو نیکی اور تقویٰ پر زندگی گزارنے والا ہو۔

(۱۱) شیطان کا تسلط:

اور گیارہویں بات:

يَكُوْنُ الشَّيْطَانُ مَوْلَاهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ کی بجائے شیطان اس بندے کا مولا بن جاتا ہے۔ شیطان اس بندے کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا﴾ (النساء:۸۳)
''اور جس کا ساتھی شیطان ہوا تو وہ برا ساتھی ہے''

(۱۲) دلوں کا زنگ:

اور بارہویں چیز رَيْنُ الْقُلُوْبِ دل پہ زنگ آجاتا ہے۔
﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (المطففین:۱۴)
''خبردار! ان کے دلوں پر زنگ ہے جو ان کی اپنی کمائی ہے''
جب انسان کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے تو اس کے دل پر پھر خیر کی بات اثر نہیں کرتی۔ اسے جتنی نصیحت کرلو وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ یہ بندے کے گناہوں کا ایک وبال ہے۔

(۱۳) نیکی کی لذت سے محرومی:

حِرْمَانٌ مِّنْ حَلَاوَةِ الطَّاعَةِ
نیکی کی جو لذت ہے اس سے اس کو محروم کر دیا جاتا ہے۔ نماز میں لذت نہیں، تلاوت میں لذت نہیں، تسبیح کرنے میں دل نہیں لگتا۔ نیکی کے کام کرنے کو دل ہی نہیں کرتا، کیا پتہ ہم جو آنکھوں کو قابو نہیں کرتے، غیر محرم سے نہیں بچاتے اسی کا وبال ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر و مراقبے کے اندر لذت ہی عطا نہیں کرتا۔

(۱۴) حفاظتِ خداوندی سے محرومی:

اور پندرہویں چیز بہت ہی عجیب ہے (اللہ اکبر)! اس سے بڑا نقصان اور کوئی نہیں۔
خُرُوْجٌ مِّنْ حِصْنِ اللّٰهِ الْحَصِيْنِ

اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کے قلعے سے اس کو نکال دیتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کے قلعے سے جس کو نکال دے وہ بے چارہ بد بخت بن جاتا ہے۔یہ گناہوں کا وبال ہوتا ہے۔

(۱۵) علم سے محرومی:

گناہوں کا ایک وبال یہ بھی ہوتا ہے کہ علم سے محروم ہو جاتا ہے۔توجہ فرمایئے! بہت سارے طلباء کہتے ہیں: حضرت! ہم سبق یاد کرتے ہیں بھول جاتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا! جہاں عصیان ہوگا وہاں نسیان ہوگا۔وہ طلبا دیکھیں کہ ایسا تو نہیں کہ بد نظری کی وجہ سے،غیبت کی وجہ سے، بدگمانیوں کی وجہ سے، بے ادبیوں کی وجہ سے، دل دکھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے علم کی یادداشت والی نعمت سے محروم نہ کر دیا ہو۔

(۱۶) عمر میں کمی:

اسی طرح گناہوں کی وجہ سے بندے کی عمر کم ہو جاتی ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے جو گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عمر کو گھٹا دیتے ہیں'' اب عمر گھٹانے میں علمانے دو باتیں لکھیں ہیں علمانے۔ایک تو یہ کہ فزیکلی عمر گھٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عمر کو سو سال کی بجائے ستر سال کر دیتے ہیں، یعنی گھٹا دی گئی۔

اور علمانے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انسان کی Effective (کارگر) عمر گھٹا دی جاتی ہے۔کیا مطلب؟ کہ پچیس سال کا نوجوان ہوتا ہے اور اٹھتے ہوئے آنکھوں کے آگے اندھیرا آجاتا ہے۔جوانی میں بڑھاپا آگیا، وہ جو فعال زندگی تھی اس کو گھٹا کر اس کو بیماریوں کا مجموعہ بنا دیا جاتا ہے۔آج کل تو یہ حال ہے کہ سولہ سال کا ایک لڑکا میرے پاس آیا، حضرت! مجھے لو بیک کی پین (کمر کا درد) ہے، مجھ سے چلا نہیں جاتا۔سولہ سال کی عمر اور اس میں (لو بیک پین) کوئی جوڑ بنتا ہے!!

ایسے لگتا ہے جیسے بچے تھے اور بچپن کے بعد بڑھاپا آ گیا اور جوانی انہوں نے دیکھی ہی نہیں۔ یہ گناہوں کا وبال ہوتا ہے۔

(۱۷) دشمنانِ اسلام سے مشابہت:

اور گناہ کرنے کا ایک اور وبال یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کو دشمنانِ اسلام کے ساتھ مشابہت ملتی ہے۔ اللہ کے دشمنوں سے مشابہت ہوگئی اور گناہ کرنے والے کو حدیث پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مخلوق لعنت برساتی ہے۔ فرشتے بددعا کررہے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط فرما دیتے ہیں۔ اب جس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ گناہوں کا انجام اتنا برا ہوتا ہے، وہ بندہ گناہوں کے قریب جانے سے بھی ڈرے گا۔ اپنی عادات کو ٹھیک کرلے گا۔

دوسرا عمل: اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا:

گناہ چھوڑنے کے لیے دوسرا عمل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے حیا کھائے کہ میرے اللہ نے بن مانگے اتنی نعمتوں سے نوازا، میں کتنا بے حیا ہوں کہ میں اسی پرودگار کے حکم کی تعمیل میں کوتاہیاں کرتا ہوں! ایک ننھا بچہ بھی پاس ہو تو بندہ اس کے سامنے گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا تو پھر اللہ (احکم الحاکمین) کی زمین پر اس کے سامنے اس کی نافرمانی کی جائے یہ تو بڑی جرأت کی بات ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دیں ان کے بارے میں بھی سوچے کہ میرے رب نے بن مانگے اتنی نعمتیں دیں اور میں پھر بھی اس کی نافرمانی کررہا ہوں۔

تیسرا عمل: اللہ تعالیٰ کا خوف

اور چوتھا عمل یہ کہ اللہ سے ڈرے۔ کبھی کبھی انسان کا ایک گناہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نظر میں آتا ہے کہ بندے کی پکڑ آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ (الزخرف:۵۵)

جب انہوں نے ہمیں گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعے سے ناراض کیا تو ہم نے بھی ان سے انتقام لیا۔ کہیں اللہ تعالیٰ انتقام لینے کا ارادہ نہ کر لے۔ اللہ کی پکڑ بہت بری ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور پکڑ کا ڈر دل میں پیدا ہو جائے تو یہ چیز گناہوں سے بچنے کا سبب بن جاتی ہے۔

چوتھا عمل: موت کو یاد کرنا:

قَصْرُ الْاَمَلِ وَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ

امیدوں کو چھوٹا کرنا اور موت کو کثرت سے یاد کرنا

یہ بھی گناہوں کو چھوڑنے کے لیے آسان نسخہ ہے۔ جب انسان کو اس بات کا یقین ہوگا کہ میں نے عنقریب اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہے اور میرا ہمیشہ کا ٹھکانہ آگے آنے والا ہے تو پھر وہ اپنی عاقبت کو بچانے کے لیے گناہوں سے بچے گا۔

پانچواں عمل: مجاہدۂ نفس کرنا

ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہواؤ حرص اور بری عادات سے پاک کرنے کے لیے مجاہدے پر لگانا اور اس سلسلے میں:

مُجَانَبَةُ الْفُضُوْلِ فِي الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ

”زیادہ کھانے اور پینے سے اجتناب کرنا“

قلتِ طعام اور قلتِ کلام کی عادت ڈالنا۔

چھٹا عمل: محاسبۂ نفس:

پھر فرمایا مُحَاسَبَةُ النَّفْسِ“ یہ جو صبح شام کا مراقبہ کرتے ہیں یہ حقیقت میں محاسبہ ہوتا ہے۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا

''اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''

تو جو بندہ صبح شام کا مراقبہ پابندی سے کرے اور اپنے نفس کا محاسبہ بھی کرے اس کے لیے گناہوں کی عادت چھوڑنی آسان ہوتی ہے۔

ساتواں عمل: صحبتِ صلحا کو اختیار کرنا

اور آخری بات یہ کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ خود یہ عادتیں چھوڑنی مشکل ہوتی ہیں اور اگر نیکوں کی محفل میں آ جائیں تو ان کی صحبت کی برکت سے یہ عادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

﴿يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو!''

تو جب ان باتوں کو ہم سوچیں گے اور ان اعمال کو کریں گے تو بری عادتوں کو چھوڑنا بھی آسان ہو جائے گا۔

توبہ کی قبولیت کی علامات

اب آخری بات یہ کہ بندے نے اپنی طرف سے توبہ تو کر لی، بری عادتیں بھی چھوڑ دیں، برے عمل بھی چھوڑ دیے، لیکن کیا پتہ توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں؟ اس کی بھی چند علامات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ میری توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں۔

(۱) آئندہ زندگی گزشتہ سے بہتر:

ارشاد فرمایا:

اَنْ يَّكُوْنَ بَعْدَ التَّوْبَةِ خَيْرٌ مِّنْ مَّا كَانَ قَبْلَهَا

کہ توبہ کی قبولیت کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد انسان کی زندگی پہلی زندگی سے اچھی ہو جاتی ہے۔ پہلے نمازیں قضا کر جاتا تھا اب پابندی سے پڑھتا ہے۔ پہلے صرف نمازیں ہی پڑھتا تھا اب جماعت کی پابندی کرتا ہے۔ پہلے جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا، اب تکبیرِ اولیٰ کی پابندی کرتا ہے۔ پہلے فرض نمازیں پڑھتا تھا اب تہجد کی بھی پابندی کرتا ہے۔ تو یہ جو انسان کی زندگی کے اندر خیر آتی ہے وہ بتاتی ہے کہ اللہ نے توبہ قبول فرمالی۔

(۲) دوبارہ گمراہی کا خوف:

دوسری علامت یہ ہے کہ

اَنْ لَّا یَزَالُ الْخَوْفُ مِنَ الْعَوْدَۃِ اِلَی الذَّنْبِ مُصَاحِبًا لَّہٗ

سچی توبہ کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ بندے کو ہر وقت دل میں خوف رہتا ہے کہ کہیں میں دوبارہ گناہوں کی طرف مائل نہ ہو جاؤں۔ وہ اپنے نفس کے اوپر بھروسہ نہیں کرتا کہ جی اب میں توبہ تائب ہو چکا ہوں۔ نہیں نہیں۔ اس بات سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں دوبارہ گناہ کے راستے پر نہ چل پڑوں۔ اپنے نفس پر کبھی اعتماد نہیں کرتا۔

(۳) گناہ سے بے طمع ہونا:

اور تیسری علامت یہ ہوتی ہے:

اِنْخِلَاءُ الْقَلْبِ وَ تَقَطُّعِہٖ نَدَمٌ وَ خَوْفٌ مِنَ الْعُقُوْبَۃِ الْعَاجِلَۃِ وَ الْاٰجِلَۃِ

کہ انسان کا دل گناہوں کی چاہت سے خالی ہو جائے۔ یعنی دل سے گناہوں کی حسرت نکل جائے۔ یا یوں سمجھیے وانسان گناہوں سے بے طمع ہو جائے۔ دل میں سوچ لے کہ مجھے بدنظری نہیں کرنی۔ میرے اللہ کا حکم ہے، لہٰذا مجھے اس سے کوئی پروا نہیں کہ گزرنے والا نامحرم کون ہے اور کیسا ہے؟ یہ جو ہوتا ہے نا دل سے طمع کو نکال دینا یہ

سب سے مشکل کام ہے۔

آج کل کے نوجوان کیوں بدنظری کر جاتے ہیں؟ دل میں طمع ہوتی ہے، طمع بدنظری پہ آمادہ کرتی ہے۔اس لیے اکثر نوجوانوں سے پتہ کریں، وہ آپ کو دوسری شادی کے لیے تیار نظر آئیں گے۔اس کے لیے دعائیں بھی کرتے ہوں گے اور کئی تو خط کے ذریعے پوچھتے بھی ہیں کہ حضرت! دوسری شادی کی اجازت دے دیجیے۔میں ان کو جواب لکھتا ہوں کہ پہلی بیوی سے مشورہ فرما لیجیے۔تو یہ جو دل میں سے حسرت ہوتی ہے، یہ حسرت نکال دیں۔

طمع کیسے نکلی؟

چنانچہ ایک مرتبہ ایک جگہ چار پانچ نوجوان بیٹھے ہوئے تھے (کسی باہر کے ملک کی بات ہے) فقیر وہاں بھی جا پہنچا اور وہ آپس میں یہی باتیں کر رہے تھے۔سب شادی شدہ نوجوان تھے اور دوسری شادی کے فضائل بیان کر رہے تھے۔وہ طلبا ہی تھے، میں نے ان کو بٹھایا اور ان کو سمجھایا۔میں نے کہا کہ بھئی دیکھو! اگر تو دوسری شادی کے چکر میں پڑنا ہے، تو پھر علم کا کام تمہارے ہاتھ سے گیا۔پھر علم تمہارے کام نہیں آئے گا۔آج کا زمانہ نہیں ہے کہ دو شادیاں بھی کرو اور ساتھ علم بھی چلاؤ۔اگر تو چاہتے ہو کہ ہم اشاعتِ علم کا کام کریں تو پھر اللہ تعالیٰ نے جو ایک بیوی دی ہے، جو اچھی ہے، نیک ہے، صحت مند ہے، ہر کام آسکتی ہے، خدمت کر سکتی ہے، ضرورت پوری کر سکتی ہے تو کیا ضرورت ہے دوسری شادی کے بارے میں سوچنے کی؟ کیونکہ علم کی مصروفیت کی وجہ سے آپ عدل وانصاف نہیں کر سکیں گے۔اور قرآن مجید میں فرما دیا کہ اگر تم عدل نہ کر سکو تو ایک شادی ہی کافی ہے۔جو اللہ کے کام میں آگے بڑھنا چاہتا ہے وہ ان چکروں میں نہ پڑے۔ذہن میں بٹھا لے کہ بس اللہ نے ایک بیوی دے دی، اب اسی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔

پھر وہ پوچھنے لگے کہ دل سے طمع نہیں نکلتی، اس وجہ سے بیوی کی موجودگی میں بھی بدنظری ہوتی ہے۔ تو میں نے ان کو سمجھایا اور بتایا کہ بھئی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کے لیے قبول کیا ہے، اب آپ علم کے راستے میں آگے بڑھو۔ تمہیں گھر میں اللہ نے بیویاں دی ہیں انہیں سے الفت اور محبت کا اظہار کرو اور زندگی گزارو۔ سب نے وعدہ کر لیا کہ ہم بدنظری نہیں کریں گے، اور آج سے ہم بے طمع ہونے کی کوشش کریں گے۔ کچھ دنوں کے بعد ان میں سے ایک حافظ صاحب ہمارے پاس آئے، کہنے لگے: حضرت! جس دن سے ہم نے عہد کیا ہے کہ باہر کسی سے کوئی طمع نہیں رکھیں گے، اس دن سے پتہ نہیں کیا ہوا، بیوی ہمیں بڑی اچھی لگنے لگ گئی ہے۔ یہ فطری بات ہے، جب انسان باہر سے بے طمع ہو جائے گا تو اللہ رب العزت اس کو گھر کے اندر الفتیں اور محبتیں عطا فرما دیں گے۔

(۴) عاجزی:

اور چوتھی علامت یہ کہ جس کی توبہ سچی ہوتی ہے، اس بندے کے اندر پھر عاجزی آجاتی ہے۔ وہ بات بھی کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہاں یہ بندہ اپنے آپ کو خطاکار، گناہگار سمجھ کر توبہ کرنے والا ہے اور اب عاجزی کے ساتھ دوسروں سے پیش آتا ہے۔ اس بندے میں غرور اور تکبر نہیں ہوتا، عاجزی ہوتی ہے۔

تو یہ سچی توبہ کی چار علامات ہیں۔

رزق میں برکت والے اعمال:

یہاں میں ایک چیز اور بھی آپ کو بتا دوں، کئی لوگوں کو عملیات کا، تعویذوں کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ بات بات پر تعویذ۔ اکثر تعویذ رزق کی تنگی کے ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں چند اعمال بتائے گئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ رزق میں برکت فرما دیتے

ہیں۔آپ وہ اعمال کرلیں آپ کوکسی تعویذ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔صرف گنوادیتا ہوں۔

☆ استغفار سے اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔

☆ کثرتِ عبادت سے رزق میں وسعت فرماتے ہیں۔

☆ حج کرنے سے رزق میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

☆ کثرتِ عمرہ کرنے سے اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

☆ صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرماتے ہیں۔

☆ کمزوروں کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے پر اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔

☆ تقویٰ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرماتے ہیں۔

☆ سچ بولنے سے اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔

☆ اور ہجرت کا عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔

یہ اعمال احادیث میں آئے ہیں ان پر آپ عمل کرلیں، اللہ تعالیٰ آپ کو غنی فرما دیں گے محتاجی سے بچالیں گے۔

اب توبہ کے عنوان پر ہم نے ہر زاویے سے روشنی ڈالی کہ انسان نیت کیا کرے، ارکان کیا ہیں کیسے عادات کو چھوڑے؟ کیسے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کی علامتیں ہوں؟

توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے:

یہ توبہ کا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے، اتنا پسند ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے:-

((اَلتَّائِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ))

''توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے''

توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست بن جاتا ہے۔توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔تو کتنا بڑا انعام ہے؟۔اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں''

اور ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ سچی توبہ کرتا ہے اور ''یارب'' پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ اتنا خوش ہوتے ہیں کہ اس یارب کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو'' لَبَّیْكَ یَا عَبْدِیْ'' (ہاں اے میرے بندے!) فرماتے ہیں۔

اور ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مسافر اونٹنی پر کسی صحرا میں چلا گیا اور تھکا ہوا تھا سو گیا۔جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی بمع سامان کے غائب ہے۔بڑا تلاش کیا، اونٹنی نہ ملی۔حتی کہ بندے کو یقین ہو گیا کہ میں اسی جگہ پر بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤں گا۔غم کی حالت میں، بہت افسردگی کی حالت میں اس پر پھر اونگھ طاری ہو گئی۔آنکھ کھلی تو اچانک اس نے دیکھا کہ اونٹنی ساز و سامان کے ساتھ پاس کھڑی ہے۔تو بندے کا دل اتنا خوش ہوا کہ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اللہ! تو میرا رب اور میں تیرا بندہ لیکن خوشی میں وہ یہ کہہ بیٹھا کہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِی وَ اَنَا رَبُّكَ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔فرماتے ہیں جتنی خوشی اس بندے کو ہوئی اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ خوشی توبہ کرنے والے بندے پر ہوتی ہے۔اللہ اکبر کبیرا۔

جب توبہ سے اللہ تعالیٰ اتنے خوش ہوتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ آج کی اس مجلس میں ہم اپنے گناہوں سے پکی سچی توبہ کر لیں۔

توبہ کا ارادہ کریں!

خطیب الانبیا حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اے میری قوم!

﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ﴾ (ھود:۹۰)

’’اپنے رب کے سامنے استغفار کرو! میرا رب بڑا رحیم ہے اور بڑی محبت کرنے والا ہے‘‘

تو ہم بھی اگر توبہ کریں گے اللہ تعالیٰ ہم پر بھی رحمت نازل فرمائیں گے۔ ہم سے بھی اللہ تعالیٰ محبت فرمائیں گے۔ تو بھئی! اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کر کے آئندہ نیکوکاری کی زندگی گزارنے کا دل میں ارادہ کر لیں، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ پہلی امتوں کے لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کے دروازوں پر لکھا جاتا تھا کہ اس بندے نے یہ گناہ کیا۔ نبی علیہ السلام کے رحمت للعالمین ہونے کے صدقے اللہ تعالیٰ نے دروازوں پہ لکھوانے والا عذاب تو معاف فرما دیا۔ البتہ چہروں پر لکھنے والی بات ابھی باقی ہے، جو بندہ بھی گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے پر لکھوا دیتے ہیں اور پڑھنے والے اس کو پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ نظر عطا فرمائے کہ ہم اپنے چہروں پر گناہوں کی نحوست کو دیکھ سکیں۔

انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی:

ہم اللہ رب العزت کی عظمت کو سامنے رکھیں اور پھر یہ دیکھیں کہ ہم کس پروردگار کے حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں؟ ہم نے کتنی بڑی غلطی کر لی! کتنی بڑی کوتاہی کر لی! اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس کے سامنے انبیاء بھی تھرتھراتے ہیں۔ وہ ہستیاں جو معصوم عن الخطا ہوتی ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا﴾ (الانبیاء: ۹۰)

’’وہ خوف اور امید کے ساتھ ہمیں ہی پکارتے تھے۔ ہم سے ہی ڈرتے تھے‘‘

ان انبیائے کرام کے معاملات کو دیکھیں کہ اللہ رب العزت نے اپنی بے نیازی کا اظہار ان کے ساتھ کیسے فرما دیا؟ ذرا توجہ فرمائیں! بندگی کے نظارے دیکھیں۔

.....سیدنا آدم علیہ السلام ایک چھوٹی سی بھول کی وجہ سے جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیے جاتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگتے ہیں۔

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الاعراف:۲۳)

.....دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے اہل کو طوفان سے بچالوں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کے سامنے، پانی کی موجوں میں غرق ہو گیا۔

﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ﴾ (ھود:۴۳)

موج آئی اور وہ غرق ہو گیا

اب نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

﴿إِنَّ ابْنِيْ مِنْ أَهْلِيْ وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ (ھود:۴۵)

اے اللہ! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا اور آپ کے وعدے سچے ہیں۔

اتنی بات کہی۔ ارشاد ہوا:

﴿يٰنُوْحُ إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ (ھود:۴۶)

وہ آپ کے اہل میں سے نہیں تھا اس کے عمل برے تھے۔

اور آگے فرمایا:

﴿إِنِّيْ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (ھود:۴۶)

''میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں والے عمل میرے سامنے نہ کیجیے''

حضرت نوح علیہ السلام فوراً معافی مانگتے ہیں: اے اللہ! معاف فرما دیجیے۔

﴿رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (ھود:۴۷)

انبیا علیہم السلام اس درجے پر فائز ہستیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو جانتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کو سمجھتے ہیں۔ اس لیے ڈرتے ہیں کہ کہیں اس مالک کی بے نیازی کی نظر اٹھ گئی تو پتہ نہیں پھر کیا انجام کر دیا جائے؟ ڈرتے ہیں۔

◉ ......سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیے کہ زندگی میں اپنی قوم کو اتنا کہہ دیا تھا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں، میں تمہارے ساتھ نہیں جاتا۔ اتنی سی بات پر بھی گھبرائیں گے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈریں گے۔ انکار فرمادیں گے کہ نہیں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں جاسکتا، ایسا نہ ہو کہ مجھ سے پوچھ لیا جائے۔

◉ ......سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھیے کہ ایک دشمن غلطی سے مکہ لگنے سے مر گیا تھا، معاف بھی کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ قیامت کے دن فرمائیں گے میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہیں ہو سکتا، میں اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرتا ہوں۔

◉ ......سیدنا یعقوب علیہ السلام کی تکلیف کو دیکھیں۔ ان کا بیٹا، پھول جیسا بیٹا، حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے باپ سے جدا کر دیا۔ روتے روتے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہو گئیں، بینائی چلی گئی۔

دیکھیے! حضرت یوسف علیہ السلام کو، اس لڑکپن کے اندر اللہ تعالیٰ نے کنویں میں ڈلوا دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مغرب کے قریب انہوں نے کنویں میں ڈالا تھا اور آگے رات کا اندھیرا آ گیا۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب اپنے والد کے پاس واپس آئے تو عشا کا وقت تھا:

﴿وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾ (یوسف:۱۶)

عشا کے وقت روتے دھوتے پہنچے تھے۔ اور سیدنا یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے، بچے تھے، اکیلے تھے، تنہائی تھی، اندھیرے کی وجہ سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب سحری کا وقت ہوا، اور تھوڑی تھوڑی روشنی نظر آنے لگی، تو حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک

امید نظر آئی کہ اندھیرا ختم ہو جائے گا اور میرا بھی کنویں سے نکلنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ تو انہوں نے دعا کی تھی، اے میرے اللہ! میری بھی مشکل کو آسان فرما اور انسانوں میں سے جتنے بھی مشکل میں گرفتار ہیں، سب کی مشکل کو آسان فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کو ایسے قبول فرمایا، آپ غور کیجیے! کوئی بیمار آدمی ہو، تہجد کے وقت اس کی بیماری کا لیول کم ہو جاتا ہے۔ اگر پریشان بندہ ہو تو تہجد کے وقت پریشانی کم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کو ایسا قبول کیا کہ صبح صادق کے اس وقت میں اللہ تعالیٰ ہر بندے کے کرب (غم) کو کم کر کے اس کو سکون عطا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو دیکھیے!

⊙ ......سیدنا زکریا علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے۔ ان پر بھی دنیا میں سر کے اوپر آرا چل رہا ہے (اللہ اکبر) اللہ! آپ اپنی عظمت دکھاتے ہیں۔ پیغمبر ہونے کے باوجود ان کے سر پر آرا چلایا گیا اور ان کے جسم کے دو ٹکرے کر دیے گئے۔

⊙ ......اور دیکھیے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی گردن کو کاٹا گیا۔

⊙ ......اور دیکھیے حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ کے اندر گرفتار فرما دیا۔

ذرا دیکھئے اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی۔ اگر ان ہستیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہے تو ہم تو بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کی نظر ہماری طرف اٹھ گئی تو ہمارا کیا بنے گا!؟

آج وقت ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لیں۔ وہ اتنا بے نیاز ہے۔ بلعم باعور پانچ سو سال اللہ کی عبادت کرتا رہا، مستجاب الدعوات تھا۔ ایک کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا:

﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ﴾ ...... (الاعراف:۱۷۶)

وہ تباہ ہوا، خواہشات کی پیروی کی، فرمایا: ہم نے پھٹکار دیا۔

﴿ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اس کی مثال کتے کی مانند ہے'' سوچتا ہوں کہ آخر انہوں نے پانچ سو سال عبادت کی تھی سجدے کیے تھے۔ اتنی عبادت کے بعد بھی اس کو آپ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: ایک کتے کی مثال تھی۔ ہمارے پاس تو یہ عبادتیں بھی نہیں، سجدے بھی نہیں، ہمارا کیا حال ہوگا؟

اب توبہ کر لیجیے......

آج وقت ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لیں اور اپنے رب کو منا لیں۔ میرے دوستو! اپنے رب سے ہم گڑگڑا کر معافی مانگ لیں کہ اے اللہ! ہم نے جو بھی گناہ کیے چاہے وہ ارادے سے کیے یا بغیر ارادے سے کیے۔ مگر آپ ہم پر مہربانی فرما دیجیے۔

اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ أَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ

''اللہ! آپ کی مغفرت ہمارے گناہوں سے بہت وسیع ہے''

وَرَحْمَتُكَ أَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ

''اور اپنے عملوں سے زیادہ میں آپ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں''

اللہ! ہمیں اپنے عملوں پر بھروسہ نہیں، آپ کی رحمت پر بھروسہ زیادہ ہے۔ اپنی رحمت کا معاملہ فرما دیجیے اور اللہ! اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف فرما دیجیے۔ رب کریم! ہم آج آپ کی بارگاہ میں سر جھکاتے ہیں۔ ہم نے بڑے گناہ کر لیے، ہم اس کا اقرار کرتے ہیں، مگر میرے مولا! آپ توبہ قبول کر لیجیے۔

ایک بزرگ کے پاس کوئی بوڑھا آیا تھا، تو ان بزرگوں نے کہا کہ تم نے آنے میں بڑی دیر کردی۔ بوڑھے نے جواب دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ﴾

بے شک اللہ پر لازم ہے ان لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا جو جہالت کی وجہ سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔

جب شہوت غالب ہوتی ہے، بندے کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ علما نے لکھا، جب غصہ آتا ہے تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ عقل والا بھی جاہل بن جاتا ہے، فرمایا:

﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ﴾ (النساء:١٧)

''پھر وہ قریب توبہ کر لیتا ہے''

مفسرین نے لکھا ہے کہ قریب کا مطلب ہے مرنے سے پہلے توبہ کر لیتا ہے۔ تو جب انہوں نے کہا: تو نے آنے میں بڑی دیر کر دی۔ بوڑھے میاں نے کہا: میرے رب نے فرما دیا موت سے پہلے توبہ کر لی تو اس نے قریب توبہ کی، دیر نہیں ہوئی۔ اگر بوڑھے نے بات کہی تو سچی بات کہی۔

اللہ! آج اس محفل میں ہم اپنی زندگی میں جیتے جاگتے آپ سے صلح کرتے ہیں، اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اے میرے مولا! ہم پر احسان فرما دیجیے اور ہمیں اپنے ان نیک بندوں کی محفل سے خالی نہ اٹھائیے۔ رب کریم! یہاں تو سب مل کے مانگ رہے ہیں، نیکوں کے صدقے ہم گناہگاروں کی بھی توبہ قبول کر لیجیے۔ میرے مولا! ہم ساحرانِ فرعون سے زیادہ آلودہ تو نہیں۔ وہ تو جادوگر تھے، ہم نے تو جادو بھی نہیں سیکھا، آپ کا ان پر احسان ہو گیا تھا، آپ ہم پر بھی مہربانی فرما دیجیے۔ اے اللہ! اصحابِ کہف کے کتے سے بدتر نہ کیجیے۔ اس کے ساتھ آپ نے جنت کا وعدہ فرما لیا، کہیں آپ ہمیں جنت سے محروم نہ کر دیں۔ میرے مولا! طور سینا کے ایک

درخت پر آپ کی تجلی پڑ گئی تو درخت میں سے آپ کی تجلیات کا ظہور ہوا۔ اے اللہ! ہمیں اس پتھر کی طرح ہی بنا دیجیے اور ہمارے دل کے پتھر پر بھی اپنی نظر ڈال دیجیے۔ اے اللہ! وہ حنانہ کا درخت جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں رو پڑا تھا، ہمیں اس سے زیادہ بے حس و حرکت نہ بنائیے کہ ہمارے دل اس محبوب کی محبت سے نا آشنا زندگی گزاریں۔ ہم پر رحمت فرمایے۔ آج کے اس وقت میں ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجیے۔ اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف کر کے ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے۔ اے اللہ! ہم سچی توبہ کرتے ہیں، معاف فرما دیجیے اور ہماری توبہ کو قبول فرما لیجیے۔ میرے مولا! ہم اتنا جانتے ہیں آپ ہی کا تو ایک دروازہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دروازہ نہیں۔

اللہ! ایک اندھا، ایک بوڑھا، مانگنے والا، لوگوں کے دروازے سے مانگتا مانگتا رب کے دروازے (مسجد کے دروازے) پر آ گیا تھا، جب صدا کا جواب نہ ملا، کہنے لگا: کس بخیل کا دروازہ ہے، جواب نہیں آتا؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ تو مسجد ہے، خدا کے گھر کا دروازہ ہے۔ تو اس اندھے نے اپنے پیالے کو توڑ دیا کہ میں اب رب کے دروازے پر آ گیا ہوں، اب مجھے غیر سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ! آج ہم بھی آپ کے دروازے پر آ گئے ہیں۔ ہم اور کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے، فقط آپ کی عظمتوں کو دیکھتے ہیں اور اپنے گناہوں پہ نادم ہیں۔ یا اللہ! مہربانی فرمایئے توبہ قبول کر لیجیے اور آج ہمیں ایک نئی زندگی عطا فرما دیجیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل:۹۷)

فقہ اور تصوف کی بنیاد

بیان: محبوب العلماء والصلحا

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: ۲۷ ستمبر ۲۰۰۵ء بعد نمازِ مغرب

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: گیارھواں سالانہ تربیتی نقشبندی اجتماع

اقتباس

یہ تصوّف کوئی عجمی چیز نہیں بلکہ خالص عربی چیز ہے۔ قرآن مجید میں اس کو تزکیہ اور احسان کے نام سے یاد کیا گیا۔ گو کہ وقت کے ساتھ ساتھ جب مشائخ نے اس پورے علم کی تدوین کردی اس کو مدون کیا تو اس کا نام تصوف مشہور ہوگیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم آج کل اعمالِ ظاہرہ کرتے ہیں ان کے علم کو فقہائے کرام نے نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن اور احادیث کے اندر سے اکٹھا کرلیا۔ یہ ہیرے اور موتی ہیں جو انہوں نے قرآن وحدیث میں سے نکالے ہیں۔ تو فقہا نے کوئی نئی چیز نہیں بنائی بلکہ انہوں نے شریعت کی باتیں ہی بتائی ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

فقہ اور تصوف کی بنیاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل:۹۷)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

تصوف وسلوک کی محنت:

جو کوئی بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، ہم اسے ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ ہر انسان کی چاہت ہوتی ہے کہ اسے طیب اور پاکیزہ زندگی نصیب ہو۔ اس زندگی کو اللہ رب العزت نے اعمالِ صالحہ کے ساتھ جوڑا ہے۔ اعمال کی رغبت اور شوق کسی بندے کے دل میں اتنی پیدا ہو جائے کہ وہ نیکی کے پیچھے اس طرح بھاگے جس طرح پیاسا آدمی پانی کے پیچھے بھاگتا ہے، جس طرح بھوکا آدمی روٹی کو تلاش کرتا ہے، یہ نیک اعمال کا موقع اس طرح تلاش کرے۔ اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے، اسی محنت کا نام تصوف وسلوک ہے۔

بیعت کا مقصد:

چنانچہ بیعت کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مرید اپنے دل میں یہ عہد کرے کہ میں اپنے شیخ کی بات مانوں گا، اتباع کروں گا اور پیر یہ عہد کرے کہ میں اخلاص کے ساتھ مرید

کی نگرانی کروں گا اور اس کو صحیح مشورے دوں گا۔ یہ شیخ اور مرید دونوں کے درمیان ایک عہد اور معاہدہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر شیخ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کے لیے تجویز کرے کہ کون سے معمولات اپنانے سے اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت پیدا ہوگی۔

قابلِ غور باتیں:

ایک بات پر غور کیجیے کہ جو معمولات بتائے جاتے ہیں ان میں مراقبہ، وقوف قلبی، درود شریف، استغفار، تلاوتِ قرآن اور صحبتِ شیخ ہے۔ اس میں نماز کا کہیں تذکرہ ہی نہیں۔ عام آدمی یہاں پر تھوڑا ڈگمگا جاتا ہے کہ دیکھو! اتنی نصیحتیں کیں، اتنے اعمال بتائے، ان میں نماز کا کہیں تذکرہ ہی نہیں۔ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر اس کو دوائیاں لکھ کر دیتا ہے، ان دوائیوں کا مقصد کوئی پیٹ بھرنا نہیں ہوتا۔ دوائیوں کا مقصد اس بندے کو تندرست کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب صحت مند ہوگا تو اسے پھر بھوک بھی لگے گی اور وہ خود بخود روٹی بھی کھائے گا۔ تو یہ معمولات بھی اسی طرح کی چیزیں ہیں۔ ان معمولات کے کرنے سے انسان کے اندر کے روگ ختم ہوتے ہیں، روحانی طور پر وہ صحت مند ہو جاتا ہے اور پھر خود بخود اس کو نیکی کا شوق مل جاتا ہے۔ ایک نماز ہی نہیں بلکہ وہ دین کے ہر حکم پر عمل کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے۔

شریعت، طریقت اور حقیقت:

تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں: شریعت، طریقت اور حقیقت۔

شریعت: وہ تمام کام کہ جن کو کرنے یا نہ کرنے کا مومن کو حکم دیا گیا، یعنی احکامِ تکلیفیہ کے مجموعے کا نام شریعت ہے، اس کو ہمارے مشائخ "مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَا عَلَيْهَا" کہتے ہیں۔

طریقت: اعمالِ باطنی پر استقامت پانے کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔

حقیقت: حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کا دل صاف ہوتا ہے اور اس پر اللہ رب العزت کی رحمتیں اور نور برستا ہے اور اس کو فراست ملتی ہے، نورِ ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے، تو صفائے قلب کی وجہ سے جو احوال منکشف ہوں، ان کو حقیقت کہتے ہیں۔

علمِ تصوّف علمِ فقہ کی طرح مدوّن ہے:

یہ تصوّف کوئی عجمی چیز نہیں بلکہ خالص عربی چیز ہے۔ قرآن مجید میں اس کو تزکیہ اور احسان کے نام سے یاد کیا گیا۔ گو کہ وقت کے ساتھ ساتھ جب مشائخ نے اس پورے علم کی تدوین کر دی اس کو مدون کیا تو اس کا نام تصوف مشہور ہو گیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم آج کل اعمالِ ظاہرہ کرتے ہیں ان کے علم کو فقہائے کرام نے نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن اور احادیث کے اندر سے اکٹھا کر لیا۔ یہ ہیرے اور موتی ہیں جو انہوں نے قرآن وحدیث میں سے نکالے ہیں۔ تو فقہا نے کوئی نئی چیز نہیں بنائی بلکہ انہوں نے شریعت کی باتیں ہی بتائی ہیں۔ بنانے میں اور بتانے میں بڑا فرق ہے، انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بنایا۔ جو شریعت میں موجود تھا اور ان تک ہر بندے کا دماغ نہیں پہنچ سکتا تھا انہوں نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے ان ہیروں اور موتیوں کو یکجا کر دیا۔ چنانچہ چار مذاہب سامنے آ گئے۔ اب دیکھیے! فقہ اور حدیث کی تدوین ہوئی اس میں وقت لگا یہاں تک کہ کھیر پک گئی، بعد والوں کا کام صرف اس کو کھانا بن گیا۔ یہی حال تصوف کا ہے کہ مشائخ وقت نے اس کی اصطلاحات اور اصول ضوابط کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اخذ کر کے اس کو باقاعدہ مدوّن کیا۔ چنانچہ چار سلاسلِ تصوف سامنے آئے۔

تدوینِ فقہ کیسے ہوئی؟

آج ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں، اس کو امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

منسوب کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس کام کی بنیاد انہوں نے رکھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیج ڈالا:

ہمارے اکابر نے کتابوں میں لکھا ہے بلکہ درِمختار او طحاوی نے بھی یہی لکھا ہے:

قَدْ قَالُوْا اَلْفِقْهُ زَرَعَهٗ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

''فقہ کا بیج عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ڈالا''

زَرَعَهٗ کا کیا مطلب؟

اَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ بِاِسْتِنْبَاطِ الْفُرُوْعِ

شریعت میں اصول تو موجود تھے لیکن ان میں سے فروع کا استنباط کرنا، مسائل کا اخذ کرنا۔

مثال:

مثال سن لیجیے! قرآن مجید کی ایک آیت ہے وضو کے متعلق، ہم اسے پڑھتے ہیں تو ہمیں اس کا ترجمہ مشکل سے سمجھ میں آتا ہے اور فقہا نے اس آیت سے ایک سو سے زیادہ مسائل کا استنباط فرمالیا۔ ایک چھوٹا سا بچہ تھا، عمیر اس کا نام تھا۔ اس نے ایک پرندہ پالا ہوا تھا، وہ مر گیا۔ جب کبھی وہ بچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تو آپ محبت اور شفقت میں اس بچے کو بلاتے اور فرماتے:

((يَا اَبَا عُمَيْرُ مَافَعَلَ النُّغَيْرُ))

''اے ابوعمیر! تیرے پرندے نے تیرے ساتھ کیا کیا؟''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو الفاظ تھے: يَا اَبَا عُمَيْرُ مَافَعَلَ النُّغَيْرُ اس میں سے میں نے چالیس مسائل کے جوابات کا استنباط کیا۔ مثلاً بچوں سے شفقت کیسے کرنی چاہیے؟، ان کو کیسے کنیت کے ساتھ بلا سکتے ہیں؟ اس طرح کے چالیس مسائل کا جواب انہوں نے اس چھوٹے سے فقرے میں سے نکال لیا۔

تو اصل میں یہ وہ ہستیاں تھیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے بارے میں شرح صدر عطا کیا تھا، نورِ فراست عطا کیا تھا اور اس کی وجہ سے انہوں نے ایک ترتیب بنا کر ہمارے سامنے پیش کر دی، جس کو تدوین کہتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو مدوّن کر دینا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی علمی شان:

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی علمی شان رکھتے ہیں۔ یہ چھٹے نمبر پر مسلمان ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے۔ ان کی پتلی پتلی پنڈلیاں تھیں، دیکھنے میں کمزور سے تھے، بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ تو تھے، بَسْطَةً فِي الْجِسْمِ نہیں تھے۔ آج کل کے عالم اور طالبعلم بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ ہوں نہ ہوں بَسْطَةً فِي الْجِسْمِ ضرور ہوتے ہیں، دیکھنے والا بھی محسوس کرتا ہے کہ واقعی بڑا بھاری عالم آرہا ہے۔ تو ان کی ان پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر کئی دفعہ دوسرے صحابہ مسکراتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: کہ ابنِ مسعود کی پنڈلیاں قیامت کے دن میزان کے اندر احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہونگی۔ یہ وہی صحابی ہیں کہ جنہوں نے ابوجہل کا سر کاٹا تھا۔ ابوجہل کو نیچے تو دو چھوٹے بچوں نے گرایا تھا مگر ان بچوں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ ان کی گردن کاٹ سکتے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھی، یہ بدری صحابی ہیں۔

چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی لیکن ان میں سے ایک سو انچاس ایسے تھے جو فقہا تھے اور دین میں فقاہت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی مسئلہ ہوتا تو باقی صحابی ان سے مسئلے پوچھتے یعنی وہ باقیوں کی نسبت زیادہ عالم تھے۔ اور ان ایک سو انچاس میں سے بھی چودہ حضرات اعلم کہے جاتے تھے، یعنی ان ایک سو انچاس میں سے بھی بڑے عالم کہے جاتے تھے۔ چنانچہ ان چودہ میں سے کسی کا قول سامنے آتا تھا تو باقی حضرات اپنے قول سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔ ان میں سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی نام آتا تھا۔ ان چودہ کا علم بھی چھ کے اندر سمٹ

گیا تھا۔ ان چھ میں نام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ بلکہ بعض فقہا نے تو لکھا کہ ان چھ کا علم بھی دو میں سمٹ آیا تھا، ایک سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو بھی علم تھا وہ صحابہ نے حاصل کیا اور صحابہ کی جماعت میں سے اللہ نے ان دو ہستیوں کو یہ امتیاز عطا فرما دیا تھا۔ چنانچہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے فقہ کا پہلے بیج ڈالا۔

علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانی دیا:

"وَسَقَاهُ عَلْقَمَةُ" اور اس کو علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے پانی دیا۔

یہ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے تھے مگر " وُلِدَ فِیْ حَیٰوۃِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم" (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں پیدا ہو گئے تھے) مگر چھوٹے تھے اس لئے صحابیت کا رتبہ نہ پا سکے۔ انہوں نے سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑا علم حاصل کیا۔ پانی دینے کا کیا مطلب؟ یعنی اَیَّدَهٗ وَ وَضَّحَهٗ انہوں نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کام کو مضبوط کیا اور زیادہ (Explain) واضح کر دیا۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کاٹا:

پھر فرمایا: "وَحَصَدَهٗ اِبْرَاهِیْمُ نَخْعِیْ" اور اس کو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کاٹا۔ کھیتی ایسے ہی ہوتی ہے نا، کوئی بیج ڈالتا ہے، پھر پانی دیتا ہے، جب کھیتی بن جاتی ہے تو پھر کوئی اسے کاٹتا ہے، تو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کاٹا۔ یہ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے۔ تو گویا انہوں نے اپنے ماموں کے تمام علوم کو حاصل کر لیا تھا۔ حَصَدَهٗ کا مطلب علما نے یہ لکھا ہے کہ جَمَعَ مَاتَفَرَّقَ مِنْ فَوَائِدِهٖ وَ نَوَادِرِهٖ کہ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے جتنا بھی کام کیا تھا اس متفرق کام کو انہوں نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ تو انہوں نے گویا کھیتی کاٹی۔

حماد رحمۃ اللہ علیہ نے گاہا:

پھر فرمایا: '' وَدَاسَهٗ حَمَّادٌ '' اور حماد نے اس کو بھوسی سے الگ کیا۔ جس کو پنجابی میں کہتے ہیں گاہنا۔ گندم کے سٹے ہوتے ہیں نا! اس کو تھریشر کرتے ہیں تو تھریشر کرنے کی وجہ سے اس کا بھوسہ ایک طرف اور دانے دوسری طرف ہو جاتے ہیں۔ یہ کام کس نے کیا؟ حماد نے کیا۔ دَاسَهٗ کا مطلب ہوگا '' اِجْتَهَدَهٗ فِيْ تَنْقِيْحِهٖ وَ تَوْضِيْحِهٖ '' اس کی توضیح اور تنقیح میں انہوں نے اجتہاد بھی کیا۔ یہ حماد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو مجھ سے اتنی محبت تھی کہ ایک مرتبہ وہ ایک سفر سے واپس تشریف لائے تو ان کے بیٹے نے ان سے پوچھا کہ ابو آپ کو سفر میں کوئی یاد آیا تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔ بیٹے نے پوچھا کہ ابو کون؟ تو انہوں نے فرمایا مجھے نعمان یاد آیا یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یاد آئے۔ سگے بیٹے کی بجائے اپنا ذی استعداد شاگرد اتنا عزیز تھا۔ اس لئے کہ وہ نطفہ کی اولاد تھا اور یہ ان کے سینے کی اولاد تھا۔ اس لیے جو روحانی بیٹے ہوتے ہیں وہ جسمانی بیٹوں سے کم پیارے نہیں ہوتے۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کر چلا ہوں

یہ جو شاگرد بنانے ہوتے ہیں ان پر انسان کی محنت لگتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَاصَلَّيْتُ صَلٰوةً اِلَّا اِسْتَغْفَرْتُ لَهٗ مَعَ وَالِدِیْ

'' میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر جہاں والدین کے لیے استغفار کیا میں نے اپنے استاد کے لئے بھی استغفار کیا ''

کیسے کیسے سچے شاگرد ہوتے تھے کہ کوئی دعا ایسی نہیں کی جس میں اپنے شیخ کے

لئے دعا نہ کی ہو۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیسا:

پھر اس کے بعد فرمایا: ''وَطَحَنَهٗ نُعْمَان'' نعمان نے اسے پیسا۔ نعمان بن ثابت جو کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔ ان کے دادا اسماعیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے بیٹے ثابت کو لے کر دعا کروانے گئے تھے۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دعا دی۔ اس دعا کے بدلے اللہ نے ان کو بیٹا دیا اور وہ بیٹا نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ بنا۔ وَطَحَنَهٗ نُعْمَانُ'' کا کیا مطلب؟ یعنی انہوں نے اس کو پیسا Grind کیا اور آپ کو پتہ ہے کہ پیسائی کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہوتا۔ طَحَنَهٗ کا مطلب علما نے لکھا:

''أَكْثَرَ اُصُوْلَهٗ وَ فَرَّعَ فُرُوْعَهٗ وَ اَوْضَحَ سُبُلَهٗ''

انہوں نے اس کے اصول کو اکٹھا کر کے زیادہ کر دیا

یعنی شریعت میں جو اصول فقہ موجود تھے۔ انہوں نے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ بلکہ اس کو بڑھا دیا یعنی اپنے پہلوں کے کام کو زیادہ کر دیا، اس راستے کو خوب واضح کر دیا۔ چنانچہ ان کے بارے میں لکھا گیا:

''فَاِنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْفِقْهَ''

وہ سب سے پہلے تھے جنہوں نے فقہ کو مدون کیا

''وَرَتَّبَهٗ اَبْوَابًا وَّكُتُبًا''

اور انہوں نے دینی علم کے ابواب اور کتب کو مرتب کیا

یہ کتاب العلم ہے، یہ کتاب الایمان ہے، یہ کتاب الطہارۃ ہے ایسا مرتب کیا کہ عَلٰی مَانَحْنُ عَلَیْهِ الْیَوْمَ کہ آج تک وہ اسی ترتیب کے اوپر موجود ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام:

اللہ رب العزت نے ان کو کیا علم دیا تھا کہ ان کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ جو کسی کی نہیں مانتے وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تو بڑا احترام کرتے ہیں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مَنْ اَرَادَ الْفِقْهَ فَلْيَلْزَمْ اَصْحَابَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ"

"جو چاہے کہ مجھے فقہ کا علم حاصل ہو اسے چاہیے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی صحبت کو لازم پکڑ لے"

یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر کہہ رہے ہیں:

وَ اللّٰهُ مَاصِرْتُ فَقِيْهًا اِلَّا بِكُتُبِ مَحَمَّدِ ابْنِ حَسَن

اللہ کی قسم میں فقیہ نہ بنتا اگر محمد بن حسن کی کتابیں نہ پڑھتا

گر محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے ان کے شاگردوں کی کتابیں پڑھ کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام بنتے ہیں تو ان کے استادوں کے علم کا کیا عالم ہوگا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے وقت کے ایک بڑے عالم نے فرمایا:

قَالَ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اَبِیْ رَجَاءٍ رَاَيْتُ مُحَمَّدًا فِی الْمَنَامِ فَقُلْتُ لَهٗ: مَافَعَلَ اللّٰهُ بِكَ ؟فَقَالَ غَفَرَلِیْ ثُمَّ قَالَ لَوْ اَرَدْتُ اَنْ اُعَذِّبَكَ مَاجَعَلْتُ هٰذَا الْعِلْمَ فِيْكَ فَقُلْتُ لَهٗ فَاَيْنَ اَبُوْ يُوْسُفَ قَالَ فَوْقَنَا دَرَجَتَيْنِ قُلْتُ فَاَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ هَيْهَاتَ ذَاكَ فِیْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ كَيْفَ وَقَدْ صَلَّى الْفَجْرَ بِوُضُوْءِ الْعِشَآءِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً

کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا میں نے ان سے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کر دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میں نے تمہیں عذاب دینا ہوتا تو میں یہ علم تمہارے سینے میں نہ ڈالتا۔ فرماتے ہیں میں نے امام محمد سے پوچھا کہ ابو یوسف کہاں ہیں؟ وہ ان کے ساتھی تھے، کلاس فیلو تھے، امام

اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔انہوں نے جواب دیا ہم سے بھی دو درجے اوپر ہیں۔میں نے پوچھا: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہاں ہیں؟ کہنے لگے وہ تو بہت اونچے ہیں، بہت اونچے ہیں دور کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ان کا مقام اعلیٰ علیین میں ہے کیوں نہ ہو کہ انہوں نے چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔

چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز:

اب اس بات پر ''جو کسی کی نہیں مانتے'' وہ بڑا اڑتے ہیں۔وہ خود کہتے ہیں کہ ہم کسی کی نہیں مانتے اس لیے ہم بھی ان کے لیے یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ وہ کسی کی نہیں مانتے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی؟ تو اس بات کو ذرا سمجھ لیجیے کہ جو بات کی جاتی ہے نا وہ عام طور پر عرف کے مطابق کی جاتی ہے۔

اب ذرا قرآن سے اس کی مثال سن لیں ملکہ بلقیس کے بارے میں فرمایا کہ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اور اس کے پاس ہر چیز تھی، ہر چیز اس کو دی گئی تھی۔اب آج کا کوئی نہ ماننے والا کہے کہ کیا اس کے پاس رولز رائس کی گاڑی تھی؟ تو اس کو کہیں گے کہ تیرا دماغ خراب ہے۔اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس زمانے میں بادشاہوں کے پاس جو کچھ ہوتا تھا وہ سب کچھ اس کے پاس موجود تھا۔اب کوئی ''کل'' کے لفظ کو پکڑ کر بیٹھ جائے کہ ''کل'' کا لفظ استعمال ہوا ''کل'' میں تو ہر چیز آتی ہے۔کیا اس کے گھر میں ایئر کنڈیشنر تھا کہ کل کا لفظ جو آ گیا ہے۔اس کو کہیں گے کچھ مسئلہ ہے تیرے ساتھ۔عرف میں باتیں کی جاتی ہیں اور ان کو قبول کیا جاتا ہے۔

اب دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ تورات کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ تَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ ﴾

ہر چیز کی اس میں تفصیل تھی۔ اب آج کا کوئی ڈاکٹر اس میں نسخے ڈھونڈنے لگ جائے کہ یہاں 'کل' کا لفظ آیا ہے کہ ہر چیز کی اس میں تفصیل تھی۔ اس کو کہیں گے بھائی وہ ہدایت کی کتاب تھی، لہٰذا انسان کو ہدایت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ تمام چیزوں اس میں بتا دیئے گئے تھے۔ اسی طرح اس بات کو پکڑ کر بیٹھ جانا کہ بھئی چالیس سال سے عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

اب میں اس کو ایک عام مثال سے سمجھاتا ہوں۔ ایک طالبعلم جب علم پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو وہ مدرسہ میں پڑھانا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی عمر مکمل ہو جاتی ہے اور وہ فوت ہو جاتا ہے۔ تو جب وہ فوت ہوتا ہے تو عرف میں ہم لوگ بات کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ اس نے پوری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزار دی۔ اب کوئی لفظ ''پوری زندگی'' پکڑ کر بیٹھ جائے کہ اس کا مطلب ہے کہ جمعہ کو بھی چھٹی نہیں کی تھی۔ اس کو کہیں گے کہ کوئی مسئلہ ہے تیرے ساتھ۔ تو جو نہیں مانتے کہ عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی تو ان بیچاروں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔

عرف میں ''چالیس سال'' کہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی زندگی کا معمول یہی رہا۔ اگر درمیان میں کبھی طبیعت خراب یا کوئی اور وجہ ہوئی بھی ہو تو بھی معمول وہی کہلائے گا۔ اب ایک آدمی کہتا ہے کہ فلاں آدمی کو پگڑی باندھنے کی عادت ہے تو کیا مطلب انہوں نے کبھی ٹوپی نہیں رکھی ہوگی۔ بھئی! عام عادت عمامہ باندھنے کی تھی کبھی ضرورت کے تحت اس نے ٹوپی بھی رکھ لی ہوگی۔ تو عرف میں جو باتیں کی جاتی ہیں ان کو اسی طرح قبول کر لیا جاتا ہے۔

اچھا اس کا ثبوت حدیث پاک سے دیتا ہوں۔ جنگ حنین میں جب مسلمان حملے کے لیے گئے تو دشمن چھپے بیٹھے تھے، انہوں نے اچانک تیر برسائے تو چونکہ یکدم یہ معاملہ پیش آیا تھا تو لوگ پیچھے بھاگے، تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی ﷺ آگے بڑھے اور فرمایا: اَنَا نَبِیٌّ لَا کِذْبَ اَنَا اَبْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ اب کوئی الفاظ پکڑ کر بیٹھ

جائے کہ بیٹے تو تھے عبداللہ کے اور نام لے لیا عبدالمطلب کا۔ تو کہیں گے کہ عرف میں دادا کا نام بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔

تو بہر حال اللہ نے ان کو ایسی زندگی دی کہ چالیس سال ان کا عبادت کا معمول یہ رہا کہ عشا کے وقت عبادت شروع کرتے تھے اور فجر تک کرتے رہتے تھے۔ "حَجَّ خَمْسًا وَّخَمْسِيْنَ حَجَّةً" انہوں نے اپنی زندگی میں پچپن حج کیے تھے۔ " وَرَاٰى رَبَّهٗ فِي الْمَنَامِ مِائَةَ مَرَّةً " اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں خواب میں اللہ تعالیٰ کی سو مرتبہ زیارت کی تھی۔

ایک مرتبہ وہ حج کے لیے گئے اور بیت اللہ کا جو کنجی بردار حاجب تھا اس کو کہا کہ بھئی دروازہ کھولو مجھے اندر جانا ہے۔ اس نے بیت اللہ کا دروازہ کھولا۔

فَقَامَ بَيْنَ الْاُبْوَيْنِ حَتّٰى خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا سَلَّمَ بَكٰى وَنَاجٰى رَبَّهٗ اِلٰهِيْ مَاعَبَدَكَ هٰذَا الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَهَتَفَ هَاتِفٌ مِنْ جَانِبِ الْبَيْتِ يَا اَبَاحَنِيْفَه قَدْ غَفَرْنَا لَكَ وَلِمَنْ اِتَّبَعَكَ مِمَّنْ كَانَ عَلٰى مَذْهَبِكَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

جو بیت اللہ کے دوست ہیں ان کے درمیان وہ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی حتی کہ انہوں نے دو رکعت کے اندر پورا قرآن مجید مکمل کر لیا۔ پھر جب انہوں نے سلام پھیرا تو روئے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کی، دعا کی۔

"اے اللہ! اس کمزور بندے نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا"

چنانچہ ہاتف نے آواز لگائی، بیت اللہ کے اندر سے ایک غیبی آواز آئی:

اے ابو حنیفہ! ہم نے آپ کی بھی مغفرت کر دی اور جو قیامت تک تمہارے علم کی، مذہب کی، اخلاص کے ساتھ پیروی کرے گا، ہم نے اس بندے کی بھی مغفرت فرما دی۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اس معاملے میں ہمیں شرح صدر ہے۔ جس کو پتہ ہوتا ہے اللہ

تعالیٰ کی عبادت کی لذت کا اس کے لیے رات جاگ کر گزارنا کوئی مشکل نہیں ہوتی۔
اس لئے تو کسی عارف نے کہا تھا۔

ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہ تھی
گر کچھ قصور تھا تو شبِ مختصر کا تھا

ان کو راتوں کے چھوٹا ہونے کا شکوہ ہوا کرتا ہے۔

علی ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقل کا آدھا روئے زمین کے لوگوں کی عقل سے موازنہ کیا جائے تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقل ان سب پر غالب آجائے۔ اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بال بچوں کی مانند ہیں۔

تو وہ ابوحنیفہ جس نے ان اصولوں کو جمع کیا اور پھر مجتہد فی الشرع کہلائے، انہوں نے اصول فقہ کو اکٹھا کرلیا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے گوندھا:

پھر فرمایا: وَعَجَّنَهٗ یَعْقُوْبُ (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا نام یعقوب تھا) ''پھر یعقوب نے اس آٹے کو گوندھا جس کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیسا تھا''۔ واجنہ کا مطلب

دَقَّقَ النَّظَرَ فِیْ قَوَاعِدِ الْاِمَامِ

انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قوائد میں دقیق نظری سے کام لیا۔

وَاجْتَهَدَ فِیْ زِیَادَةِ اِسْتِنْبَاطِ الْفُرُوْعِ مِنْهَا

اور اس میں جو فروعات تھیں انہوں نے ان میں استنباط کر کے ان کو اور زیادہ کر دیا۔

اس لیے ان کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے کہ اصول میں تو انہوں نے امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کی مگر اجتہاد میں انہوں نے برابر کا اجتہاد کیا۔

یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، اصل میں یتیم تھے۔ یوں سمجھیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو پالا تھا۔ ماں نے تو بھیجا تھا دھوبی کے پاس کپڑے دھونے کے لیے اور امام صاحب نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا اور ماہانہ تنخواہ دیتے تھے، جو یہ گھر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ اتنے بڑے عالم ہوئے کہ اپنے وقت کے امام بن گئے، تب ماں کو پتہ چلا۔ اللہ نے ان کو کتنا علم دیا؟ اس بارے میں خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

هُوَ أَفْقَهُ أَهْلَ عَصْرِهٖ وَلَمْ يَتَقَدَّمْهُ أَحَدٌ فِيْ زَمَانِهٖ وَكَانَ النِّهَايَةَ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكَمِ وَالرِّيَاسَةِ

وہ اپنے زمانے کے سب لوگوں میں سے زیادہ فقیہ تھے، ان کے زمانے میں ان سے علم میں کوئی بھی آگے نہ بڑھ سکا۔

اور ابو یوسف اپنے زمانے میں علم کی نہایت تھے۔ جیسے کہتے ہیں کہ وہ علم کا اخیر ہے۔ وہ اپنے زمانے میں فی العلم ان تمام کے اندر ان کا آخری کلام ہوا کرتا تھا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے روٹیاں پکائیں:

پھر اس کے بعد فرمایا:

وَخَبَزَهٗ مُحَمَّدٌ ''امام محمد نے پھر اس کی روٹیاں پکائیں''

جو آٹا گندھا ہوا تھا اس کی روٹیاں پکائیں۔ خَبَزَہٗ کا مطلب کیا کہ

زَادَفِيْ اِسْتِنْبَاطِ فُرُوْعٍ وَتَنْقِيْحِهَا وَتَهْذِيْبِهَا بِتَحْرِيْرِهَا حَيْثُ لَمْ تَحْتَجْ اِلٰى شَيْئٍ آخَرَ

''انہوں نے اس کی تنقیح وتہذیب میں اتنا کام کیا کہ ان کے بعد اس کام کے کرنے کی کسی اور کی ضرورت ہی نہ رہی''

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام:

جب روٹی پک جاتی ہے تو پھر کھانے کا ہی کام رہ جاتا ہے۔ چنانچہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے:

قَدْ ظَهَرَ عِلْمُهُ بِتَصَانِيْفِهِ كَالْجَامِعِيْنَ حَتّٰى قِيْلَ اِنَّهُ صَنَّفَ فِيْ عُلُوْمِ الدِّيْنِيَّةِ تِسْعَ مِائَةٍ وَّ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ وَمِنْ تَلَامِيْذِهِ الشَّافِعِي (مقدمۃ الرد علی الدر: ۱/۱۲۰-۱۲۷)

''ان کا علم ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے جیسے کہ جامعین (جامع صغیر، جامع کبیر، والمبسوط، والزیادات، والنوادر) یہاں تک کہ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے علوم دینیہ میں نو سو ننانوے کتابیں لکھی تھیں اور ان کے شاگردوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد تھے۔''

تو دیکھو اتنے بڑے حضرات جو بحر العلوم تھے، جبال العلوم تھے انہوں نے اس پر کام کیا اور کتاب وسنت میں سے ان تمام اصول وضوابط کو اکٹھا کر کے انہوں نے علم فقہ کو مدون کر دیا۔ لاکھوں مسائل، چھ لاکھ سے زیادہ مسائل کے جواب انہوں نے اپنی زندگی میں لکھ ڈالے تھے۔ کسی نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جو مسائل پیش ہی نہیں آتے آپ سوچ سوچ کر ان مسئلوں کا بھی جواب کیوں لکھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جب آگ لگتی ہے تو کنویں نہیں کھودے جاتے پہلے کے کھودے ہوئے کام آتے ہیں، ہم آج آئندہ پیش آنے والے مسائل کے جواب لکھ رہے ہیں تاکہ کل کسی کو کوئی مسئلہ پیش آجائے تو اس کو جواب پہلے سے لکھا مل جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ ایک رات کمرے میں گزاری تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے کاغذات کو پڑھتے رہتے پھر چراغ بجھا کر لیٹ جاتے، میں سمجھتا سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اٹھ بیٹھتے اور چراغ جلاتے، پڑھنے بیٹھ

جاتے پھر چراغ بجھا کر سو جاتے۔ میں نے دیکھا کہ ایک رات میں سولہ مرتبہ انہوں نے چراغ جلایا اور اپنی کتاب کو پڑھا۔ اب جو بندہ سولہ مرتبہ بستر سے اٹھے تو کیا وہ سویا ہوگا؟ میں سوچتا تھا کہ یہ کچھ پڑھ کر سو جاتے ہیں مگر حیرت اس بات پر ہوئی کہ جب فجر کا وقت ہوا تو انہوں نے اسی عشا والے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کتابوں کو پڑھتے تھے پھر اس پر غور خوض کے لئے ذرا Relax ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور چراغ بجھا دیتے تھے کیونکہ جب لکھنے کا کام ہی نہیں تو چراغ جلانے کا کیا فائدہ؟

کسی نے پوچھا کہ آپ رات کو سوتے کیوں نہیں؟ تو فرمانے لگے کہ میں اس لیے رات کو نہیں سوتا کہ لوگ ہم پر اعتماد کر کے میٹھی نیند سو جاتے ہیں، اگر ہم بھی سو جائیں تو پھر ان کو علم کے مسائل کا جواب کون دیا کرے گا۔

ہمارا کام روٹی کھانا ہے:

یقین جانیے کہ یہ حضرات ہمارے محسن ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں ہی آئندہ پیش آنے والے لاکھوں مسائل کے جواب لکھ کر ہمیں بتا دیے۔ آج ہمارا کام اسکے اوپر فقط عمل کرنا ہے یعنی پکی پکائی روٹی کھانا ہے۔ ہمیں چاہیۓ کہ ہم ان تمام حضرات کے لئے بلندی درجات کی دعا مانگا کریں۔

تصوف کی محنت قرآن وحدیث سے ثابت ہے:

تو جیسے فقہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سارا علم کھل کر سامنے آ گیا۔ اسی طرح تصوف وسلوک کا اور تدوین حدیث کا معاملہ پیش آیا۔ اب پوری تفصیل تو عاجز بتا نہیں سکتا، لہٰذا اتنی بات ضرور جان لیں کہ یہ تمام اصول وضوابط قرآن وسنت میں موجود تھے، وہیں سے ہمارے اکابرین نے ان کو یکجا کر کے ایک جگہ اکٹھا کر دیا، جس سے اللہ نے ہمارے لیے آسانی فرما دی۔ چنانچہ وقت کے ساتھ

ساتھ الفاظ کا استعمال بدلتا رہا ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ پہلے زمانے میں اس کو تزکیہ و احسان کہتے تھے، اور احسان تو عام طور پر مشہور تھا، آج تصوف کا لفظ مشہور ہوگیا تو کیا فرق پڑتا ہے؟

دیکھئے سب سے پہلے ''خلیفہ'' کا لفظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے استعمال کیا گیا، سب سے پہلے ''امیرالمومنین'' کا لفظ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال کیا گیا، سب سے پہلے ''قاضی القضاۃ'' یعنی چیف جسٹس کا لفظ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے لیے استعمال ہوا۔ ''وزیر'' کا لفظ ابوسلمی حفص کے لئے استعمال ہوا، ''سلطان'' کا لفظ سب سے پہلے محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے استعمال ہوا، ''صوفی'' کا لفظ سب سے پہلے ابوہاشم رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تھے، ان کے لیے استعمال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو ایسا قبول کیا کہ ان کے بعد یہ لفظ باقاعدہ استعمال ہی ہونے لگ گیا۔

اتنا تو مانیں کہ تصوف کی جو محنت ہے وہ واقعی کتاب وسنت میں سے نکلی ہوئی ہے۔ اگر آپ کو ''تصوف'' کی بجائے کوئی اور لفظ اچھا لگتا ہے تو آپ وہ کہنا شروع کردیں، ہمارا کوئی جھگڑا ہے؟ ہاں ان سے جھگڑا ضرور ہے جو کہتے ہیں کہ دل کی صفائی قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے۔

تصوف کی محنت کا مقصود:

کسی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سے پوچھا کہ تصوف کا مقصود کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا: ایسی محنت کرنا کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے، اس کو تصوف کہتے ہیں۔

اللہ کا وصل کیسے نصیب ہوتا ہے؟

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! مجھے اللہ تعالیٰ کا وصل کیسے مل سکتا

ہے؟ یعنی وصول الی اللہ مجھے کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ تو انہوں نے اس کو اجمالاً کہہ دیا:

زندہ کو مارو اور مردہ کو زندہ کرو، حاضر کو غائب کرو اور غائب کو حاضر کرو، دوست سے اجنبیت اختیار کرو اور اجنبی سے دوستی کرلو۔

اب سننے والا تو حیران ہوتا ہے کہ جی ہمارے تو کچھ پلے نہیں پڑا، کہنے والے نے کتنی گہری بات کی ہے؟۔ ان تین کاموں کی تفصیل سن لیجیے کہ تین کام کرلو گے تو وصل نصیب ہو جائے گا۔

فرمایا: ''زندہ کو مارو اور مردہ کو زندہ کرو'' کا مطلب ہے نفس زندہ ہے اس کو مردہ کرو اور دل مردہ ہے اس کو زندہ کرو۔ سبحان اللہ

''جو روبرو ہے اس کو پیچھے کرو اور جو پیچھے ہے اس کو روبرو کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ دنیا تمہارے روبرو ہے، اس کو پیچھے کرو اور آخرت تمہارے پیچھے ہے اس کو روبرو کرو۔ یعنی اُخروی نقطہ نظر سے زندگی گزارو۔

تیسرا فرمایا: ''دوست کو اجنبی بنالو اور اجنبی کو دوست بنالو''۔ شیطان سے تمہاری دوستی ہے اسی کی مان کر چلتے ہو، لہٰذا اس کو اجنبی بنالو اور جس کی نہیں مان کر چلتے وہ پروردگار تمہارے لیے اجنبی بنا ہوا ہے اس اجنبی سے دوستی کرلو۔

یہ تین کام کرلو تمہیں اللہ کا وصل نصیب ہو جائے گا۔

تین بنیادی باتیں:

اس عاجز نے جتنا وقت اپنے مشائخ کی صحبت میں گزارا تھا، ان کی زبان سے مندرجہ ذیل تین باتوں کی اہمیت کے بارے میں بہت زیادہ سنا۔ آپ بھی اگر ان باتوں کو اپنائیں گے تو اس نسبت کے نور کو جلدی حاصل کرلیں گے۔

(۱) کم کھانا:

پہلی بات ہے کم کھانا۔ دوسرے الفاظ میں بھوکا رہنا، یہ تصوف کی بنیاد ہے جبکہ

اسی پر آج عمل نہیں ہوتا۔ جتنی ہماری مصیبتیں ہیں، مثلاً آنکھ قابو میں نہیں، شہوانی خیال زیادہ آتے ہیں، تہجد میں آنکھ نہیں کھلتی، یہ سب زیادہ کھانے کی مصیبتیں ہیں۔ کم کھانے میں جو مزہ ہے ہم نے وہ لیا ہی نہیں۔ جبکہ رمضان آکر گزر جاتا ہے اس میں بھی ہم کم کھانے کے مزے نہیں لیتے۔ سحری میں اتنا کھا لیتے ہیں کہ الٹی آنے کو ہوتی ہے اور افطاری کے وقت تو ہم کھانے کے اوپر ایسے ٹوٹ پڑتے ہیں لگتا ہے آج میں نہیں یا یہ نہیں۔ رمضان میں بھی نہیں جانتے کہ بھوک کیا ہوتی ہے؟

بھوک کی فضیلت:

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بھوک کے فضائل گنوا رہے تھے۔ کسی نے حیران ہو کر کہا: حضرت...! بھوک کی بھی فضیلتیں ہیں؟ فرمایا: اگر فرعون کو بھوک آجاتی تو وہ خدائی کا دعویٰ کبھی نہ کرتا۔ جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو پھر بندے کو اپنی اوقات کا پتہ چلتا ہے کہ میں کیا ہوں۔ پھر خود ہی جھکنے کو دل کرتا ہے، عاجزی آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی آتی ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بہت بھوکا تھا، کئی دن کا فاقہ تھا اور بھوک کی وجہ سے میرے آنسو نکل آئے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: ابو ہریرہ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کتنے وقت سے کھانے کو کچھ نہیں ملا، اب بھوک برداشت سے باہر ہے، جس پر آنکھوں سے بے اختیار آنسو آگئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! رو نہیں، بھوکا رہنے والے کو قیامت کی سختی ہرگز نہ پہنچے گی، اگر بھوک میں ثواب کی نیت ہو تب۔ واہ میرے مولیٰ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک میں ثواب کی نیت کر کے مسئلہ صاف کر دیا۔ نگاہِ نبوت کو پتہ تھا کہ آنے والے وقت میں لوگ اپنے جسم کو خوبصورت بنانے کے لیے ڈائیٹنگ کریں گے۔

آج کل تو سلمنگ کلینک بن گئے ہیں اور لڑکیاں بھوکی رہتی ہیں، کچھ کھاتی نہیں مگر اتنی توفیق نہیں کہ روزہ ہی رکھ لیں۔ روزے کی توفیق نہیں ہوتی، ویسے کچھ نہیں

کھائیں گی کہ کہیں چربی نہ چڑھ جائے۔ اس میں ثواب تو ملے گا نہیں، بہتر ہے کہ سلمنگ کی بجائے روزوں کی کثرت کریں تاکہ ہمیں اللہ کی رضا بھی مل جائے اور دل کو نورانیت بھی نصیب ہو جائے۔

سب سے برے لوگ:

حدیث پاک میں آتا ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ آئیں گے جو رنگ برنگے کھانے کھائیں گے، طرح طرح کے مشروبات پئیں گے، قسم قسم کے کپڑے پہنیں گے اور خوب باتیں بنائیں گے، وہ میری امت کے سب سے برے لوگ ہوں گے۔

اس لیے ہمارے مشائخ نے لکھا کہ انسان کے دل میں جو نفسانی وسوسے آتے ہیں یہ شیطان کا بیج، شیطان کا تخم ہوتا ہے، اور پیٹ کو بھر لینا یہ اس کی زمین ہے اور جی بھر کر سونا یہ اس کو پانی پہنچانے کی مانند ہے۔ جو ڈٹ کر کھائے گا وہ جم کر سوئے گا، اس کی آنکھ کہاں کھلے گی بھائی؟ ایسی حالت میں تو فجر کے وقت آنکھ کھلنی مشکل ہوتی ہے تہجد میں تو بڑی دور کی بات ہے۔ عوام الناس کی بات نہیں کرتے آج تو طلبا کے لیے فجر کی نماز پڑھنی مشکل ہے۔ ہمارے اکابرین نے اس کی بنیاد ڈھونڈ لی کہ اصل وجہ پیٹ بھر کر کھانا ہے جس سے سستی طاری ہو جاتی ہے۔ استاد تقریر کر رہا ہوتا ہے اور یہ اس وقت غنودگی کے عالم میں سیر الی اللہ کر رہے ہوتے ہیں۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ انسان اپنی ضرورت کے بقدر اتنا کھائے جتنا اس کو ضروری ہے، اس لیے کہ جو انسان روٹی بالکل نہیں کھائے گا وہ بالآخر گولیاں کھائے گا۔ لہٰذا اتنا ضرور کھائے کہ ضرورت پوری ہو جائے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا جیسے عادتاً ہم کھاتے ہیں، یہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ انسان کی ضرورت بہت تھوڑی ہے چند لقمے بھی آپ کھالیں تو آپ پورا دن آرام سے گزار سکتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو انسان بیوی بچوں کے ساتھ مل کر کھانا کھائے

دستر خوان سمیٹنے سے پہلے اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ تو مردوں کو چاہیے کہ وہ گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ کھانا کھانے کی عادت ڈالیں مگر کھائیں اتنا جو انسان کی ضرورت کے لیے کافی ہو ایسا نہ ہو کہ انسان کی طبیعت میں سستی پیدا کر دے اور انسان عبادات سے محروم ہو جائے۔

بھوک کے دس فائدے:

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھوک کے دس فائدے لکھے ہیں۔

① دل کی صفائی ہوتی ہے۔

② دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ کچھ لوگ خطوط لکھتے ہیں کہ حضرت! رونا نہیں آتا تو وہ بھی ذرا اس پر غور کریں۔ ممکن ہے کہ دل میں رقت کے نہ ہونے کی وجہ کہیں ان کا ''پیٹ بھر کر کھانا'' نہ ہو۔

③ بھوکوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے۔

④ آخرت کی بھوک یاد آتی ہے۔

⑤ گناہوں کا زور ٹوٹتا ہے۔

⑥ نیند کم ہوتی ہے۔

⑦ عبادت میں چستی آتی ہے۔

⑧ بدن تندرست رہتا ہے۔

⑨ انسان کا تھوڑے میں گزارا ہو جاتا ہے

⑩ اللہ کے راستے میں خرچ و خیرات کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

دو ناپسندیدہ چیزیں:

اس لیے فرمایا ہے کہ دو چیزیں مباح ہیں مگر اللہ کو بڑی ناپسند ہیں۔ ایک پیٹ بھر

کر کھانا اور دوسرا بیوی کو طلاق دینا۔ یعنی شرعی عذر کے بغیر بیوی کو طلاق دینا یہ بھی اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا اگرچہ جائز ہے، مگر اللہ کو یہ بھی ناپسند ہے۔

مقامِ مناجات اور مقامِ ملاقات:

اب یہاں پر طلبا کے لئے ایک علمی نکتہ بیان کرتا ہوں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلامی کے لیے کوہ طور پر گئے تھے، چالیس دن انہوں نے وہاں گزارے اور ان کو چالیس دن بھوک محسوس ہی نہ ہوئی، لیکن جب خضر علیہ السلام کے پاس گئے تو راستے میں بھوک بھی لگی کہنے لگے:

﴿آتِنَا غَدَآءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ (الکہف:٦٢)

کیا فرق پڑا؟ توجہ فرمایئے علما نے لکھا ہے کہ طور پر جانا مقاماتِ مناجات تھا اور علم حاصل کرنے کے لیے سفر پر جانا مقاماتِ ملاقات تھا۔ تو ملاقات پر انسان کو اپنی حاجت محسوس ہوتی ہے اور مناجات کی کیفیت میں انسان کو اپنا آپ یاد ہی نہیں رہتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"عَبْدِيْ خَلَقْتُ الْاَشْيَاءَ لِاَجْلِكَ وَخَلَقْتُكَ لِاَجْلِيْ"

میرے بندے! میں نے سب چیزوں کو، تمہارے لیے پیدا کیا اور تجھے میں نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔

ایک حدیث پاک میں آتا ہے، فرمایا:

((يَا ابْنَ آدَمَ اُطْلُبْنِيْ تَجِدْنِيْ اِنْ وَجَدْتَنِيْ وَجَدْتَّ كُلَّ شَيْءٍ اِنْ فَاتَنِيْ فَاتَ كُلَّ شَيْءٍ وَاَنَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ))

"اے آدم کے بیٹے! تو مجھے طلب کر تو مجھے پالے گا، اگر تو نے مجھے پالیا تو نے ہر چیز کو پالیا اور اگر تو نے مجھے پانے سے محرومی حاصل کر لی تو ہر چیز سے محروم ہو گیا اور میں تمہارے لیے ہر چیز سے زیادہ بہتر ہوں"

ایک حدیث پاک میں آتا ہے:

عَبْدِیْ اَنْتَ تُرِیْدُ وَ اَنَا اُرِیْدُ وَ لَایَکُوْنُ اِلَّا مَا اُرِیْدُ

"ایک تیرا ارادہ ہے اور ایک میرا ارادہ ہے، ہوتا وہی ہے جو میرا ارادہ ہے"

((فَاِنْ اَسْلَمْتَ لِیْ فِیْ مَا اُرِیْدُ اَعْطَیْتُكَ مَا تُرِیْدُ فَاِنْ لَّمْ تُسَلِّمْ فِیْ مَا اُرِیْدُ اَتْعَبْتُكَ فِیْ مَاتُرِیْدُ وَ لَایَکُوْنُ اِلَّامَااُرِیْدُ))

(حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۳۲۵/۱۱)

"اور اگر تو وہ چاہے گا جو میرا ارادہ ہے تو میں تیرے ارادے کو بھی پورا کردوں گا اور اگر تو میرے ارادے کو نہیں مانے گا تو میں تجھے تھکا دوں گا اس میں جو تو چاہتا ہے اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا"

خالی پیٹ کی لذت:

اب ہم بھوک کی بات نہیں کرتے پیٹ کو خالی رکھنے کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔تو آپ پیٹ کو خالی رکھنے کی لذت پائیے، لہٰذا کوئی ایسا سالک نہیں جس نے کبھی بھوک کو محسوس ہی نہ کیا ہو اور وہ نسبت کا نور پالے اور اس کو چمکا لے۔ اگر آپ اپنے دل میں نور حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ راستہ اسی ذریعے سے طے ہوتا ہے۔اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس کا دنیا میں اکثر پیٹ بھرا رہتا ہے وہ قیامت کے دن خالی پیٹ کھڑا کیا جائے گا۔

(۲) تہجد کی پابندی:

نسبت کا نور حاصل کرنے کے لیے دوسری چیز جو ضروری ہے وہ ہے تہجد کا اہتمام۔سالک کو چاہیے کہ وہ تہجد کا اہتمام اس طرح کرے جس طرح ایک نیک آدمی فرض نمازوں کا اہتمام کیا کرتا ہے، جو وصول الی اللہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو وہ تہجد کا اہتمام اس طرح کرے جس طرح ایک عام نیک انسان پانچ نمازوں کا اہتمام

کرتا ہے۔

کہتے ہیں جی مجھے مراقبے کی فرصت نہیں ملتی، تلاوت چھوٹ جاتی ہے، تسبیحات چھوٹ جاتی ہیں، جس نے تہجد میں جاگنے کی پابندی کر لی اب صاف ظاہر ہے اس کو تہجد سے فجر تک سارے معمولات کرنے کا وقت مل جائے گا۔ تو تہجد کی پابندی کے لیے دوپہر کا قیلولہ بھی معاون ہوتا ہے اور رات کو جلدی سونا بھی ۔ اذکارِ مسنونہ، مسنون دعائیں پڑھنے سے بھی یہ آسان ہو جاتا ہے اور اگر پھر بھی اٹھنا مشکل ہو تو آلارم لگانا بھی معاون ہوتا ہے۔ اپنی طرف سے جو کچھ کر سکتا ہے وہ کر دے اور پھر معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی آنکھ نہ کھل سکی تو پریشان نہ ہوں، اس لیے کہ جو بس میں تھا وہ تو کر چکے، اب قدرت کی طرف سے توفیق اور منشا نہیں ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، جو اپنے بس میں تھا وہ تو کر لیا۔ تقدیری امور بھی تو ہوتے ہیں۔

لَیْلَةُ التَّعْرِیسِ میں نبی ﷺ سے فجر کی نماز قضا ہوئی، کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے قضا کروائی تاکہ امت کے سامنے قضا نماز کا مسئلہ واضح ہو جائے۔ تو تقدیری امر تھا اس لیے نبی ﷺ کو اس وقت کوئی افسوس نہیں ہوا۔ تو جب وہ سب کچھ کر لے جو کر سکتا ہے تو پھر پریشان ہونے والی بات نہیں ہوتی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم طالب مولیٰ بنیں، طالب کیفیات نہ بنیں۔

(۳) رابطۂ شیخ:

اور تیسری چیز ہے رابطۂ شیخ ہے۔ اس رابطے کو بڑھایئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق کے انعامات پایئے۔ چنانچہ ایک بزرگ عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو مفسرِ قرآن تھے اور اپنے وقت کے بڑے کامل شیخ تھے، وہ خود بتایا کرتے تھے کہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہتے ہیں کہ میں مدرسے میں پڑھاتا بھی تھا، تھوڑی دیر بعد میں

نے اجازت مانگی کہ حضرت میں نے مدرسے جانا ہے، شرعی عذر ہے کہ طلبا کے سبق میں ناغہ نہ ہو۔ تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا کچھ دن ہمارے پاس بھی ٹھہر جاؤ۔ مشائخ بھی چاہتے ہیں کہ ان کے پاس جو نعمت ہے وہ لوگ ان کی زندگی میں ہی حاصل کرلیں۔ حضرت نے کہا کہ تھوڑی دیر رک جاؤ۔ انہوں نے سوچا کہ اب چونکہ حضرت فرمارہے ہیں اس لیے میں مہتمم صاحب کو فون کردیتا ہوں کہ میرے سبق فلاں استاد پڑھادیں اور میں تین دن حضرت کے پاس رہ جاتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں تین دن حضرت کی خدمت میں رہا تنی اللہ نے برکت دی کہ میں لوٹ کر جب آیا تو تین سال متواتر ایک دن بھی تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی۔ تین دن کی برکت سے تین سال تہجد کی توفیق مل گئی، مگر کوئی رہے تو سہی، آج تو اللہ بچائے بدگمانیاں ہی ختم نہیں ہوتیں ؎

میری ہر نظر تیری منتظر
تیری ہر نظر میرا امتحان

؎ بات کو تولتے ہیں کہ یہ بھی سنت کے مطابق ہے، ہاں یہ بھی سنت کے مطابق ہے، تولتے تولتے زندگی گزار بیٹھتے ہیں اور جانے والے بالآخر چلے جاتے ہیں۔

آج وقت ہے:

ایک عالم حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انہوں نے دورۂ حدیث ان سے کیا تھا، انہوں نے ہمارے حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں دوسال حضرت کی موجودگی میں مسلم شریف پڑھائی، کبھی کبھی چاہتے بھی تھے کہ بیعت ہوجاؤں مگر بیعت نہیں ہوئے۔ حضرت کی وفات کے بعد موٹے موٹے آنسو گراتے ہوئے اس عاجز کے پاس آئے کہ میں وقت گزار بیٹھا، روز حضرت کا درس قرآن سنتا تھا، دوسال کوئی تھوڑا عرصہ تو نہیں ہوتا اور میں اسی سوچ میں رہا کہ ہاں اچھے ہیں، کامل ہیں، متبع سنت ہیں، اچھا درس قرآن دیتے ہیں، بڑی اعلیٰ بات کرتے ہیں اور اسی سوچ سوچ

میں ہی دو سال گزر گئے اور مجھے نہیں پتہ تھا کہ حضرت اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ کہنے لگے کہ آج میں سوچتا ہوں تو مجھے ان جیسی شخصیت پورے ملک میں نظر کوئی نہیں آتی، تو کئی بیچارے سوچ سوچ میں ہی وقت گزار بیٹھتے ہیں۔

یاد رکھنا کہ آج ہمارے جو مشائخ دنیا میں موجود ہیں فائدہ اٹھا لیں ورنہ کل ان جیسے بھی تمہیں نظر نہیں آئیں گے، یہ قحط الرجال کا دور ہے۔ آپ خود سوچیں کہ جو علما جا رہے ہیں کیا ان جیسا کوئی بعد میں نظر آتا ہے؟ اسی طرح جو مشائخ جا رہے ہیں بعد میں ان جیسے بھی نظر نہیں آتے۔ اس لیے آج وقت ہے کہ ان سے فائدہ اٹھا لیں۔

اللہ کی طلب میں لگنے والوں کے احوال:

تو اعمالِ صالحہ خوب کیجیے نیکی کر کر کے تھکیں اور تھک تھک کر نیکی کریں۔ معاذۃ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا اللہ کی ایک نیک بندی تھیں بہت عبادت کیا کرتی تھیں۔ ان کے خاوند ایک جہاد میں شہید ہو گئے تو انہوں نے اپنا دن اور اپنی رات اللہ کی عبادت میں لگا دیے۔ چنانچہ عشا کے بعد تھوڑی دیر سنت کی نیت کر کے سوتیں اور پھر یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوتیں کہ کیا پتہ آج آخری رات ہو اور وضو کر کے مصلے پر آتیں اور پوری رات مصلے پر گزار دیا کرتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسی طرح عبادت کر کے بیٹھی تھیں کہ انہوں نے اپنے شہید خاوند کو آنکھوں کے سامنے دیکھا جیسے عالمِ امثال میں کسی کی شکل نظر آتی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ جی آپ کیسے آئے؟ تو خاوند نے ان کو کہا (اللہ تعالیٰ نے خاوند کی شکل میں کوئی فرشتہ بھیجا، یا خاوند کی روح کو بھیجا، اللہ جانے کیا معاملہ بنا) تو عبادت کر کے تھک گئی ہے اور اب میں تجھے لینے کے لیے آیا ہوں۔ بس اتنے الفاظ کہے اور انہوں نے کلمہ پڑھا اور ملک الموت نے ان کی جان قبض کر لی، یوں انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

رابعہ بصریہ اللہ کی نیک بندی تہجد میں اٹھتی تھیں اور دو باتیں کیا کرتی تھیں۔ پہلی بات یہ کرتیں کہ اے اللہ! دنیا کے سب بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر دیے

تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے میں تیرے سامنے اپنا دامن پھیلاتی ہوں۔ اور دوسری بات یہ کرتیں کہ اے اللہ! جیسے آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دیا ہے شیطان کو مجھ پر مسلط ہونے سے بھی روک دیجیے۔

ایسے ہی مرد بھی ہوا کرتے تھے جن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اتنی عبادت کرتے تھے کہ جب رات کو سونے کے لئے بستر پر جاتے تو اس طرح تھکے ہوتے کہ پاؤں گھسیٹ کر چلتے تھے جیسے کہ تھکا ہوا اونٹ اپنے پاؤں کو گھسیٹ کر چلا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی ابوریحانہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ابوریحانہ بہت عرصہ جہاد میں رہے، بالآخر گھر آئے، عشا کا وقت تھا، بیوی سے بات ہوئی، ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ میں دو رکعت پڑھ لوں پھر آپس میں مل بیٹھیں گے، وقت گزاریں گے۔ دو نفل کی نیت باندھ لی اور قرآن پڑھنے لگ گئے اور قرآن پڑھتے پڑھتے ذہن سے ہی نکل گیا کہ آج میں گھر میں ہوں۔ حتی کہ جب معمول کے مطابق تلاوت کر کے سلام پھیرا تو فجر کا وقت قریب تھا۔ سلام پھیر کر بیوی کو دیکھا تو بیوی نے کہا: مَا لَنَا مِنْكَ مِنْ نَصِيْبٍ "کیا ہمارے لیے آپ کے پاس کوئی وقت نہیں تھا" تَعِبْتَ وَ عَبَّتَنِيْ "تو خود بھی تھک گیا اور مجھے بھی ساری رات انتظار میں تھکا دیا"۔ تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جب میں نے تلاوت شروع کی تو میرے ذہن سے خیال ہی نکل گیا کہ میں گھر میں ہوں اور تو میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔ واہ میرے مولیٰ! کیسی ان کو عبادت میں یکسوئی ہوگی۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر ہم نیچے والی منزل پر دو نفل پڑھ رہے ہوں اور کوئی تیسری منزل پر ہمارا نام لے تو ہمیں پھر بھی پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی تیسری منزل پر ہمیں یاد کر رہا ہے۔

ہمارے اعمال پلاسٹک کے پھول:

ایک بات ذرا غور سے سنیں، اگر کوئی روبوٹ بنا ہوا ہو اور وہ کسی کو پانی پلائے تو

کیا اسے ثواب ملے گا؟ نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ اس کے اندر احساسات اور کیفیات نہیں ہیں وہ مشین ہے۔ نکتہ کی بات سمجھنے کی کوشش کریں اگر ایک مشین کسی کو پانی پلاتی ہے۔ حالانکہ پانی پلانا نیکی کا کام ہے مگر چونکہ احساس سے خالی ہے اس لیے کوئی اجر نہیں ملتا۔ ایسا تو نہیں کہ آج ہم احساس سے عاری جو نمازیں پڑھ رہے ہیں کل قیامت کے دن ہمیں بھی کوئی اجر نہ دیا جائے، تمہاری زبان سے الفاظ تو نکل رہے تھے دل میں تو تمہارے کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ آج ہمارے اعمال پلاسٹک کے پھولوں کی مانند ہیں۔ ہم نے پلاسٹک کے پھول دیکھے اتنے **Real** نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ بالکل اصلی ہیں۔ بنانے والوں نے ان پر شبنم کے قطرے بھی بنا دیئے، کتنے صحیح نظر آتے ہیں لیکن ہوتے پلاسٹک کے ہیں۔ آج ہماری بغیر احساس والی نمازیں بھی ان پلاسٹک کے پھولوں کی مانند ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم جو نمازیں پڑھیں اللہ رب العزت کی محبت اور ان کے دھیان کے ساتھ پڑھیں تاکہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہمیں انعام مل جائے۔

نکتے کی تین باتیں:

نکتے کی تین باتیں یاد رکھیے گا۔

(۱) تسلیم و رضا:

پہلی بات تو یہ کہ سراپا تسلیم و رضا بن جائیں۔ کیونکہ سالکین کی کیفیت مختلف ہوتی ہے ؎

کسی پر خوف غالب ہو تو وہ رو رہا ہوتا ہے،
کسی پر امید غالب ہو تو وہ مسکرا رہا ہوتا ہے،
کسی پر طلب کا غلبہ ہو تو وہ بے چین ہوتا ہے،
کسی پر امید غالب ہو تو وہ پر سکون ہوتا ہے۔

یہ پھولوں کا گلدستہ ہے، اللہ نے کسی کو کسی حال میں رکھا ہے کسی کو کسی حال میں ۔لہٰذا محبت کا تقاضا یہ ہے کہ صاحبِ سکون اضطراب نہ مانگے اور مضطرب سکون نہ مانگے ۔اللہ نے جس حال میں رکھا ہوا پنے مولیٰ سے اسی حال میں راضی رہے ۔ سراپا تسلیم ورضا بن جائے تو اس راستے پر جلدی پرواز نصیب ہو جائے گی۔

(۲) مال وجمال سے بے اعتنائی:

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کے مال اور جمال کے فریب سے اپنے آپ کو بچالینا چاہیے۔اصل تو یہ اعمال ہیں جن سے انسان کی زندگی سنورتی ہے۔آج تو زندگیاں حسن وجمال کے پیچھے ضائع کر دیتے ہیں۔اس عاجز کے حساب میں شاید ننانوے فیصد لوگ تو عمر کا زیادہ حصہ اسی سوچ میں رہتے ہیں کہ میں نے دوسری شادی کرنی ہے۔ یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ اللہ نے بیوی بھی دے دی، اولاد بھی دے دی، سکون بھی دے دیا، اب میں نے اپنے رب کو منانا ہے۔یاد رکھیں حسن وجمال اور مال ومنال کے پجاری کبھی پرسکون زندگی نہیں گزار پاتے۔مال کی بات سن لیجیے۔

☆......ہشام بن عبدالملک نے انیس سال حکومت کی، حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ بڑھاپے میں بصرہ کی جامع مسجد کے دروازے کے قریب کھڑے ہو کر بھیک مانگا کرتا تھا۔انیس سال اقتدار کرنے والا جامع مسجد کے سامنے اللہ کے نام کی بھیک مانگتا تھا۔

☆......القاہر باللہ عباسی نے زندگی بادشاہی میں گزاری اور اس کا انجام بھی ایسا تھا کہ بازار میں چل کر لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔

☆......واثق باللہ بڑا جابر بادشاہ تھا، اس کی آنکھوں میں بڑا رعب تھا، اسکو دیکھ کر خوف آتا تھا، اپنے وقت کا ہیبت خان تھا۔جب فوت ہوا تو ابھی اس کا جنازہ قبرستان لے جانے کے لیے تیار کیا ہی گیا تھا کہ اس کے کفن کے اندر حرکت ہوئی، کسی نے

کہا کہ یہ کفن کے اندر حرکت کیسی؟ جب انہوں نے کفن کھولا تو کیا دیکھا کہ ایک چوہا ہے جو اس کے کفن کے اندر گھس گیا اور اس نے اس کی دونوں آنکھوں کو کھا لیا تھا، ادھر ہی سے سزا و جزا کا کام شروع ہو گیا۔

☆......سلمان بن عبد الملک بہت خوبصورت نوجوان تھا، اس کو شادیوں کا بہت شوق تھا۔ ایک وقت میں چار بیویاں رکھتا تھا اور ہر جمعہ کے دن ایک بیوی کو طلاق دے کر نئی بیوی سے نکاح کرتا تھا۔ جوانی ہی کے اندر پینتیس سال کی عمر میں اس کی وفات ہو گئی۔ جب اسکا جنازہ پڑھا گیا تو ابھی قبر میں دفن نہیں کیا تھا کہ لاش میں حرکت دیکھی گئی۔ جب لاش میں حرکت ہوئی تو بیٹا پوچھنے لگا کہ کیا میرے ابو زندہ ہیں؟ تو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پاس کھڑے تھے، کہنے لگے: زندہ نہیں عَجَّلَ اللّٰہُ بِالْعُقُوْبَۃِ اللہ نے تیرے باپ کو عذاب دینے میں جلدی کی ہے'' تو ایسی حسن و جمال اور مال و منال والی زندگی کے پیچھے لگ کر وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ؟ ؎

ہوئے مر کر ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

مر کر مر ہی جاتے تو اچھا تھا مگر کیا کریں
مر کر مرنا نہیں مر کر پھر زندگی ہے

(۳) طلب اور اخلاص:

تو نکتہ کی تیسری بات یہ ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ اپنا گوہرِ مقصود پانے میں کبھی محروم نہیں رہتا۔ لہٰذا اخلاص کے ساتھ اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایئے۔

☆......اس کی مثال قرآن عظیم الشان میں کچھ اس طرح سے بیان ہوئی ہے کہ

نبی ﷺ کے زمانہ میں کچھ سرداران، سلاطینِ قریش نبی ﷺ کی خدمت میں آئے۔ اور اللہ کے محبوب کو دل میں امید ہوئی کہ کیوں نہ میں ان کے سامنے اسلام کو پیش کروں اور اگر یہ اسلام کو قبول کر لیں گے تو کتنے اور لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے ان سے دین کی بات کرنی شروع کر دی۔ ادھر صحابہ میں سے ایک بوڑھے نابینا صحابی وہ بھی گھر سے چلے ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اللہ کے محبوب کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھوں کہ میں اللہ کے زیادہ قریب کیسے ہو سکتا ہوں؟ چنانچہ وہ بھی انابت الی اللہ اور محبتِ الٰہی دل میں لے کر چل پڑے۔ اللہ کے محبوب ﷺ چونکہ گفتگو فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے نابینا صحابی کے ساتھ ذرا توقف کا معاملہ فرمایا۔

دستور کی بات تو یہی ہے کہ ڈاکٹر کے پاس دو مریض ہوں ان میں سے ایک مریض کو کینسر ہو اور دوسرے کو نزلہ زکام ہو تو ڈاکٹر نزلے والے مریض سے کہے گا کہ بھئی تھوڑی دیر صبر کر لے، کیونکہ نبی ﷺ روحانی طبیب تھے، آپ جانتے تھے، اِدھر کفر و شرک کا معاملہ ہے یعنی کفر۔شرک کا کینسر ہے لہٰذا یہ زیادہ محتاج ہیں۔ اس لیے میں ان سے پہلے بات مکمل کر لوں، اور یہ تو ماشاء اللہ نزلہ زکام کا مریض ہے، اس سے پھر بات کر لوں گا۔ مگر اس طلب والے کے آنے کی طلب اللہ کو اتنی پسند آئی کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ محبوبانہ خطاب فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ○ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ○ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ○ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ○ وَهُوَ يَخْشٰى ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ○ (عبس:۱۰)

''ترش رو ہوئے اور منہ پھیر لیا، جب ان کے پاس ایک نابینا آیا، اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاک ہو جائے، یا وہ نصیحت پکڑے۔ تو اس کی نصیحت فائدہ

دے، لیکن وہ جو پروانہیں کرتا، سو آپ اس کے لیے توجہ کرتے ہیں، حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام نہیں، لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ڈر رہا ہے، تو آپ اس سے بے پروائی کرتے ہیں"

تو معلوم ہوا کہ طلب لے کر جو بندہ آتا ہے اللہ رب العزت کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے۔

☆......اچھا اور سنیے یہ تو مرد کی مثال تھی اسی طرح کا واقعہ ایک عورت کا بھی ہے اور عورت بھی کون؟ بوڑھی عورت! ان کی اپنے میاں کے ساتھ کوئی بات ہوگئی تو بڑے میاں کو غصہ آیا، انہوں نے کہا: اچھا آج کے بعد تو میری ماں کی مانند ہے، اب بڑھیا پریشان ہوگئی۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرے خاوند نے مجھے یوں کہہ دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ((حَرُمْتِ عَلَيْهِ)) "تو اس پر حرام ہوگئی" اب وہ پریشان ہو کر کہنے لگی: اے اللہ کے محبوب ﷺ! وہ میرے بچوں کا باپ ہے، فرمایا: ((حَرُمْتِ عَلَيْهِ)) "تو اس پر حرام ہوگئی" کہنے لگی: اے اللہ کے محبوب ﷺ اَفْنیٰ شَبَابِیْ "اب تو میری جوانی چلی گئی" یعنی میں بڑھیا ہوگئی اور اب تو میری دوسری زندگی کا کوئی معاملہ ہی نہ رہا، میرے تو سارے راستے بند ہو گئے، کون مجھے اپنائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ((حَرُمْتِ عَلَيْهِ)) "تو اس پر حرام ہوگئی"۔

اب اس کو چاروں طرف کہیں امید نظر نہیں آئی، جب بندے کی چاروں طرف سے امید ٹوٹتی ہے تو پھر اللہ کی رحمت اترتی ہے۔ جب اس نے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا۔ کہ اللہ کے نبی کی ہائی کورٹ نے تو فیصلہ دے دیا ((حَرُمْتِ عَلَيْهِ)) اب میں سپریم کورٹ کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ فَتَشْتَكِیْ اِلَى اللّٰهِ "اللہ کے سامنے اپنی فریاد پیش کی" اللہ میرا کیا بنے گا؟ میری زندگی کیسے گزرے گی؟ تڑپ کر اللہ کے سامنے فریاد کی جبکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں کہ جب تڑپ کر کوئی اس کو پکارتا ہے تو وہ ذات اس کا جواب ضرور دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی

طرف وحی نازل کی:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾

(المجادلۃ:۱)

''تحقیق اللہ نے سن لی بات اس عورت کی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کر رہی ہے اور اللہ سے شکایت کر رہی ہے''

فرمایا کہ اس کی دوا موجود ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلائے۔اب اس کی بیوی اس عمل کی وجہ سے دوبارہ اس کے لئے حلال ہو جائے گی اور یہ اس ظہار کا کفارہ ہو جائے گا۔تو اللہ رب العزت نے معاملے کو آسان فرمادیا۔

ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے باہر نکلے ایک بڑھیا گزر رہی تھی، اس نے کہا عمر! ایک وقت تھا تجھے عمیر کہا جاتا تھا، اب تو خلیفہ بن گیا لوگوں کے معاملات کا ذرا دھیان رکھنا، غفلت نہ کرنا اور امیر المومنین کھڑے سن رہے ہیں۔جب وہ بڑھیا چلی گئی تو کسی نے امیر المومنین سے کہا کہ اس بڑھیا کی اتنی جرأت کہ آپ کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہی تھی۔فرمایا: یہ وہ بڑھیا ہے جس کی فریاد اللہ نے عرش پر سنی تھی، عمر اس کی بات کو فرش پر کیسے نہ سنے۔تو معلوم ہوا کہ اخلاص کے ساتھ جو آتا ہے پروردگار اس کے خلوص کو قبول کر لیتے ہیں۔محترم سامعین آپ میں سے جو بھی دل میں اخلاص کے ساتھ اس مجلس میں آیا یقیناً اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو محروم واپس نہیں لوٹنے دے گا، ضرور عطا فرمائے گا۔

دو طرح کے بیج:

بیج دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک ہوتا ہے صحت مند بیج اور ایک ہوتا ہے سڑا ہوا۔ صحت مند کو زمین میں ڈالو تو اس میں سے پھل پھول نکلتے ہیں، درخت بن جاتا ہے۔

سڑے ہوئے کو زمین میں ڈالو تو بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کے اعمال کا حساب ہے، اخلاص والے اعمال پر اللہ تعالیٰ اجر وثواب کے پھل پھول لگا دیتے ہیں اور دکھاوے کے اعمال کے اجر وثواب کو اللہ تعالیٰ ختم فرما دیتے ہیں۔

دو طرح کے جانور:

اسی طرح جانور بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک پاک غذا کھانے والے جیسے گائے، بھینس، بکری، بھیڑ یہ سب سبزہ کھاتے ہیں، جو پاک ہے۔ اور ایک ہوتے ہیں مردار کھانے والے جیسے بھیڑیا اکثر مردار کھاتا ہے، غلیظ گوشت کھاتا ہے، بو والا گوشت کھاتا ہے، شیر کا بچا کھچا اس کے کام آتا ہے۔ تو جانور دو طرح کے کچھ پاکیزہ غذا کھانے والے اور کچھ مردار غذا کھانے والے۔

دو طرح کے انسان:

اسی طرح انسان بھی دو طرح کے ہوتے ہیں: کچھ انسان ہوتے ہیں جن کی خوراک پاکیزہ ہوتی ہے، ان میں تواضع ہوتی ہے، خدمت ہوتی ہے صلح، امن، سچ، محبت، خیر خواہی، دوسروں کی کامیابی پر خوش ہو جانا، دوسروں کی راحت پر اپنے آپ کو قربان کر دینا، یہ وہ انسان ہیں جو پاکیزہ غذا پر پل رہے ہوتے ہیں۔ اور کچھ دوسرے جو مردار، غلیظ غذا کھانے والے ہیں، جو مردار غذا کھانے والے جانوروں کی مانند غلیظ غذا پر پل رہے ہوتے ہیں۔ وہ غلیظ غذا کون سی ہوتی ہے؟ یعنی اس کے اندر انانیت، نمائش، تکبر، دوسروں کو ایذا پہنچانا۔ نفرت، عداوت، حسد، بغض، کینہ وغیرہ ہیں۔ اگر کسی کے اندر یہ خبیث جذبات موجود ہیں وہ سمجھ لے کہ میں بھی مردار جانوروں کی طرح خبیث غذا پر پل کر زندگی گزار رہا ہوں۔

فکر کی بات ہے کہ ہمارے اندر سے یہ تمام گندگیاں، خباثتیں کیسے دور ہوں گی۔ اس کے لیے آج ہم اس محفل میں اللہ تعالیٰ کے سامنے فیصلہ کر لیں کہ اللہ آج ہم نے

اپنے من کو دھونا ہے، صاف کرنا ہے

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

جیسے اللہ نے خبائث کو حرام کر دیا اور طیبات کو حلال کر دیا۔ آج ہم بھی ان خبیث جذبات کو اپنے اوپر حرام کر لیں اور اچھے جذبات کو اپنی غذا بنا لیں۔

ہم سے تو درخت اچھا:

ہم سے تو درخت اچھا ہے آپ نے دیکھا ہے کہ درخت کا کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اس کی اپنی ایک زندگی ہوتی ہے، کسی سے الجھاؤ نہیں، ٹکراؤ نہیں، حسب امید پھل دیتا ہے، ہر سال پھل دیتا ہے، پھر دوست ہو یا دشمن سایہ سب کو دیتا ہے۔ پھر اس کا سب کچھ اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً انسانوں کے لیے آکسیجن خارج ہے، خوشبو دیتا ہے، پھل دیتا ہے، پھول دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کے پتے اور شاخیں بھی انسانوں کے لیے ہوتی ہیں۔ خود کو دوسروں کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔ کاش کہ ہم بھی اپنا سب کچھ دوسرے اللہ کے بندوں کے لیے قربان کر دیتے۔ ہمیں تو توفیق نہیں ہوتی۔ ایسے بھی خاوند ہیں کہ گھر میں ان کو مسکرانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایسی بھی بیویاں ہیں، ایسی سڑی ہوئی ہوتی ہیں کہ خاوند کے سامنے مسکرانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ لوگ چونکہ اپنے معاملات سناتے رہتے ہیں اور ہمیں حالات کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ اخلاق والی زندگی گزارنا سیکھیں، یہ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر رنجشیں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں ان کو رنجشیں نہ بنایا کریں۔

مقصود کو نہ بھولیں:

حالات سے بالاتر ہو کر سوچا کریں۔ اچھا اگر کسی سائنسدان کے پاس آلہ ہو اور وہ بتا دے کہ ابھی تھوڑی دیر میں زلزلہ آنے والا ہے اور ادھر اس کو نزلہ بھی تھا، زکام بھی تھا، تو اب اس کو نزلہ زکام یاد رہے گا یا وہ زلزلہ کی وجہ سے پریشان ہو جائے گا؟

جب زلزلہ کا خطرہ اس پر غالب آجائے گا تو اس کو دردِ سر بھول جائے گا، دانت کا درد بھول جائے گا، وہ خالی پیٹ تھا بھوک کو بھول جائے گا۔ انبیائے کرام کا بالکل یہی معاملہ ہوتا ہے۔ قیامت کا زلزلہ ان کے سامنے اتنا کھل کر آچکا ہوتا ہے کہ دنیا کے یہ چھوٹے موٹے تقاضے ان کی نظر سے دور ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ تم آخرت کو یاد رکھو! دنیا کے چھوٹے موٹے معاملات کو جھگڑا بنا کر نہ بیٹھو! ان کو سلجھاؤ! اس لیے کہ تم نے قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

جیسے ایک درجن انڈے ہوں جو دیکھنے میں تو سب اچھے ہیں، لیکن جب ان کو توڑا جائے تو کچھ صحیح نکلیں اور کچھ خراب۔ اسی طرح ہم ان انڈوں کی مانند ہیں دیکھنے میں سب انسان ہیں، جب قیامت کے دن اندر کو کھولا جائے گا پھر پتہ چلے گا اچھا کون تھا اور خراب کون تھا۔ تو ہم اللہ رب العزت سے دعا مانگا کریں کہ رب کریم ہمیں نیکی کے اعمال اپنانے اور نیکی میں قدم بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

استقامت کی ضرورت:

چھوٹے چھوٹے حالات سے متاثر ہو کر جھگڑ پڑنا، یا اعمال سے محروم ہو کر بیٹھ جانا یہ اچھا نہیں ہوتا۔ پوچھتے ہیں تلاوت کیوں نہیں کی؟ او جی بس کاروباری پریشانی ہے۔ تہجد کیوں نہیں پڑھی؟ او جی بس بیوی سے ان بن ہو گئی تھی۔ حالات سے بالاتر ہو جائیں، خوشی ہو یا غمی ہو ہم نے اپنے معمولات کو کرنا ہے۔ ہم نے اپنے مولیٰ کی خاطر رات کو تہجد کے لیے اٹھنا ہے۔ جب اس استقامت کے ساتھ اعمال کریں گے تو پھر دیکھیں اللہ کی رحمت کیسے برسے گی۔ اسی وجہ سے آج کا مسلمان ذرا سی بات پر مایوس ہو جاتا ہے۔ جی مشرق میں یہ ہو گیا اور مغرب میں یہ ہو گیا اور فوراً مایوس ہو جاتے ہیں۔ او جی اللہ تعالیٰ ہماری مدد ہی نہیں کرتے، اندازہ کیجیے! خدا سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی خطیب نے فرمایا تھا کہ آج ہم زلزلوں سے ڈرتے ہیں اور کبھی

ہماری ذات سے عالم میں زلزلے پیدا ہوا کرتے تھے۔آج ہم اندھیروں سے کانپتے ہیں حالانکہ ہمارا وجود ایک وقت دنیا میں اجالا کیا کرتا تھا۔یہ بادلوں کی سیر کیا ہے کہ ہم نے بھیگ جانے کے ڈر سے اپنے پائنچے چڑھا لیے۔وہ ہمارے ہی اسلاف تھے جنہوں نے سمندروں کے سینوں کو چیر کر رکھ دیا، پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا، بجلیاں کوندیں مسکرا دیئے، بادل گرجے تو ہنس کر جواب دیا، بادِ صرصر اٹھی تو رخ پھیر دیا، آندھیاں آئیں تو ان سے یہ کہا کہ تمہارا یہ راستہ نہیں ہے

قوتِ تعمیر تھی کتنی خس و خاشاک میں
آندھیاں چلتی رہیں اور آشیاں بنتے رہے

آندھیاں بھی چل رہی تھیں اور وہ اپنے آشیانے بھی بنا رہے تھے، اسی لیے حالات جیسے بھی ہوں ہم اپنے معمولات کبھی نہ چھوڑیں۔اپنے مولیٰ کے سامنے پابندی کے ساتھ مراقبے میں بیٹھیں، نبی ﷺ پر پابندی و استقامت کے ساتھ درود شریف پڑھیں۔

تلواروں کے سائے میں معمولات:

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے جو تسبیحات فاطمہ بتائی تھیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ کرنی شروع کردیں تو فرماتے تھے کہ میں نے ساری عمر وہ تسبیحات کیں۔کسی نے کہا کہ جنگ صفین کے دن جب آپ کے اوپر عجیب حالات تھے تو کیا آپ نے اس دن بھی پڑھیں؟ فرمایا: میں نے اس رات بھی تسبیحات فاطمہ کو قضا نہیں ہونے دیا۔یہ استقامت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اعمال میں ایسی استقامت عطا فرمائے۔

فرصت کیسے نہیں ملتی؟

آج ہم کہتے ہیں کہ فرصت نہیں ملتی۔فرصت کیسے نہیں ملتی؟ میرے بھائیو!

ماں گھنٹوں اپنے بیٹے کی تعریفیں کرتی رہتی ہے اور اسے وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا، بیوی گھنٹوں شوہر کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ اگر خوش ہے تو تعریفیں کرے گی، اگر اس سے ناراض ہے تو غیبت کرے گی، مگر گھنٹوں گزار دے گی اور شوہر صاحب گھنٹوں اپنے بزنس کی باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا ہم ایک گھنٹہ اللہ رب العزت کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں نہیں کر سکتے؟ ہم کہتے ہیں: جی مراقبے کا وقت نہیں ملتا، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے مجنوں کہے کہ مجھے لیلیٰ کو یاد کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا تو پھر کیا کہیں گے؟ کیسا مجنوں ہے؟ آج کے دور کے سالکین بھی ایسے ہی ہیں۔ کہتے ہیں جی مراقبے کی فرصت نہیں ملتی، کیوں نہیں ملتی فرصت؟ راہ چلتا مسافر راستہ پوچھنے کے لیے آپ سے وقت مانگے جناب دو منٹ دے دیں، آپ پانچ منٹ نکال لیں گے؟ تو اس کے لیے تو وقت نکال لیں گے، لیکن اللہ رب العزت کے سامنے مراقبہ کے لیے پانچ منٹ بھی نہیں ملتے؟

تو معمولات کو پابندی سے کیجیے عہد کیجیے کہ آج کے بعد ہم اپنے معمولات کو قضا نہیں ہونے دیں گے۔ جب اس طرح پابندی سے مراقبہ کریں گے پھر دیکھیے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے کیسے رحمتیں آتی ہیں!

احساسِ ندامت کی برکت:

ایک نکتے کی بات یہ بھی سن لیجیے کہ جو شخص گناہ کو گناہ سمجھے اور اپنے آپ کو مجرم سمجھے اس کو زندگی میں کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اس احساسِ ندامت کی اتنی برکت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں:

((عَبْدِیْ اِنْ ذَکَرْتَنِیْ ذَکَرْتُکَ وَاِنْ نَسِیْتَنِیْ ذَکَرْتُکَ))

''اگر تو نے مجھے یاد کیا تو میں تجھے یاد کروں گا اور اگر تو مجھے بھول بھی گیا تو میں تجھے پھر بھی یاد کرونگا''۔

تو مجھے یاد کرتا ہے میں تجھے یاد کرتا ہوں اور میرے بندے تو مجھے بھول بھی جاتا ہے تو میں پروردگار پھر بھی تجھے یاد کر رہا ہوتا ہوں۔ وہ پروردگار اتنا کریم ہے۔

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دفعہ بارش بند ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پوری قوم کو لے کر بارش کی دعا کرنے کے لیے آئے، سارا دن دعا مانگی بارش کے آثار تک ظاہر نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے بہت فریاد کی: اے اللہ! آخر بارش نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ رب کریم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِيكُمْ رَجُلاً يُبَارِزُنِيْ مُنْذُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً

اس مجمع میں ایک بندہ ہے جو چالیس سال سے گناہوں کے ذریعے مجھ سے جنگ کر رہا ہے، میری نافرمانی کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے میں بارش نہیں برسا رہا۔ جب یہ بات سنی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو جلال والے تھے، کھڑے ہوئے اور آپ نے پوری قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

مَنْ عَصَاهُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً

''کون ہے وہ جو چالیس سال سے رب کی نافرمانی کر رہا ہے''

مجمع سے کوئی نہیں اٹھا، مگر بارش ہونے لگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حیران ہوئے۔ یا اللہ! مجمع میں سے کوئی اٹھ کر بھی نہیں گیا اور آپ نے بارش بھی برسانی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کی وجہ سے بارش روکی ہوئی تھی اسی کی وجہ سے بارش برسا دی۔ اے مولیٰ! وہ کیسے؟ فرمایا: جب آپ نے اعلان کر دیا تو میرے گنہگار بندے نے اپنے دل میں کہا: اے پروردگار! میں اپنے گناہوں پر بہت نادم ہوں، شرمندہ ہوں۔

يَارَبِّ عَصَيْتُكَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاحْلِمْتَنِيْ فَجِئْتُكَ تَائِبًا فَاقْبَلْنِيْ

اے اللہ! میں نے چالیس سال آپ کی نافرمانی کی آپ نے میرے بارے میں بردباری سے کام لیا۔ مجھے رسوا نہ کیا، مجھے عذاب نہ دیا، آپ نے میرے بارے

میں حلم سے کام لیا۔اے میرے اللہ ! آج میں توبہ کررہا ہوں ،میری توبہ کو قبول کرلے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول کرکے بارش برسادی۔فرمایا:

عَبْدِیْ ! اَعْرِضْ عَنِّیْ وَاَنَا مُقْبِلٌ اِلَیْہِ

''اے بندے تو مجھ سے اعراض کرتا ہے اور میں تیری طرف متوجہ ہو جاتا ہوں''

تو کب میری طرف آئے گا؟ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر آج اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرلیں۔

محبت نادانی کا کفارہ ہے:

آپ نے اپنے گھروں میں دیکھا ہوگا کہ کئی مرتبہ ایک چھوٹا بچہ، دودھ پیتا بچہ اپنی ماں کے چہرے پر تھپڑ لگا دیتا ہے۔حالانکہ یہ تھپڑ لگانا قابلِ سزا جرم تھا مگر ماں اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیتی ہے۔کیوں ایسا ہوتا ہے؟ اس لیے کہ ماں سمجھتی ہے، نادان ہے لیکن محبت مجھ سے ہی کرتا ہے۔میرے سوا کہیں جاتا بھی تو نہیں، اگر کوئی اسے مجھ سے دور لے جائے تو رونا بھی تو میرے لیے ہے، تڑپنا بھی میرے لیے ہے، جب تک میرے سینے سے آکر چمٹ نہ جائے اسے آرام نہیں آتا۔لہٰذا اس بچے کی محبت کے یہ اعمال ماں کو اتنا خوش کرتے ہیں، اگر کبھی بچہ قابلِ سزا عمل بھی کرلیتا ہے تو ماں پھر بھی معاف کردیتی ہے الٹا ہاتھ کو چوم لیتی ہے۔معلوم ہوا جو انسان اپنے رب سے محبت کرے گا، اس کی عبادت کرے گا، تلاوت کرے گا، تہجد میں فریادیں کرے گا، ربِ کریم جانیں گے کہ مجھ سے محبت کرنے والا بندہ ہے۔اگر بالفرض بتقاضۂ بشریت گناہ کر بھی بیٹھے گا پروردگار سزا دینے کی بجائے اپنے بندے کی غلطی کو نادانی سمجھ کر بالآخر معاف کردیں گے۔کاش کہ ہم اپنے رب کو راضی کرلیتے۔

اللہ کی رحمت کا بھروسہ:

اس رب کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ میرے دوستو! جب ہم دامن پھیلائیں گے کبھی بھی اس کی رحمت سے خالی نہیں جائیں گے۔ ایک اللہ والے تھے، تیزی سے مسجد کی طرف چل رہے تھے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو پچھلی صف میں سکون سے بیٹھ گئے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! جب آپ مسجد کی طرف آرہے تھے اتنا تیز تیز چل رہے تھے جب مسجد میں داخل ہو گئے تو پچھلی صف میں آرام سے بیٹھ گئے۔ فرمانے لگے: جب مسجد کی طرف چل رہا تھا تو دل میں یہ ڈر تھا کہ کہیں نیکوں کی یہ محفل برخاست نہ ہو جائے اور میں غیر حاضر نہ شمار کر لیا جاؤں، اس لیے اللہ کی رحمت کو پانے کے لیے تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا۔ لیکن جب میں مسجد میں داخل ہوا تو میں پیچھے ہی بیٹھ گیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکی رحمت کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ اگر وہ اگلی صف کے سب لوگوں کو عطا کر دے تب بھی خزانے ختم نہیں ہوں گے۔ مجھے بھی ان شاء اللہ رحمت میں سے حصہ مل کر رہے گا۔

تو اللہ کے بندوں کو اللہ کی رحمت پر اتنا بھروسہ ہوتا ہے، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے بیٹھیں، اے مولیٰ! اگر آپ نے ہمیں یہاں پہنچا دیا سارے تو گنہگار نہیں، کچھ ایسے بھی ہوں گے جو پاکیزہ زندگی گزارنے والے ہوں گے۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو تہجد کے وقت میں آپ سے مناجات کرنے والے ہیں۔ اے اللہ اگر ہم قابل نہ بن سکے تو اپنے ان مقبول بندوں کی خاطر ہماری حاضری کو قبول کر لیجئے اے مولی ہم صلح کرنے کے لئے حاضر ہو گئے ہیں ہم آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں اللہ ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے اور ہماری توبہ کو قبول کر لیجیے۔

بے سہاروں کا اللہ سہارا:

یاد رکھیں جب بندہ تڑپ کر کوئی بات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کی عاجزی کو

قبول فرما لیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے اللہ کے سوا میرا کوئی سہارا نہیں، اللہ کے سوا میرے اس معاملے کو حل کرنے والا کوئی نہیں، میری ضرورتوں کو پورا کرنے والا کوئی نہیں، اس لیے کہ بے سہاروں کا سہارا وہی پروردگار ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ایک عجیب قصہ آتا ہے: ایک صحابی تھے بشیر رضی اللہ عنہ، انہوں نے اپنے والدین کے ہمراہ ہجرت کی، بچے تھے، ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ مدینہ میں ان کی والدہ فوت ہو گئیں، والد باقی رہ گئے۔ اتنے میں جہاد کا زمانہ آیا، اب ان کے والد بھی جہاد میں شہادت کا شوق لے کر چلے گئے۔ یہ پیچھے اکیلے تھے، ہمسائے کے گھر میں کچھ وقت گزار لیا کرتے تھے، ماں پاس تھی نہ باپ، چھوٹے سے بچے تھے ابھی۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ والد بھی اس جہاد میں جا کر شہید ہو گئے۔ اب مسلمانوں کا لشکر جب واپس آنے لگا، مدینے کے لوگ اپنے اپنے عزیز واقارب کے انتظار میں تھے۔ یہ بچہ بھی مدینہ سے باہر نکلا، ایک چٹان کے اوپر اپنے باپ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ سب مجاہد آ رہے ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں، علی رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں مگر ان کا باپ نظر نہ آیا حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے نبی بھی آ گئے مگر میرے والد تو نہیں آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ابو کب واپس آئیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر کا چہرہ دیکھا، معصوم چہرہ، ماں نہیں تھی اور باپ بھی شہید ہو گیا اللہ کے محبوب کا دل تڑپ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا: بشیر! تو اپنے باپ کو یاد کر رہا ہے۔

((یَابَشِیْرُ اَمَا تَرْضٰی اَنْ یَّکُوْنَ عَائِشَۃُ اُمَّکَ وَ اَنَا اَبُوْکَ))

''کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ آج کے بعد عائشہ تیری ماں بن جائے گی اور میں تیرا باپ بن جاؤں گا؟''

بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اللہ نے میری مراد عطا فرمائی۔ تو سوچیے کہ جو بے سہارا

ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو اس کا سہارا بنا دیا کرتے ہیں۔ آج ہم اللہ کے سامنے اپنے دامن پھیلا کر کہیں کہ پروردگار ہم نے دردر کے دھکے کھالیے گناہوں کی وجہ سے، ہم نے جوتیاں چٹخائیں مگر ہمیں کہیں سکون نہ ملا۔ اے اللہ! آج ہم آپ کے در پر حاضر ہوئے ہیں سکون کی تلاش میں ۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرمِ خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

اے اللہ! آج میں اپنے گناہوں کی سچی معافی مانگنا چاہتا ہوں اے اللہ! میری توبہ کر قبول کر لیجیے اور اے اللہ! مجھے اپنی طرف سے برکتیں عطا فرما دیجئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان:

چنانچہ تورات کے اندر یہ عبارت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا کہ لوگو! تم مانگو تمہیں دیا جائے گا، ڈھونڈو! تم پاؤ گے، دروازہ کھٹکھٹاؤ! تمہارے لیے کھولا جائے گا۔ تم میں سے کون سا ایسا آدمی ہے کہ اس کا بیٹا روٹی کا لقمہ مانگے اور وہ منہ میں پتھر ڈالے۔ تم میں سے کون ایسا ہے کہ بیٹا اس سے مچھلی مانگے اور وہ بیٹے کے منہ میں سانپ ڈالے۔ لوگو! اگر تم برے ہو کر اپنے بچے سے اچھا سلوک کر سکتے ہو تو تمہارا پروردگار اچھا ہو کر تمہارے ساتھ کیوں اچھا سلوک نہیں کرے گا؟ میرے دوستو! اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ (بنی اسرائیل:۸۴)
''ہر کوئی اپنے طریق پر عمل کرتا ہے''

میرے بندو! تم نے گناہ کیے تم گنہگار بن کر میرے در پر آگئے، میں بخشنے والا پروردگار ہوں، میں تمہارے ساتھ خیر کا معاملہ کروں گا۔ آؤ میرے در پر میں تمہارے گناہوں کو معاف فرما دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کو بندے کا انتظار:

میرے دوستو! عجیب بات ہے ایک ماں اپنے بچھڑے بیٹے کا اتنا انتظار نہیں کرتی جتنا رب کریم اپنے گنہگار بندے کا انتظار کرتے ہیں اور ماں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بیٹا اگر گھر سے چلا جائے تو وہ سوئی ہوئی ہوا سے آہٹ ہو جائے تو وہ بیٹے کے قدموں کی آہٹ سمجھ کر اٹھ بیٹھتی ہے کہ دروازہ کھولوں کہیں میرا بیٹا نہ آ گیا ہو۔ اگر ماں بیٹے کا انتظار کرتی ہے تو سوچیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا کتنا انتظار کرتے ہوں گے۔ اس لیے حدیثِ قدسی میں فرمایا:

مَنْ اَقْبَلَ اِلَیَّ لَقِیْتُہٗ مِنْ بَعِیْدٍ

''جو میری طرف قدم بڑھا کر آ جاتا ہے میں آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتا ہوں۔''

اللہ کی رحمت استقبال کے لیے منتظر ہے۔ آج اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لیجیے اور اپنے رب سے اسی رب کی رضا کو مانگ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا عطا فرمائے۔ اے اللہ! ہم سے راضی ہو جا اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ اسی کو کسی نے پنجابی میں ان الفاظ میں کہا تھا۔

سن فریاد میرے سوہنیا اللہ تے میں ہور سناواں کینوں
تیرے جیا مینوں ہور نہ کوئی تے میرے جئے لکھ تینوں

اے اللہ ہمارے جیسے تو لاکھوں آپ کی عبادت کرنے والے ہیں مگر ہمیں تو آپ جیسا معاف کرنے والا کوئی نہیں مل سکتا۔ مہربانی فرما دیجیے آج بندوں نے دامن پھیلائے ہیں، بندیوں نے دامن پھیلائے ہیں، اللہ ان بندوں اور بندیوں کو معاف فرما دیجیے، آمین ثم آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ﴾

(الرعد:۲۵)

صلۂ رحمی

بیان: محبوب العلماء والصلحا

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: ۱۵ جنوری ۲۰۰۸ء

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

اقتباس

اب دیکھیے دو لفظوں میں بات سمیٹنے والی بات ہوئی۔ ((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ)) جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ۔ اس سے جڑ جو تجھ سے توڑے۔ اب یہ کیا خوبصورت تعلیم ہے؟ ایک آدمی ہم سے دور ہونا چاہتا ہے، جدا ہونا چاہتا ہے، ہم حتی الوسع کوشش کریں کہ وہ ہمارے ساتھ جڑا رہے۔ قریب رہے، پیار رہے، محبتیں رہیں۔ اس لیے کہ مل جل کر جب رہتے ہیں تو دوسرے کے ساتھ رنجش کا ہو جانا فطری چیز ہے۔ تو شریعت نے کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم دوسرے سے ایکسکیوز کر لو، معذرت کر لو، معافی مانگ لو۔ اور دوسرے کو کہا کہ بھئی! اس کو جلدی معاف کر دو۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

صلہ رحمی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥
﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ١٩)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ:
﴿وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ (الرعد: ٢٥)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ:
﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ﴾ (یونس: ٢٥)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اسلام دینِ فطرت ہے:

دینِ اسلام، دینِ فطرت ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی ایک عظیم نعمت ہے، کامیاب زندگی گزارنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے۔ اس کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ اس نے انسانوں کو آپس میں مل جل کر رہنا سکھایا اور آپس کے تعلقات کو مستحکم بنایا۔ دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے آپس میں محبتیں اور الفتیں قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ انسان احساسات وجذبات کا حامل ہے۔ جب پیار محبت سے رہیں گے تو ایک دوسرے کو خوشیاں دیں گے۔ اور اگر نفرتیں ہوں گی، عداوتیں ہوں گی، تو پھر ایک دوسرے سے فاصلے پیدا ہوں گے۔

دوطرفہ تعلق:

تو دینِ اسلام نے جیسے بندے کو اللہ کے قریب کیا اسی طرح اس کو اللہ کے بندوں کے بھی قریب کیا۔ بندے کا یہ تعلق دوطرفہ ہے: ایک تعلق اس کا مخلوق کے ساتھ ہے بالخصوص جو اس کے اعزا اور اقارب ہیں، مثلاً ماں باپ، بہن بھائی، میاں بیوی، اور دیگر قریبی رشتے ناطے۔ ان میں بھی شریعت نے حکم دیا کہ محبت اور پیار کے ساتھ رہیں۔ دوسرا تعلق بندے کا اپنے خالق یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اللہ سے بھی تعلق بنا کے رکھے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی کوتاہی کرے گا تو یہ ناقص انسان ہوگا۔ صحت مند انسان اس کو کہتے ہیں جس کا پورا جسم صحت مند ہو، اگر فالج زدہ ہو تو اس کو صحت مند نہیں کہتے۔ ایک انسان مخلوق کے ساتھ تو رشتہ بہت اچھا جوڑ لیتا ہے، سب کو خوش رکھتا ہے لیکن اللہ رب العزت کی نافرمانی کرتا ہے، تو یہ بھی فالج زدہ انسان ہے، دنیا دار انسان ہے۔ اور ایک انسان ایسا دیندار بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو بھرپور کرتا ہے لیکن رشتے ناطوں کو توڑ دیتا ہے یہ بھی فالج زدہ انسان ہے۔ نہ اللہ کو یہ بندہ پسند ہے نہ وہ بندہ پسند ہے۔ اللہ رب العزت اس کو پسند کرتے ہیں جو دونوں کا توازن برقرار رکھے۔

دینِ اسلام کی خوبی:

دینِ اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ معاشرے میں الفتیں اور محبتیں قائم کرنے پر زور دیتا ہے۔ ایک حدیث مبارک میں ہے، عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ راوی ہیں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ صِلُوا الْاَرْحَامَ وَ صَلُّوا بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِالسَّلَامِ))

(سنن الدارمی، رقم ۱۵۱۲)

''تم سلام کو عام کرو، ضرورت مند کو کھانا کھلاؤ اور آپس میں صلہ رحمی کرو، تہجد کی نماز ادا کرو اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ!''

ایسی ایک حدیث مبارک اور بھی ہے مگر اس میں تین چیزیں ہیں۔ سلام، طعام وررات کا قیام۔ مگر اس حدیث مبارک میں جو ترمذی شریف کی روایت ہے صلہ رحمی کو بھی داخل کیا گیا ہے۔

صلہ رحمی کسے کہتے ہیں؟

صلہ رحمی کہتے ہیں رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑ کے رکھنا۔ دینِ اسلام نے توڑ کی بجائے جوڑ کو پسند کیا ہے۔ دینِ اسلام کی یہ خوبصورت تعلیم ہے کہ لوگ باہم ایک مضبوط معاشرہ بن کر زندگی گزاریں۔

مضبوط معاشرے کی چار بنیادی چیزیں:

ایک مستحکم معاشرے کے لیے چار چیزیں اہم ہیں:

(۱) نصب:

ایک ہے نصب یعنی خاندان۔ پتہ رہے کہ کون بندہ کس خاندان کا فرد ہے، اس لیے فرمایا:

﴿وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ (الحجرات: ۱۲)

''تمہارے لیے قبیلے اور ذاتیں بنائیں تا کہ پہچان رہے''

(۲) نکاح:

اور پھر نصب کی حفاظت کے لیے نکاح کو متعین کیا کہ اگر مرد اور عورت ایک بن

کر زندگی گزارنا چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں، اس کا نام شادی ہے۔ نکاح کے بغیر اگ
مرد اور عورت آپس میں اکٹھا رہنا چاہیں تو یہ گناہ ہے۔

نکاح کے بہت فوائد ہیں، یہ کہ نصب کا پتہ چلتا ہے، عورت کو سیکورٹی ملتی ہے، م
متعین ہو جاتا ہے۔ اور پھر عورت اپنے خاوند کی وراثت کی حق دار ہوتی ہے۔ اگ
نکاح نہ کریں تو لوگ عورتوں کے ساتھ ایسا معاملہ کریں جیسا کہ ٹشو پیپر کو استعمال ک
کے کوڑے کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔ دین اسلام نے عورت کو سیکورٹی دی
چنانچہ نکاح کا حکم دیا۔

(۳) صلۂ رحمی:

نکاح کے بعد پھر صلۂ رحمی ہے کہ جب تمہارا گھر بن گیا تو خاندان والوں کے
ساتھ تم اچھا سلوک رکھو۔ اور باہم اچھی معاشرت قائم کرو۔

(۴) میراث:

اور مرنے کے بعد پھر میراث۔ دینِ اسلام میں بہت ہی کھول کر بیان کر دی
گیا کہ مرنے والے کے ترکے کو ورثا میں کس طرح تقسیم کرنا ہے۔

یہ چار چیزیں ایسی ہیں جو معاشرے کا پلر Piller (تھم) ہیں جن پر ایک
مضبوط معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

چنانچہ دینِ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ
اچھا تعلق رکھیں۔ اب مل جل کر رہنے میں غلط فہمیاں بھی ہو جاتی ہیں، رنجشیں بھی ہو
جاتی ہیں تو ایسی صورت حال میں ہر ایک اپنی ضد پوری کرے گا تو ایک کا چہرہ مشرق
کی طرف اور ایک کا چہرہ مغرب کی طرف ہوگا۔ تو دینِ اسلام نے کہا نہیں ان دونوں
میں سے اچھا وہ ہے جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دے اور دوسرے کو اپنے قریب

کر لے۔اسی چیز کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔

جسم و روح کی مثال:

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر انسان کے جسم کو دیکھیں تو مختلف اعضا کا مجموعہ ہے۔ ہر ہر عضو اپنی صفت رکھتا ہے اور اپنی صفت کے اعتبار سے وہ دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہے۔ جیسے آنکھ بینا ہے باقی پورا جسم نابینا ہے۔ زبان بولتی ہے باقی پورا جسم گونگا ہے۔ کان سنتے ہیں باقی پورا جسم بہرا ہے۔ تو اعضا اپنی صفات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے انسان کو ضدین کا مجموعہ بنایا ہے۔ مگر ان میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز کو ڈالا جو سب کو ایک بنا دیتی ہے اور اس کا نام ہے روح۔ جب تک انسان کے جسم میں روح باقی ہے، سب اعضا ایک بن کر کام کریں گے۔

زندہ آدمی کے ہاتھ پر چوٹ لگے، پاؤں کبھی ڈاکٹر کے پاس چل کے جانے سے انکار نہیں کرتے۔ چوٹ ہاتھ پر لگتی ہے آنسو انسان کی آنکھوں سے آتا ہے۔ حالانکہ آنکھ کو تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ چونکہ جسم کے یہ سب اعضا ایک ہیں لہٰذا ایک کی خوشی سب کی خوشی، ایک کا غم سب کا غم ہوتا ہے۔ پیٹ میں درد ہو تو کبھی پاؤں نے کہا یہ میرا مسئلہ نہیں پیٹ جانے اس کا کام جانے۔ رات کو نیند نہیں آئے گی، آنکھیں جاگ رہی ہیں، پورا جسم بے قرار ہے۔ تو زندہ انسان کی ایک خوبی کہ ایک عضو کی تکلیف پورا جسم محسوس کر رہا ہوتا ہے، ایک عضو کی راحت پورا جسم محسوس کر رہا ہوتا۔ سب ایک ہیں، کیوں؟ روح نے سب کو ایک بنا کے رکھا ہوا ہے۔ اچھا اس روح کو جسم سے نکال دو! سب اعضا ایک دوسرے سے جدا۔ ایک آدمی جو مر چکا ہے، اب کوئی اس کی زبان کھینچ کر دو ٹکڑے بھی کر دے، آنکھوں سے کوئی آنسو نہیں آئے گا۔ اب اس کے ہاتھ اپنے دفاع کے لیے آگے نہیں بڑھیں گے، اب اس پاؤں حرکت

میں نہیں آئیں گے کہ بھاگ کر جان بچائیں۔ اس لیے کہ وہ بے روح ہیں۔ یہ جو آپس کی جو یگانگت تھی، اتحاد تھا، یہ روح کی وجہ سے تھا۔

گھر میں دین روح کی مانند ہے:

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو انسان اپنے گھر کو دیکھے۔ گھر کے اندر اللہ تعالیٰ نے جتنے افراد بنائے ہیں وہ اپنی حیثیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً جو حیثیت باپ کی ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ بیٹا باپ نہیں بن سکتا، باپ بیٹا نہیں بن سکتا۔ بھائی بہن نہیں بن سکتا، بہن بھائی نہیں بن سکتی۔ ماں بیٹی نہیں بن سکتی، بیٹی ماں نہیں بن سکتی۔

ہر فرد کی اپنی ایک حیثیت ہے تو حیثیت کے اعتبار سے یہ بھی ضدین کا مجموعہ ہوئے۔ لیکن اللہ رب العزت نے ان میں بھی ایک ایسی نعمت کو اتارا کہ اس نعمت کی موجودگی میں یہ سارے افراد خانہ اس طرح ایک بن کے رہتے ہیں، جس طرح روح کی موجودگی میں جسم کے اعضا ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اس نعمت کا نام ہے دینِ اسلام۔ چنانچہ دین اسلام اگر ہمارے گھروں میں زندہ ہے تو یہ گویا ایسا جسم ہے جس کے اندر روح موجود ہے۔ ایک بندے کا احساس سارے گھر والے کریں گے، ایک کی خوشی سب کی خوشی، ایک کا غم سب کا غم، سب ایک بن کر رہیں گے۔ آپس میں محبتیں ہوں گی الفتیں ہوں گی۔ تو شریعت نے اس بات کا حکم دیا اور اگر ایسا ہو کہ گھر تو ایک ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دل جڑا ہوا ہی نہیں تو جسم بے روح کی مانند ہے۔

شریعت نے اس دائرے کو اور پھیلا دیا۔ فرمایا صرف افرادِ خانہ ہی نہیں تمہارے رشتے ناطے بھی ہیں، لہٰذا تم آپس میں صلۂ رحمی کرو کیونکہ کہ تمہارے رشتہ دار ہیں، خون کے رشتے ہیں، ان کو جوڑ کے رکھو۔ چنانچہ صلۂ رحمی کو شریعت نے پسند کیا اور جو

ان رشتے ناطوں کو کاٹے شریعت نے اس کو ناپسند کیا۔ انسان کی قدر و قیمت ہے ہی اسی لیے کہ وہ ایک دوسرے کا احساس کرتا ہے احساس کرنا چھوڑ دے تو قدر و قیمت ہی ختم ہو جائے گی۔

انسان اور روبوٹ میں فرق:

دیکھیں آپ کسی روبوٹ سے کہیں کہ مجھے پانی پلاؤ اور وہ روبوٹ کی مشین آپ کو پانی کا پیالہ پیش کر دے تو کیا اس کو نیکی مل جائے گی؟ نیکی نہیں ملے گی، اس لیے کہ وہ احساس سے عاری ہے۔ اور انسان آپ کو پانی کا پیالہ پلائے تو نیکی پائے گا، کیوں اس کے اندر ہمدردی اور محبت کے جذبات موجود ہیں۔

چنانچہ ایک انگریز سائنس دان تھا، اس نے ایک فکشن لکھا۔ فکشن ایک خیالی مضمون کو کہتے ہیں۔ تو اس میں اس نے خود ہی ایک سوال کیا اور خود ہی اس کا جواب دیا۔ ہم نے اپنے زمانہ طالبعلمی میں اس کو پڑھا تھا لیکن مضمون کے مناسب ہونے کی وجہ سے وہ اب میں آپ کو سنا دیتا ہوں۔ اس نے لکھا کہ سائنس کی ترقی بہت ہو جائے گی، اتنی کہ ایک سائنس دان روبوٹ بنائے گا جو انسان سے ہر طرح سے بہتر ہوگا۔ مثال کے طور پر انسان دن میں دیکھتا ہے، اندھیرے میں نہیں دیکھتا۔ وہ روبوٹ دن میں دیکھے گا رات میں بھی دیکھے گا۔ انسان چند سو گز کے بعد کسی چیز کو باریک بینی سے نہیں دیکھ سکتا، روبوٹ کے اندر ایسی دوربین فٹ ہوگی کہ ہزاروں میل کے فاصلے پر بھی وہ اس چیز کو قریب سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا۔ انسان جن چیزوں کو سونگھتا ہے تو اس کا دائرہ بہت محدود ہے اور اس روبوٹ کا دائرہ بہت وسیع ہوگا۔

مثال کے طور پر ہم نے ایک عجائب گھر میں ایک چھوٹا سا پتنگا دیکھا، لکھا ہوا تھا کہ یہ پتنگا اتنا حساس ہے کہ اپنی مادہ کی موجودگی کو دس میل کے فاصلے سے محسوس کر لیتا ہے۔ اب اس کے اندر یہ حس کتنی زیادہ ہے؟ انسان سے بہتر ہے، ہمیں تو دیوار کے

پیچھے کوئی بندہ بیٹھا ہو تو پتہ نہیں چلتا اور جب بندہ بیوی سے ناراض ہو تو آنکھوں کے سامنے بیٹھی ہو تو نظر نہیں آتی۔ اس چھوٹے سے پتنگے کو دیکھو کہ اس کا یہ نظام کس قدر حساس ہے کہ دس کلومیٹر دور سے موجودگی کا پتہ چل جاتا ہے۔

کتوں کے سونگھنے کا جو نظام ہے یہ بھی انسانوں سے بہت تیز ہے۔ چنانچہ آج کے دور میں کسی جگہ واردات ہوتی ہے، چور بھاگ جاتا ہے، پالتو کتے لائے جاتے ہیں۔ وہ اس جگہ سے اس چور کے بدن کی مہک کو پہچانتے ہیں اور پھر وہ بھاگنا شروع کرتے ہیں اور میلوں دور جہاں کہیں وہ بندہ موجود ہو وہ پکڑ لیتے ہیں۔ تو اس روبوٹ کے اندر بھی سونگھنے کا نظام ایسے ہوگا۔

انسان کچھ آوازوں کو سنتا ہے اور کچھ آوازوں کو نہیں سنتا جبکہ یہ دوسرے جانور بہت تھوڑی آواز کو بھی دور سے سن لیتے ہیں۔ اس روبوٹ کے اندر بھی یہی خوبی ہو گی۔ پھر انسان کو دیکھو کہ یہ اگر پڑھتا ہے تو زندگی میں زیادہ زیادہ ایک طرح کے مضامین پڑھتا ہے یا عصری علوم یا دینی علوم۔ اور جو عصری علوم پڑھتے ہیں وہ بھی ایک فیلڈ لیتے ہیں یا انجینیئر بن سکتا ہے یا ڈاکٹر بن سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں اس روبوٹ کے اندر ایسی میموری ہوگی کہ دینی علوم بھی' عصری علوم بھی ہوں گے اور دنیا کے پچاس علوم ہیں تو سارے علوم اس میں موجود ہوں گے۔ انسان زیادہ زیادہ پانچ چھ زبانیں سمجھتا اور بولتا ہے، وہ دنیا کی سو سے زیادہ زبانیں بولنے اور سمجھنے والا ہوگا۔ پوری ڈکشنریاں بھری ہوں گی گویا کہ وہ ہر اعتبار سے وہ بندے سے بہتر کام کرنے کا حامل ہوگا۔ انسان چند گھنٹے کے بعد تھک جاتا ہے اُسے تھکاوٹ نہیں ہوگی، بھوک نہیں لگے گی، پیاس نہیں لگے گی۔ الغرض کہ سائنسدان ایک ایسا روبوٹ بنائے گا جو ہر اعتبار سے بندے سے بہتر ہوگا۔

یہ ساری تفصیل لکھنے کے بعد کہنے لگا کہ: قیامت کا دن ہوگا اور وہ بندہ اللہ کے

حضور روبوٹ پیش کرے گا کہ اللہ آپ نے بھی انسان بنایا اور میں نے بھی شاہکار بنایا میرا شاہکار تو اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ذرا اپنا شاہکار دکھاؤ! تو وہ دو، تین روبوٹ کھڑے کر دے گا۔ اچھا بھئی چلا کے دیکھا! وہ بٹن اون کرے گا تو وہ دوڑنا بھاگنا، چلنا پھرنا بولنا شروع کر دیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان میں سے ایک روبوٹ کے اندر کوئی ایسی خرابی پیدا فرمائیں گے کہ اس کا ایک پرزہ ٹھک کر کے ٹوٹے گا، آواز آئے گی اور وہ روبوٹ چلنا بند ہو جائے گا۔ باقی دو روبوٹ چلتے پھریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے! دیکھ لیا نا اپنے روبوٹ کو۔ کہے گا یا اللہ! دیکھ لیا، ایک میں خرابی ہوگئی باقی چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا میرے شاہکار کو بھی دیکھو! اللہ تعالیٰ تین بندوں کو کھڑا کریں گے۔ ان میں سے ایک کے پیٹ میں درد پیدا کر دیں گے۔ جیسے ہی اس کے پیٹ میں درد ہوگا تو دوسرا بندہ آئے گا، وہ پوچھنا شروع کر دے گا: میں آپکو کوئی دوائی دوں؟ میں آپکو کھانے کو کچھ لا دوں؟ درد ایک کے ہو رہی ہو گی آنسو دوسروں کے آ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بتاؤ بھئی! جو کچھ تو نے بنایا، وہ اتنا بے حس کہ ایک کے ٹوٹنے کا دوسرے کو احساس نہیں اور جو میں نے بندہ بنایا وہ احساس اور جذبات رکھنے والا اور محبت کرنے والا بندہ ہے۔ تیرا شاہکار بہتر ہے یا میرا۔ تو اس وقت وہ بندہ اللہ کے حضور سجدہ کرے گا اور کہے گا: واقعی تیری تخلیق کا کوئی مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔

یہ ہے تو ایک تخیلاتی مضمون لیکن اس سے اتنا مضمون ضرور واضح ہوتا ہے کہ انسان کی مشین پر یہی فضیلت ہے کہ انسان احساس رکھنے والا اور محبت کرنے والا دل رکھتا ہے۔ اگر وہ محبتیں ختم ہوگئیں تو اس میں اور مشین میں کیا فرق ہے؟ اس لیے دین اسلام نے آپس میں الفت محبت اور پیار کو قائم کرنے کا حکم دیا، اس کو صلۂ رحمی کہتے ہیں۔ جہاں خون کے رشتے ناطے ہوں، ان کا خیال رکھا جائے اور ایک دوسرے کے

ساتھ محبت اور پیار بانٹا جائے۔

محبتیں دائرہ شریعت کے اندر ہونی چاہییں:

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ یہ محبتیں دائرہ شریعت کے اندر ہونی چاہییں۔ یہ نہیں کہ کوئی کہے کہ جی مجھے گناہ کرنے دو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) (المعجم الکبیر، رقم:۱۷)

جب کسی نے بھی تمہیں اللہ کی نافرمانی کے لیے کہا، اب وہ اپنا مقام کھو بیٹھا۔ ماں باپ کہیں نماز نہ پڑھو، یہ بات نہیں مانی جا سکتی۔ ماں باپ کہیں: رشوت لے کر آؤ! حرام لے کر آؤ! یہ بات نہیں مانی جا سکتی۔ تو دائرۂ شریعت کے اندر رہتے ہوئے ہم آپس میں محبتوں کے ساتھ پیار کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں۔ شریعت نے اس بات کا حکم دیا ہے۔

اب کوئی بندہ مصلے پر بیٹھ کے عبادت تو کر لے لیکن اللہ کے بندوں کے ساتھ اس کا تعلق ہی ٹھیک نہ ہو۔ نہ اس کو کسی کی دل آزاری کا احساس، نہ ماں باپ کا نہ پیر استاد کا، نہ پڑوسی کا، نہ رشتے داری کا تو شریعت کہتی ہے کہ یہ بندہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی وجہ سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

شریعت محمدی ﷺ کی خوبصورت تعلیمات:

عزیز طلبا! اس چیز کو خوب سوچیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اتنا خوبصورت دین دیا ہے جو محبتوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کو پسند کرتا ہے۔ اس کا بہت اجر بتایا کہ جو آدمی ان رشتے ناطوں کو قائم کرتا ہے اس کو بہت اجر ملتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ)) (مسند احمد، رقم ۱۶۶۹۶)

”جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ“

یہ نبی ﷺ کو اللہ رب العزت نے اعجاز عطا فرمایا کہ آپ افصح العرب تھے۔ چند لفظوں کے اندر بڑے بڑے مضامین کو آپ سمیٹ لیتے تھے۔ دنیا تو کہتی ہے نا کہ دریا کو کوزے میں بند کر دینا، نہیں سمندر کو کوزے میں بند کر دیتے تھے۔ اب دیکھیے دو لفظوں میں بات سمیٹنے والی بات ہوئی۔ ((صِلْ مَنْ قَطَعَكَ)) جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ۔ اس سے جڑ جو تجھ سے توڑے۔ اب یہ کیا خوبصورت تعلیم ہے؟ ایک آدمی ہم سے دور ہونا چاہتا ہے، جدا ہونا چاہتا ہے، ہم حتی الوسع کوشش کریں کہ وہ ہمارے ساتھ جڑا رہے۔ قریب رہے، پیار رہے، محبتیں رہیں۔ اس لیے کہ مل جل کر جب رہتے ہیں تو دوسرے کے ساتھ رنجش کا ہو جانا فطری چیز ہے۔ تو شریعت نے کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم دوسرے سے ایکسکیوز کر لو، معذرت کر لو، معافی مانگ لو۔ اور دوسرے کو کہا کہ تم بھئی! اس کو جلدی معاف کر دو۔ کیا ماہر ڈرائیور جو گاڑیاں چلا رہے ہوتے ہیں، ان سے ایکسیڈینٹ نہیں ہو جاتے۔ یہ بھی تجربہ کار ڈرائیور ہے، بیس سال سے گاڑی چلا رہا ہے، وہ بھی اٹھارہ سال سے گاڑی چلا رہا ہے پھر بھی ایکسیڈینٹ ہو گیا۔ اسی طرح دو اچھے انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رنجش ہو جانا، یہ فطری چیز ہے۔ مگر شریعت کہتی ہے کہ اب اس رنجش کو رہنے نہ دو، اس کو دور کرو، کچھ احساس کرو۔ اور اگر بندہ بے حس ہو جائے اور اس چیز کا احساس ہی نہ کرے۔ شریعت نے اسے ناپسند کیا ہے چنانچہ فرمایا:

((وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ))

(جامع الاحادیث، رقم ۱۳۵۷۸)

''جو تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کر دے اور جو تجھ سے برا معاملہ کرے تو اس کے ساتھ اچھائی کا سلوک کر''

کیا خوبصورتی ہے؟ یہ عظمت ہے انسان کی۔ اب جس بندے میں یہ تین

خوبیاں آجائیں سوچیں کہ وہ گھر کا کتنا بہترین فرد ہوگا؟ معاشرے میں بہترین انسان ہوگا۔ وہ اللہ رب العزت کا یقیناً ایک اچھا بندہ ہوگا۔

شریعت نے رشتے ناطے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ آج تو خون اتنے سفید ہوتے جارہے ہیں۔ بھائی بھائی کا احساس نہیں کرتا، یہ قرب قیامت کی علامت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قرب قیامت کی علامت میں سے یہ ہے کہ ایک دوسرے کی رشتے داری کا احساس ختم ہو جائے گا۔ یہ صلہ رحمی کرنا، رشتے ناطے جوڑنا، تعلق رکھنا، خیال رکھنا، ایک دوسرے کی ضرورت کے وقت مدد کرنا، شریعت نے اس چیز کو بہت پسند کیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ))

(سنن الترمذی، رقم ۱۸۴۷)

”کہ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا“

اور جریر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں:

((لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ))

(الطائف الرجیۃ فی الدروس، رقم:۱۴۸)

”جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ رب العزت اس بندے پر رحم نہیں فرماتے“

رحم رحمان سے مشتق ہے، جو اسے جوڑے گا اللہ اسے جوڑیں گے، جو اسے توڑے گا اللہ اسے توڑیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

(موسوعة الرد على المذاهب رقم:۳۴۵/۴۸)

”جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا ہمارے بڑوں کا اکرام نہیں کرتا وہ ہم میں سے ہی نہیں“

دینِ اسلام کی خوبصورتی پر قربان جائیں۔ عام طور پر دیکھا کہ لوگ جوانی میں تو ایک دوسرے کا لحاظ خیال کرتے ہیں، بڑھاپے میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا تو دین اسلام نے یہ تعلیم دی:

((اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ))

(ریاض الصالحین: ص،۱۹۱)

''جس بندے کے بال اسلام میں سفید ہوئے ہوں، اس کی تعظیم کرنا ایسا ہی ہے جیسے اس نے اللہ کی تعظیم کی۔''

اب بتائیے کہ بوڑھوں کی تعظیم اور اکرام کے لیے اس سے بلند کیا بات کی جاسکتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ)) (ریاض الصالحین: ۱/۱۷۱)

''جو بندہ رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''

ایک حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ وَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ))

(شعب الایمان ۲/۴۳)

''یہ مخلوق اللہ رب العزت کا کنبہ ہے۔ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اللہ کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے''

تو ہمیں معاشرے کا اچھا فرد بن کر رہنا چاہیے، گھر کے اندر اچھا فرد بن کر رہنا چاہیے۔ خود نقصان اٹھالیں مگر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔

نبی علیہ السلام ایک دفعہ بازار میں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دکانداروں کو دیکھ کر فرمایا:

((زِنْ وَ اَرْجِحْ)) (السنن ترمذی: ۱۲۵/۵)

''کہ تم وزن کرو مگر ایسا وزن کرو کہ جھکتا ہو''

یعنی دکاندار زیادہ مال دے کر گاہک کا دل خوش کر دے۔ یہی چیز پوری زندگی کا حصہ ہے کہ انسان اپنا نقصان برداشت کر لے مگر دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے۔ بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مخالفت کرنے والے رشتے دار پر خرچ کرنے پر انسان کو بہترین صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

صلہ رحمی کے فوائد

جو آدمی صلہ رحمی کرتا ہے یعنی رشتے ناطے جوڑتا ہے۔ محبت پیار سے رہتا ہے احادیث میں اس کے درج ذیل فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ آپ دل کے کانوں سے سنیں گے اور اس نیت سے سنیں گے کہ ہم اس حکم پر عمل کر کے ان فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

محبت میں اضافہ:

چنانچہ فرمایا کہ صلہ رحمی سے محبت بڑھتی ہے، جو رشتے ناطوں کا خیال رکھے، عزیز و اقارب سے ملتا رہے اور بوقتِ ضرورت ان کے کام آتا رہے، لوگ اُسے پسند کرتے ہیں، وہ دوسروں کی آنکھوں کا تارہ بن جاتا ہے۔

مال میں اضافہ:

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں اضافہ فرما دیتے ہیں''۔ ایک ہوتی ہے برکت۔ مال کی برکت سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جتنا مال ہے انسان کی ضرورتوں کو پورا ہو جائے۔ اور بے برکتی یہ ہوتی ہے کہ دیکھنے

میں تعداد مقدار تو بہت ہے مگر ضرورتیں پوری نہیں ہوتی۔ یہاں فرمایا گیا: مال میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ جو رشتہ داروں پہ خرچ کرتا ہو۔ ان کو ہدیہ دینا، تحفہ دینا، ان کو گھر میں دعوت دینا، خرچ کرنا۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت جلدی اللہ تعالیٰ اس بندے کے مال کو بڑھا دیتے ہیں۔

آج کتنے لوگ ہیں جو مال کی کمی کا شکوہ کرتے ہیں، نبی ﷺ نے اس مال کو بڑھانے کا انمول نسخہ بتلا دیا۔ کرو نا خرچ اپنے رشتے داروں میں۔ عزیز و اقارب میں پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال کو کیسے بڑھاتے ہیں۔

عمر میں اضافہ:

فرمایا کہ اس صلہ رحمی سے انسان کی عمر کو بھی بڑھا دیا جاتا ہے، ترمذی شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی موت کو مؤخر فرما دیتے ہیں، پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ یعنی عمر بڑھ جاتی ہے۔ ہر بندہ چاہتا ہے کہ میرے پاس مال بھی ہو اور صحت والی عمر بھی زیادہ ہو اللہ تعالیٰ اس صلہ رحمی کے صدقے یہ نعمت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

رزق میں کشادگی:

پھر اللہ تعالیٰ رزق میں کشادگی عطا فرماتے ہیں۔ رزق میں کشادگی کیوں کہا گیا کہ کئی لوگ کروڑ پتی ہوتے ہیں مگر دن رات کی ٹینشن ہوتی ہے کہ کروڑوں دینے بھی ہوتے ہیں۔ ظاہر میں کاریں بھی ہیں بہاریں بھی ہیں، روٹی بھی ہے بوٹی بھی ہے، مگر ٹینشن ہے کہ کمپنی کا شیئر اتنا بن گیا کنٹینر پھنس گئے ہیں، سیمنٹ رک گئی ہے۔ دن رات پریشان ہوتے ہیں تو اس کو رزق کی کشادگی نہیں کہتے۔ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ مال بھی بڑھائیں گے اور مال میں ایسی برکت اور کشادگی کہ غم ہی ختم ہو جائے گا انسان کے دماغ سے کتنا بڑا فائدہ ہے!

بری موت سے حفاظت:

صلۂ رحمی کرنے کا ایک اور فائدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کو بری موت سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ اکیلا فائدہ اتنا اچھا ہے کہ اگر اسی کا پتہ چل جائے تو ہم صلۂ رحمی کرنے کے لیے اپنی کوششیں پوری لگا دیں۔ آپ کو کوئی نسخہ بتائے کہ جی اس نسخے سے آخری وقت میں آپ کو اچھی موت آئے گی، آپ تو کہیں گے کہ مجھے سونے کی ڈلی مل گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے احسانات ہیں امت کے اوپر کہ ایک انسان صلۂ رحمی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس صلۂ رحمی کے عمل کی وجہ سے بری موت سے اس بندے کو نجات عطا فرما دیتے ہیں۔ ہر انسان کی تمنا ہوتی ہے کہ اے اللہ! میری زندگی کے آخری حصہ کو زندگی کا بہترین حصہ بنا دے۔ آخری وقت میں مجھے عزتوں کی موت نصیب ہو جائے۔ یہ نعمت اس صلۂ رحمی کے عمل پر انسان کو مل جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ آخری وقت میں ایسی موت آتی ہے کہ ہر کوئی لعنت ہی کر رہا ہوتا ہے، ہر کوئی کہتا ہے کہ اچھا ہوا جان چھوٹ گئی۔ یہ بری موت ہوتی ہے تو صلۂ رحمی کی وجہ سے اللہ رب العزت انسان کو اچھی موت عطا فرما دیتے ہیں۔

اور آگے اسی حدیث پاک میں فرمایا کہ اللہ رب العزت صلۂ رحمی کرنے والے کی مصیبتوں کو اور آفتوں کو اس سے ٹال دیتے ہیں۔ آپ نے کتنی بار یہ تجربہ کیا ہوگا کہ موٹر سائیکل پر جا رہے ہیں، پیدل جا رہے ہیں، بس ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔ وہ جو ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا وہ ممکن ہے کسی صلہ رحمی کے عمل کے صدقے اللہ نے اس مصیبت سے بچایا ہو۔ ورنہ ہڈی ٹوٹتی، زخم ہوتے، چار پائی پر پڑے رہتے، پریشانی کا شکار ہوتے، اللہ نے اس پریشانی سے بچا لیا۔ لوگ آکے بتاتے ہیں کبھی بال بال بچے۔ وہ کون بچاتا ہے؟ وہ اللہ رب العزت بچاتا ہے۔ ایسے ہی کسی عمل کی وجہ سے بچا لیتا ہے۔ تو آفتوں سے اور مصیبتوں سے اللہ رب العزت اسے بچا دیتے

ہیں۔

ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ جی مجھے فیصل آباد جانا تھا اور میں بہت کوشش کررہا تھا کہ مجھے تیار ویگن میں جگہ مل جائے لیکن مجھے جگہ نہیں ملی۔ میں غصے ہو رہا تھا کہ مجھے جانا تھا اور ٹکٹ کاٹنے والے نے دوسرے کھڑے ہوئے بندے کو ٹکٹ دے دیا، بہت افسوس ہوا۔ مجھے کہنے لگا کہ جب آدھے گھنٹے کے بعد ہماری گاڑی گئی تو پتہ چلا کہ راستے میں اس ویگن کا ایکسیڈنٹ ہوا اور دس بندے موقعے پر ہی موت کے منہ میں چلے گئے۔ کہنے لگے کہ: میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تیرا احسان کہ مجھے اس ویگن کے اندر ٹکٹ نہیں ملی۔ تو یہ جو مصیبتوں سے انسان بچتا ہے یہ نیک اعمال کی برکت ہوا کرتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ رشتے ناطے جوڑتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مصیبتوں کو اور آفتوں کو ٹال دیتے ہیں۔

گناہوں کی معافی:

ایک فائدہ یہ بھی بتایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرنے والا ہو تو اللہ رب العزت اس کے نیک عمل کی برکت سے اس کے کیے ہوئے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ تو صلہ رحمی بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ فرمایا:

((اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ)) (ھود: ۱۱۴)

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں تو اگر یہ نیکیاں انسان کرے تو کتنے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

قبولیتِ اعمال:

پھر فرمایا کہ اللہ رب العزت اس بندے کی نیکیوں کو قبول فرما لیتے ہیں۔ اب دیکھیں! انسان نیکی تو کرتا ہے لیکن اس معیار کی تو نہیں کرسکتا جو اللہ کی شان کے معیار

کے مطابق ہو۔ تو کوالٹی اچھی نہ ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ رد ہو جائیں۔

آپ تو ایسا نہیں کرتے، جاتے ہیں دکان دار کے پاس کہ بھئی مجھے سیب دے دو، وہ سیب دینے کے بعد پوچھتا ہے کہ جی کیلے بھی لے لیں، آپ جیسے ہی ایک نظر کیلوں پر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اتنے اچھے نہیں لگ رہے، کہتے ہیں کہ مجھے نہیں چاہییں۔ ایک نظر ڈال کر آپ نے کہا: مجھے نہیں چاہییں۔ کیوں؟ پسند جو نہیں تھے۔ تو ممکن ہے کہ ہماری بے ذوق سجدے، بے سرور نمازیں، یہ ہمارے ریا سے بھرے اعمال، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی ایک نظر ڈالیں اور کہیں کہ مجھے ایسے اعمال کی ضرورت ہی نہیں۔ پھر کیا بنے گا ہمارا؟ تو گناہوں کی ندامت الگ چیز اور کی ہوئی غیر معیاری نیکیوں کے قبول نہ ہونے کا غم الگ چیز ہے۔ تو فرمایا کہ صلہ رحمی کے صدقے اللہ تعالیٰ انسان کی نیکیوں کو بھی قبول فرما لیتے ہیں۔

استحقاقِ جنت:

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو انسان صلہ رحمی کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل ہونے کا استحقاق عطا فرما دیتے ہیں۔ حق دے دیتے ہیں جنت میں داخل ہونے کا۔

نزولِ رحمت:

اور پھر دو باتیں اور فرمائیں کہ اللہ رب العزت اس قوم پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں جو صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ اگر فرد صلہ رحمی کرے گا تو اس پر اللہ کی رحمتیں اور اگر "مِنْ حَیْثِ الْقَوْمِ" ہم اس عمل کو زندہ کریں گے اور شریعت کے اس حکم کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو پورا کریں گے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پوری قوم کے اوپر اس کی وجہ سے رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

نزولِ برکات:

اور حدیثِ پاک میں فرمایا کہ: جس ملک میں صلہ رحمی کرنے والی قوم رہتی ہو، اللہ تعالیٰ اس ملک کی آبادی اور سرسبزی کو بڑھا دیتے ہیں۔ فصلیں زیادہ ہوتی ہیں پھل زیادہ لگتے ہیں، بہاریں آتی ہیں، قحط سے بچتے ہیں۔ یہ جو ہوتا ہے نا کبھی آٹے کی کمی کبھی فلاں کی کمی اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں سے نجات دے دیتے ہیں۔ تو صلہ رحمی کے ایک عمل پر ذرا غور کیجیے کتنے فوائد حدیثِ پاک میں بتائے گئے۔

اللہ تعالیٰ کا وصل:

تو پھر آخری فائدہ تو ایسا حدیث پاک میں بتایا کہ پڑھ کر انسان کو وجد آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ صلہ رحمی کرنے والے کے ساتھ اللہ رب العزت اپنے رشتہ کو خود جوڑتے ہیں۔ جَزَآءٌ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ یہ شریعت کا قانون ہے کہ جیسی نیکی ویسا اس کا بدلہ۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبتیں اور رشتہ جوڑ رہا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں: میرے بندے تجھ سے محبت کا رشتہ اب میں جوڑ کے دکھاتا ہوں۔ اس لیے جو انسان رشتے ناطے توڑنے والا ہو، باوجود اس کی عبادتوں کے چاہے وہ تلاوتیں کرتا ہے، نمازیں پڑھتا ہے، مصلے پے بیٹھتا ہے، دین کے کام کرتا ہے، شریعت نے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔

قطع رحمی کے نقصانات

دنیا میں ہی سزا:

چنانچہ فرمایا کہ چار گناہ ایسے ہیں کہ جن گناہوں کی سزا آخرت میں تو ملے گی ہی اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے دنیا میں بھی سزا دیتے ہیں۔ یعنی کچھ گناہ تو ایسے ہیں نا

کہ جی مریں گے تو جہنم میں جائیں گے، وہاں جا کے سزا ملے گی۔ یہ چار گناہ ایسے ہیں کہ ان گناہوں کو کرو گے تو دنیا میں بھی اس کی سزا ملے گی۔

ان میں سے ایک متکبر انسان جو انسان دنیا میں بڑا بول بولے، تکبر کرے۔ فرمایا کہ میں اس متکبر انسان کو مرنے سے پہلے دنیا میں بھی میں ذلیل کر کے دکھاؤں گا۔ آپ دیکھیں دنیا میں کتنے بڑے بڑے فرعون آئے اللہ نے ان کا انجام کیا کیا؟ سب کو دنیا میں ذلیل کر کے دکھایا۔ اس لیے بڑے بول سے انسان بچے۔ عجب سے، تکبر سے بچے۔ بڑائی صرف اللہ رب العزت کو بجتی ہے، بندے کو بندگی بجتی ہے۔ ہم اللہ رب العزت کے در پر جھکیں، عاجزی اختیار کریں، کوئی بڑا بول نہ بولیں۔ اس لیے کہ بڑا بول بولنے پر کئی مرتبہ دنیا میں ہی نقد سزا مل جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتے ہیں تو پھر انسان ان نعمتوں کو ہضم نہیں کر پاتا، پھر اس کی آواز میں مال کی جھنکار شامل ہو جاتی ہے۔ تو فرمایا کہ اگر تکبر کرے گا تو جو پروردگار دینا جانتا ہے، وہ پروردگار لینا بھی جانتا ہے۔ دنیا میں ہم اس تکبر کی سزا دے کر دکھائیں گے۔

اور دوسرا فرمایا کہ جو بندہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرے۔ دنیا کی معمولی باتوں میں کئی مرتبہ باپ چھوٹا سا کام کہتا ہے نہیں کرتا اور خاص طور پر یہ سکول کالج کے پڑھنے والے، مدارس کے پڑھنے والے بچے، ماں باپ کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ ”اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ“ ماں کو تو بالخصوص اللہ میاں کی گائے سمجھتے ہیں۔ تو شریعت نے کہا کہ نہیں نافرمانی کرو گے تو ہم تمہیں دنیا میں سزا دیں گے۔

ملتان میں ہمارے ایک دوست ڈاکٹر ہیں کہنے لگے کہ میرے پاس ایک دیہاتی نوجوان آیا ہٹا کٹا، ایک ایسی بیماری میں مبتلا کہ زور زور سے روتا چیختا تھا اور کہتا تھا کہ میرا گلا نہ دباؤ! میرا گلا نہ دباؤ! تو بیماری میں اس کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا گلا دبایا جا رہا ہے۔ کہنے لگا: میں نے اس کا علاج کیا، مجھے اس کو دیکھ کے بڑا افسوس ہوا

اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے باپ نے کہا کہ تم اس کو دیکھ کے رو رہے ہو یہ اس کا اپنا عمل اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے۔ میں نے پوچھا: کون سا؟ کہنے لگا: اس کی شادی ہوئی، پسند کی شادی کی۔ اس کی بیوی ہمارے ساتھ مل کر رہنا پسند نہیں کرتی تھی، لہٰذا شادی ہوتے ہی یہ بیوی کو لے کر ایک طرف ہو گیا۔ بیوی نے کہا کہ ماں باپ سے بولنا چھوڑ دو! بولنا چھوڑ دیا۔ تو میری بیوی اسے کہتی کہ بیٹا میں ماں ہوں کبھی مل لیا کرو، تو یہ جواب میں بوڑھی ماں کو کہتا تھا کہ بات نہ کر! میں تیرا گلا دبا دوں گا۔ اللہ نے دنیا میں اس نوجوان کو ایسی بیماری میں مبتلا کر کے دکھا دیا۔ بتا دیا کہ تو کیا گلا دبائے گا میں گلا دبا کے دکھاتا ہوں۔ تو تکبر کی سزا دنیا میں ملتی ہے۔ آج کل تو بیٹا ماں باپ سے باغی...... شاگرد استاد سے باغی...... رعایا نیک حاکم سے باغی...... بیوی اپنے شوہر سے باغی۔ فرمایا کہ بغاوت کی سزا اسے اللہ تعالیٰ دنیا میں دے دیتے ہیں۔

اور چوتھی بات کہی قطع رحمی کرنے والا، جو ان رشتے ناطوں کو توڑتا ہے۔ ان رشتے ناطوں کو توڑنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ موت سے پہلے دنیا میں سزا دے کے دکھاتے ہیں۔

جنت سے محرومی:

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ قاطع رحم (رشتے ناطوں کو توڑنے والا) کو اللہ رب العزت قیامت کے دن جنت میں گھسنے کا موقعہ ہی نہیں عطا فرمائیں گے۔

لیلۃ القدر میں محرومی:

ایک حدیث پاک میں آتا ہے: اللہ رب العزت شب قدر میں بڑے بڑے گناہگاروں کی بخشش فرما دیتے ہیں لیکن چند گناہ گاروں کی لیلۃ القدر میں بھی بخشش نہیں فرماتے۔ فرمایا ان میں سے ایک وہ ہوتا ہے جو رشتے ناطوں کو توڑنے والا ہو،

اللہ لیلۃ القدر میں بھی اس کی بخشش نہیں فرماتے۔ سوچنے کی بات ہے جس رات اللہ کی رحمتیں چھم چھم برس رہی ہوتی ہیں، سینکڑوں سالوں کے گناہوں کے کرنے والوں کو بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ قطع رحمی کرنے والا اس دن بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔

جمعہ کی برکت سے محرومی:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے: ہر انسان کا عمل ہر جمعہ کے دن اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ بعض عمل تو ایسے جو روزانہ فرشتے پیش کرتے ہیں۔ پھر ہفتے بھر کے اعمال کی سمری جمعہ کے دن پیش کی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص قطع رحمی کرنے والا ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے فرشتے اس کے اعمال اس دن پیش ہی نہیں کرتے۔

اللہ کی رحمت سے محرومی:

حدیث پاک میں آتا ہے: نبی علیہ السلام تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا: جو رشتے ناطوں کو توڑنے والا ہو وہ ہماری مجلس میں مت بیٹھے۔ ایک نوجوان اٹھا وہ اپنے گھر گیا، وہ کسی وجہ سے اپنی خالہ سے نہیں بولتا تھا، اس کی دل آزاری کر بیٹھا تھا، اس نے جا کر اپنی خالہ سے معافی مانگی اور پھر واپس مجلس میں آیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو واپس آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے یہ بات اس لیے کی تھی کہ جس مجلس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اہلِ مجلس کے اوپر رحمت نازل نہیں فرماتے۔ تو جس مجلس میں قاطع رحم موجود ہو اللہ اس مجلس پر رحمت کو روک لیتے ہیں۔ پھر سوچیے کہ آج ہمارے حالات کیسے ہیں؟ تو ہماری زندگیوں میں برکت کیسے آئے گی؟ ہم جو رزق کی تنگی کے شکوے کرتے ہیں، ہم جو مصیبتوں کے شکوے کرتے ہیں، بے

برکتیوں کے شکوے کرتے ہیں، ہم جو دنیا کے اندر پریشانیوں میں گھرے ہونے کے شکوے کرتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے پیچھے ہمارا قطع رحمی کرنے والا عمل موجود ہو۔

تین دن سے زائد قطع تعلقی منع ہے:

لہٰذا جو شریعت نے قریبی رشتے بنائے ان تمام رشتے داروں کے ساتھ دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے محبت پیار کا تعلق رکھنا، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہاں یہ فرق ہے کہ کسی کے ساتھ زیادہ قرب کا تعلق رکھیں، کسی کے ساتھ سلام دعا رکھیں۔ اگر کسی سے طبیعت نہیں ملتی، فرض کرو کسی میں غصہ زیادہ ہے، اس کے ساتھ طبیعت نہیں میل کھاتی تو شریعت کہتی ہے، ٹھیک ہے تم اس کے ساتھ اپنا تعلق ذرا کم رکھو مگر سلام دعا والا تعلق بہرحال رکھو، تاکہ تم قطع تعلقی کرنے والے نہ بنو۔ شریعت میں تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھنے کو منع فرما دیا۔ فرمایا: غصہ تھوک دو! اب ایک دوسرے کو معاف کر دو۔

آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ:

یہ شریعت کا حسن ہے کہ الفتیں محبتیں آپس میں قائم کرنے کا اس طرح حکم فرمایا۔ آپ سوچیے! اگر ہم دین اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کرنے والے بن جائیں تو ہمارے گھروں میں کتنی خوشیاں آ جائیں گی؟ ہمارے معاشرے میں کتنی خوشیاں آ جائیں گی۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ دین اسلام محبتیں تقسیم کرنے والا دین ہے۔ اگر ہم اس پر عمل کرنے والے بن جائیں گے تو ہمیں اسی دنیا میں جنت میں رہنے کا مزہ آنے لگ جائے گا۔ ہر ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے والا ہوگا، ہر ایک دوسرے کا بھلا چاہنے والا ہوگا، سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی بنیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا)) (مسند احمد:۱۹/۴۳۰)

''اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر زندگی گذارو''

اپنا جائزہ لیں:

شریعت نے فرمایا کہ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ جو تجھ توڑے تو اس سے جوڑ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کردے وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْكَ اور جو تیرے ساتھ برائی کا معاملہ کرے تو اس کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کردے۔ اس حدیثِ مبارکہ کو آج ہم سامنے رکھ کر اپنی زندگی کو دیکھیں اور جائزہ لیں کہ کیا ہمارے اندر یہ تین خوبیاں موجود ہیں۔ اگر موجود ہیں اللہ کا شکر ادا کریں اور اس پر استقامت کی دعا مانگیں اور اگر کوتاہی ہے جس کے چانسز زیادہ ہیں تو ہمیں پھر آج توبہ کرنی چاہیے۔

اللہ سے رشتہ جوڑیں:

اور جن کے بارے میں ہمارے دلوں میں کینہ ہے اور وہ ایمان والے ہیں ہم اس کینے کو ختم کر کے ان کے ساتھ الفتوں اور محبتوں کا تعلق رکھیں، ہم ان کے ساتھ جوڑیں گے اس کے بدلے اللہ رب العزت ہمارے ساتھ اپنا محبت کا رشتہ جوڑیں گے۔ چنانچہ فرمایا: جو صلہ رحمی کرتا ہے اللہ رب العزت اس سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے اور ایک حدیث پاک میں فرمایا کہ صلہ رحمی اللہ کی رحمت کی ایک شاخ ہے جو اس کو جوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ جوڑے گا جو اسے توڑے گا اللہ اس کو اپنے سے توڑ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث مبارکہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾

(الحجرات:۱۲)

بدگمانی کا زہر

بیان: محبوب العلماوالصلحا

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

مقام: رہائش گاہ حضرت جی محلہ پپلیانوالہ

موقع: خصوصی تربیتی مجالس بعداز سالانہ اجتماع

اقتباس

بدگمانی کیوں آتی ہے؟ ایک اصول ذہن میں رکھیں کہ بدگمانی اس وقت آتی ہے جب بندہ ذکر نہیں کرتا۔ ہمیشہ بدگمانی اس بندے کے ذہن میں آئے گی جو ذکر نہ کرنے والا ہوگا یا جو رابطہ نہ رکھنے والا ہوگا۔ جو رابطہ رکھنے والا ہو، ذکر کرنے والا ہو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے دل میں بدگمانی آئے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے تو یہ بدگمانی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اسکے دل میں اندھیرا ہے۔ اس لیے کہ جب کمرے میں اندھیرا ہو تو کیڑے مکوڑے نکل آتے ہیں۔ جب دل کا بلب روشن ہو جاتا ہے تو کیڑے مکوڑے ڈر کے مارے نکلتے ہی نہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

بدگمانی کا زہر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّ اَصِیْلًا﴾ (الاحزاب:۴۲)

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

((اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ)) (سنن ابی داود، رقم:۴۲۷۱)

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

((ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ خَیْرًا)) (المعجم الکبیر، رقم:۲۳۹)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

یاد کا مقام:

ہمیں قرآن مجید میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم کثرت سے اپنے رب کو یاد کریں۔ ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا﴾

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔

اور یاد کا مقام انسان کا دل ہے۔ زبان سے اظہار ہوتا ہے اور دل میں یاد ہوتی

ہے۔ جب کوئی بچہ اپنی نوکری یا کام کے سلسلے میں اپنی ماں سے دور ہو، تو ماں ہمیشہ یہ خط لکھتی ہے: بیٹا میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ اس نے یہ کبھی نہیں لکھا کہ بیٹا میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے۔ میرا دماغ تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ ماں ہمیشہ یہ لکھے گی کہ بیٹا: میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یاد کا مقام انسان کا دل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یاد بھی انسان کے دل میں ہوتی ہے۔

ذکرِ قلبی کی فضیلت:

حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ فرشتے جس ذکر کو سنتے ہیں (جو یہ زبان سے کیا جاتا ہے) اس سے وہ ذکر جس کو وہ نہیں سنتے (یعنی دل سے کیا جاتا ہے) ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ تو ذکرِ خفی اور ذکرِ جہری دونوں احادیث سے ثابت ہیں۔ ذکرِ قلبی کو ذکرِ سری بھی کہتے ہیں، ذکر خامل بھی کہتے ہیں، ذکر خفی بھی کہتے ہیں۔ احادیث میں یہ سارے لفظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ سب دل کی یاد پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی کو رجوع الی اللہ، انابت الی اللہ، توجہ الی اللہ کہتے ہیں۔

توجہ الی اللہ پیدا کرنے کا طریقہ:

تاہم توجہ الی اللہ پیدا کرنے کے لیے ابتدا میں سالک کو کہتے ہیں کہ تم اللہ اللہ کا ذکر کرو۔ ایسے ہی جیسے قرآن مجید پڑھنے والے بچے کو نورانی قاعدہ پڑھاتے ہیں۔ اب کوئی بندہ کہے کہ نورانی قاعدہ کا تذکرہ تو احادیث میں کہیں نہیں ملتا، تو اس کو کہیں گے کہ اے بے وقوف انسان! یہ نورانی قاعدہ تو بچے کو سمجھانے کا ایک ذریعہ ہے تاکہ اس کو مخارج اور اعراب کی پہچان ہو جائے۔ اس کو پڑھنے کو بعد اس کے لیے قرآن پاک کا پڑھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ جو اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، یہ ذکر ذریعہ ہے انسان کے قلب میں توجہ الی اللہ پیدا کرنے کا۔ اور جب توجہ الی اللہ پیدا

ہوجاتی ہے تو وہ فکر کہلاتی ہے اور وہ ذکر سے زیادہ افضل ہوا کرتی ہے۔

اس لیے ہمارے سلسلے کے وہ لوگ جو اسباق کرنے والے ہیں جانتے ہیں کہ ساتویں سبق تک تو ذکر کرتے ہیں اور اس کے بعد تہلیل کے دو اسباق ہیں اور اس کے بعد فکر کے اسباق ہیں، پھر اللہ اللہ کا ذکر ختم۔ اللہ اللہ کا ذکر کرنے کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ مبتدی کے لیے توجہ الی اللہ رکھنی آسان ہو جاتی ہے۔ اس راز کو ذرا سمجھیے! یہ ایک عجیب معرفت ہے کہ انسان کا دل جب مخلوق میں اٹکا ہوا ہوتا ہے تو اب مخلوق سے اس کی گرفتاری چھڑانے کے لیے مشائخ اس کو اللہ اللہ کے ذکر پر لگا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس بندے کے دل میں فقط اللہ کی یاد رہ جاتی ہے۔ ہر طرف سے وہ کٹ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ اور یہ جو اللہ اللہ کا ذکر کر رہا ہے تو یہ بھی تو اس کے دل میں اثرات ہیں، اس کو بھی دھونے کے لئے پھر لا الہ الا اللہ کا ذکر کرواتے ہیں۔ اور جب یہ دھل جاتے ہیں، اب اس کو مراقبہ کرواتے ہیں، جس میں اس کو کسی نام کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا دسویں سبق سے لے کر پینتیسویں سبق تک جتنے بھی مراقبے ہیں ان میں کوئی نام کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ تو یہ شروع میں جو اللہ اللہ کا ذکر کرواتے ہیں تو یہ دوا کے طور پر ہوتا ہے تاکہ مبتدی کے لیے توجہ الی اللہ رکھنی آسان ہوجائے۔

تجلی ذاتی اور صفاتی میں فرق:

اور یہ بھی ذہن میں رکھنا جو انسان صفاتی نام کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ مثلاً ''سبحان اللہ'' یہ بھی ذکر ہے، ''الحمد للہ'' یہ بھی ذکر ہے، ''یا حی یا قیوم'' یہ بھی ذکر ہے۔ تو اس قسم کے صفاتی ناموں کا جو انسان ذکر کرے گا۔ تو پھر اس کو فنا کے مقام پر اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس کے من میں صفاتی ناموں کا تذکرہ تھا اس لیے تھوڑی دیر کے لیے اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار ہوگا پھر اس کے اوپر صفات کے

پردے آ جائیں گے۔ تو ایسا سالک اللہ تعالیٰ کو صفات کے پردوں میں سے دیکھتا ہے۔ اور جو سالک فقط اللہ کا ذکر کرنے والا ہوگا تو اس کا وصلِ عریانی نصیب ہوگا۔ جب اس کو دیدار نصیب ہوگا تو صفات کے پردے نہیں آئیں گے۔

اس لیے ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگ، امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اصطلاح استعمال کی ہے کہ جو صفاتی ناموں کا ذکر کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، جب ان کو اللہ تعالیٰ کی تجلی نصیب ہوتی ہے تو تجلی ذاتی برقی نصیب ہوتی ہے۔ یعنی تجلی ذاتی برق کے کوندے کی طرح دفعتاً ہوتی ہے اور اس کے بعد صفات کے پردے آ جاتے ہیں۔ یعنی دلہن نے پردہ ہٹا کر جلوہ دکھایا اور پھر نقاب ڈال دیا۔ لیکن جو ذاتی نام کا تذکرہ کرنے والے ہوتے ہیں ان کو وصلِ عریانی نصیب ہوتا ہے کہ ایک دفعہ چہرے سے جو نقاب اٹھا لیتے ہیں تو ہمیشہ چہرے کا دیدار سالک کو نصیب ہوتا رہتا ہے۔ اس کو تجلی ذاتی دائمی کہتے ہیں۔

اب عام آدمی تو یہی سوچتا ہے کہ سبحان اللہ کا ذکر کیوں نہیں کرتے، الحمد للہ کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ اب یہ معرفت کی بات ان کو کیسے سمجھائیں؟ یہ تو ان لوگوں کو پتہ ہے جو اپنے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں۔ تو ان کو پتہ چلتا ہے کہ اسماء وصفات کے جو پردے اوپر آتے ہیں پھر اس وقت وہ پردے انسان کے لیے کس قدر الجھن کا سبب بنتے ہیں۔

اللہ اللہ کا ذکر احادیث سے ثابت ہے:

ہمارے مشائخ نے اسی لیے فقط اللہ کا ذکر کہا کہ

﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الانعام:۹۲)

''تو کہہ اللہ اور پھر انہیں چھوڑ دے، اپنی مستی میں کھیلتے رہیں''

اللہ اللہ کا یہ ذکر احادیث سے بھی ثابت ہے۔ فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالُ فِي الْأَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ))

(الترمذی، رقم: ۳۱۴۳)

''قیامت اس وقت تک نہیں قائم ہوگی جب تک زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے۔''

دو دفعہ اللہ اللہ کا لفظ آیا۔ اب حدیث میں اگر ایک دفعہ صرف اللہ کا ذکر آتا کہ تو پھر تو کوئی بات نہیں تھی۔ مگر حدیث میں دو دفعہ آیا ہے۔ اللہ اللہ۔ جب نبی اکرم ﷺ نے دو دفعہ فرمایا اللہ اللہ، اب کوئی بار بار اس دو دفعہ کو کہے اللہ اللہ...... اللہ اللہ...... اللہ اللہ تو اس میں کونسا اشکال ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ اللہ تو کہا نا؟ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ تو اس لیے اس میں گھبرانے کی بات نہیں کہ اللہ اللہ کیوں کہتے ہیں۔

ایک اشکال کا جواب:

بعض کہتے ہیں کہ یہ کیا بس نام لیتے جائیں بات کوئی نہ کریں یہ تو بے ادبی ہے۔ او بھائی اپنے اوپر اللہ کو قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ کہتے ہیں:

اَلْمَرْءُ يَقِيْسُ عَلٰى نَفْسِهٖ

''انسان اپنے آپ پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے''

ہم واقعی کسی کو نام سے پکارتے رہیں او فلاں! او فلاں! تو وہ تو ناراض ہوگا مگر وہ تو بندے کی بندے سے بات ہے۔ بندے کا پروردگار سے تعلق ادب کا تعلق ہے، یہ کچھ اور معاملہ ہے۔ یہ محبت کا تعلق ہے اور اس محبت کے تعلق میں بندہ جب محبت سے اللہ کہتا ہے تو اللہ کو یہ نام سن کے پیار آتا ہے۔

جیسے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم فرما رہے تھے کہ بچہ جب روتا ہے تو وہ رو کے کیا کہتا ہے؟ امی امی یا کوئی اور لفظ کہتا ہے۔ کبھی سنا کسی چھوٹے بچے کو کہ اے میری

پیاری امی! اے میری خوبصورت امی! اے میری بڑی اچھی امی!۔ جیسے یہ الحمد للہ سبحان اللہ یہ تو صفات کا ذکر ہے۔ تو کبھی بچے نے یوں پکارا؟ بچہ کیسے پکارتا ہے؟ فقط امی کے لفظ سے پکارتا ہے۔ لیکن اس کی محبت کا تعلق ایسا ہے کہ امی کا لفظ نکلتے ہی ماں کے دل کے تار چھڑ جاتے ہیں؟ وہ جتنے بھی کاموں میں مصروف ہو، نام سنتے ہی بچے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اس کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ اسی طرح جب بندہ بھی اللہ اللہ کا نام محبت سے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے زیادہ محبت کے ساتھ بندے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اللہ اللہ کہنے کا مزہ:

ہمیں اصل میں ابھی اللہ اللہ کہنے کا مزہ ہی نہیں آیا اس لیے یہ باتیں ہم پوچھتے ہیں۔ جنہیں مزہ آتا ہے ان کے منہ میں تو مٹھاس آ جاتی ہے۔ اب دیکھیں مٹھائی ایک لفظ ہے اور کھٹائی بھی ایک لفظ ہے۔ اب دیکھیں کہ جب مٹھائی اور کھٹائی کا لفظ بولیں تو منہ میں پانی آ جاتا ہے تو کیا اللہ کے لفظ سے منہ میں مزہ نہیں آتا؟ یہ عجیب بات ہے کہ اچار کا نام لو تو منہ میں پانی آتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نام اتنا بھی اثر نہیں رکھتا کہ اس سے دل میں ٹھنڈک پڑے؟

لفظ اللہ کی تاثیر:

خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کی صحبت میں وقت کا مفکر اور حکیم بوعلی سینا آیا اور اس نے آ کر محفل اٹینڈ کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ محفل میں ذکرِ اسمِ ذات کے فضائل گنوا رہے تھے۔ اسمِ ذات کا ذکر کرنے سے انسان کو سکون ملتا ہے، پریشانیاں دور ہوتی ہیں، بلیات آفات سے انسان محفوظ ہوتا ہے، ایمان محفوظ ہوتا ہے، صحت ملتی ہے، عمر میں برکت، رزق میں برکت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

رحمتیں آتی ہیں، انہوں نے اتنے اس کے فضائل گنوائے کہ بوعلی سینا بڑے حیران ہوئے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ فقط ایک نام کا ذکر کرنے سے اتنی ساری فضیلتیں مل جاتی ہیں، یہ سارا کچھ ہو جاتا ہے۔ یہ حضرات بھی حکیم ہوتے ہیں، انہوں نے بھری محفل میں اسے فرمایا: اے خر! تو چہ دانی؟ اے گدھے! تجھے کیا پتہ؟ اب جب بھری محفل میں گدھے کا لفظ سنا تو حکیم صاحب کو تو پسینہ آ گیا کہ اتنا مشہور حکیم اور لوگوں کے سامنے گدھا کہہ دیا۔ اب جب پسینہ آ گیا اور حالت بدل گئی تو حضرت نے پوچھا کہ حکیم صاحب! آپ کی حالت کیوں بدل گئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی آپ نے لفظ ہی ایسا بولا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے گدھے کا لفظ بولا ہے؛ اور اس گدھے کے لفظ نے تمہاری حالت کو بدل کر رکھ دیا، کیا اللہ کا لفظ تیری حالت کو بدل کے نہیں رکھ سکتا؟ بھئی گدھے کا لفظ سن کر تیرے اوپر نیچے اثر ہو گیا تو اللہ لفظ سن کر اثر نہیں ہوتا؟ اصل یہ کہ ہم اللہ کے ذکر کی لذت سے ناآشنا ہوتے ہیں اس لیے ہمارے دل میں یہ اشکال آتے ہیں۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں

جب طبیعت میں تعلق ہوتا ہے کان کھڑے ہوتے یا نہیں ہوتے؟ آج کل بچے بچی کی منگنی ہو تو چھیڑنے کے لیے دوسرے اس کے سامنے نام لیتے ہیں اور نام لینے سے اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ ارے معمولی سا تعلق ہے، اس دنیا کے تعلق کی وجہ سے بندے پر اتنا اثر ہوتا ہے تو اللہ رب العزت سے تو انسان کا بہت گہرا تعلق ہے۔

بدگمانی کب آتی ہے؟

ایک سوال بدگمانی کے بارے میں پوچھا گیا کہ بدگمانی کیوں آتی ہے؟ ایک اصول ذہن میں رکھیں کہ بدگمانی اس وقت آتی ہے جب بندہ ذکر نہیں کرتا۔ ہمیشہ

بدگمانی اس بندے کے ذہن میں آئے گی جو ذکر نہ کرنے والا ہوگا یا جو رابطہ نہ رکھنے والا ہوگا۔ جو رابطہ رکھنے والا ہو، ذکر کرنے والا ہو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے دل میں بدگمانی آئے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ بدگمانی پیدا ہوجاتی ہے تو یہ بدگمانی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اسکے دل میں اندھیرا ہے۔ اس لیے کہ جب کمرے میں اندھیرا ہو تو کیڑے مکوڑے کم نکلتے ہیں۔ جب دل کا بلب روشن ہوجاتا ہے تو کیڑے مکوڑے ڈر کے مارے نکلتے ہی نہیں۔ اسی طرح جب ذکر کا بلب روشن ہوجاتا ہے تو یہ بدگمانیوں کے کیڑے جنم نہیں لیا کرتے۔ جب پانی ٹھہر جاتا ہے، اس میں حرکت نہیں ہوتی، پھر اس میں کیڑے جنم لیا کرتے ہیں۔ جب انسان کا دل اللہ کا ذکر کرنے سے غافل ہوتا ہے تو اس کے دل میں بدگمانیوں کے کیڑے جنم لیا کرتے ہیں۔

بدگمانی کیا ہے؟

دوسرے کے بارے میں کوئی بری بات ذہن میں سوچنا، یہ چیز بدگمانی کہلاتی ہے، شریعت نے بدگمانی کو حرام قرار دیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ)) (ابی داود، رقم:۴۲۶)

''کہ تم گمان سے بچو کیونکہ اکثر گمان جھوٹ ہوتے ہیں''

ایمان والوں کے ساتھ بدگمانی کبیرا گناہ ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (النجم:۲۸)

''اور ان میں سے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہوسکتا''

اس لئے محسن انسانیت سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا)) (المعجم الکبیر، رقم:۲۳۹)

ایمان والوں کے ساتھ نیک گمان رکھو، بدگمانی نہ رکھو!

اب چونکہ حکم فرمایا کہ مومنین کے ساتھ نیک گمان رکھو تو قیامت کے دن انسان کو پیش کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تو نے فلاں کے بارے میں بدگمانی کیوں کی؟ اس پر ہمیں ثبوت پیش کرو! تو مقدمہ اپنے اوپر کیوں قائم کروالیا؟ اور اگر بندہ نیک گمان رکھے گا اگرچہ دوسرا بندہ برا ہو تو ثواب تو اس کو پھر بھی مل جائے گا۔ تو یہ کتنے مزے کی بات ہے کہ نیک گمان رکھو اگرچہ کوئی برا بھی ہو، اللہ تعالیٰ اس پر بھی نیکی دے دیتے ہیں۔ اور اگر بدگمانی کر لی تو قیامت کے دن اس کے اوپر دلیلِ شرعی پیش کرنا پڑے گی، ثبوت دینا پڑے گا، ورنہ انسان اس جرم کے اندر خود گرفتار ہوگا۔

اور لوگ تو معاذ اللہ اپنے اللہ سے بھی بدگمانی کرتے ہیں۔ بدگمانی اتنی بڑی بیماری ہے توبہ توبہ کہ اس سے بڑی بیماری کوئی ہو نہیں سکتی۔ ایک لمحہ کے اندر پوری زندگی کا کیا کرایا بندہ ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں ایمان والوں کے ساتھ بدگمانی رکھنے سے منع کیا گیا۔ اور فرمایا گیا:

﴿ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ (الحجرات:۱۲)

''بے شک بعض گمان گناہ کے زمرے میں آتے ہیں''

بدگمانی کا علاج:

ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر کسی بات پر کسی مسلمان کے بارے میں بھی بدگمانی پیدا ہو تو بندہ اس بات کی کوئی اچھی تاویل سوچے۔ حتیٰ کہ اگر سو میں سے ننانوے باتیں برائی کی نکلتی ہوں اور فقط کوئی ایک بات اچھی نکلتی ہو تو اچھے پہلو کو لے کر اس کی اچھی تاویل کر لے تاکہ دل میں بدگمانی نہ آنے پائے۔

ہمارے سلف صالحین کے حالات بڑے عجیب ہیں وہ کیسے ہی حالات ہوں بدگمانی دل میں نہیں آنے دیتے تھے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال:

ایک مرتبہ ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کشتی پر سفر کر رہے تھے۔ دریا بہت بڑا تھا جسے عبور کرتے ہوئے کافی وقت لگتا تھا۔ قریب ہی ایک دوسری کشتی پر نوجوان لڑکے لڑکیاں سوار تھیں۔ وہ کھا پی رہے تھے اور شور وغل بھی مچا رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کا ہنسنا غفلت کا ہنسنا تھا۔ عورتیں بھی بے پردہ تھیں اور انہوں نے عجیب طوفانِ بدتمیزی بپا کیا ہوا تھا۔ حضرت کی کشتی میں سوار لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو انہوں نے بدگمانی کی کہ یہ برے لوگ برے کام کے لیے دریا کے اندر کشتی میں سوار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے غصہ میں آ کر حضرت سے کہا: حضرت! ان بے حیا اور بدمعاشوں کے لیے بددعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کشتی کو ڈبو دے۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو لوگ واقعی قہقہے لگا رہے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، لوگ سمجھے کہ حضرت بددعا کر رہے ہیں مگر حضرت کی زبان سے دعا نکلی کہ اے اللہ! جیسے تو نے ان لوگوں کو دنیا کی خوشیاں عطا کی ہیں تو ان کو آخرت کی خوشیاں بھی عطا فرما۔ اس دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو توبہ کی توفیق عطا فرما دی۔ بھئی آخرت کی خوشیاں تو تبھی ملتیں جب وہ زندگی میں توبہ کر لیتے۔ سبحان اللہ کیسی مثبت سوچ ہے کہ نظارہ دیکھ کر بھی بدگمان ہونے کی بجائے اچھی تاویل کر کے اچھی دعا دی۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال:

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ اسی دن انہوں نے حلق کروایا تھا یعنی ٹنڈ کروائی تھی۔ اس کشتی میں لڑکے بھی سوار تھے۔ عام طور پر ٹنڈ کو دیکھ کر لڑکوں کو شرارتیں سوجھتی ہیں۔ چنانچہ آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکے نے

آپ کی ٹنڈ کو ہاتھ لگا کر کہا کہ کتنی ملائم ہے، اسے مزہ آیا۔ اسے دیکھ کر دوسرے لڑکے نے بھی آ کر ہاتھ لگایا۔ ان میں ایک لڑکا ایسا نا معقول تھا کہ اس نے آ کر ٹھونگا بھی لگا دیا۔ اس پر سب ہنس پڑے۔ اس کو دیکھ کر دوسرے نے بھی لگا دیا۔ مگر حضرت ذکر مراقبہ میں خاموش بیٹھے رہے کہ چلو کوئی بات نہیں بچے ہیں، اپنا اپنا حال ہوتا ہے، وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب وہ ایک ٹھونگا مارتا تو بچے ہنس پڑتے، پھر دوسرا مارتا پھر ہنس پڑتے، حتیٰ کہ بڑے بھی شریک ہو گئے۔ حتیٰ کہ جتنے بھی کشتی والے تھے وہ سارے کے سارے اس بدتمیزی میں شامل ہو گئے۔ بچے ٹھونگا مارتے اور وہ سارے کے سارے اللہ کے اس ولی پر بیٹھ کر ہنستے مذاق اڑاتے اور حضرت خاموشی سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے یہ کرتوت کیا تو اللہ رب العزت کو اس وقت سخت ناراضگی ہوئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ پر الہام کیا کہ اے میرے پیارے! اگر تو اس وقت بد دعا کرے تو ہم تیری دعا پر اس کشتی کو الٹ دیں تاکہ یہ سب لوگ غرق کر دیئے جائیں۔ جیسے ہی الہام ہوا، علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی: اے اللہ! اگر آپ کشتی کو الٹنا ہی چاہتے ہیں تو کشتی میں جتنے بھی لوگ موجود ہیں ان کے دلوں کی کشتی کو الٹ دیجیے۔ بس ان کا دعا مانگنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً قبول کر لی۔ کہتے ہیں کہ اس کشتی میں جتنے بھی لوگ موجود تھے وہ سب کے سب اپنے وقت کے اولیاء بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ یہ ہوتی ہے مثبت سوچ اور یہ ہے طریقت، یہ ہے سلوک اور یہ ہے تصوف۔ ہم جو تصوف لیے بیٹھے ہیں وہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا۔ ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی، کوئی اٹھے تو بدگمانی، کوئی بیٹھے تو بدگمانی۔ کوئی کھائے تو بدگمانی، یہ عجیب ہے۔

دل پر شیطان کا قبضہ

بھئی دوسرے سے بدگمانی مت کرو! اپنے اوپر روؤ کہ میرے دل کی حالت کتنی

بری ہے، اللہ والوں کے بارے میں، ایمان والوں کے بارے میں، میرے دل میں بدگمانیاں ہیں۔ یعنی اتنا تو دل پر شیطان کا قبضہ ہے کہ وہ جب چاہتا ہے بدگمانی ڈال دیتا ہے۔ کسی ایمان والے سے کبھی بدگمانی مت رکھیں۔ حتی کہ کبیرہ گناہ کا کوئی مرتکب ہو اس سے بھی بدگمانی نہ رکھیں، اس کے ساتھ راہ و رسم نہ رکھنا علیحدہ بات ہے۔ تعلق نہ رکھے، خاموشی اختیار کرے مگر دل میں بدگمانی نہ رکھے۔

گناہ سے نفرت ہونی چاہیے گناہ گار سے نہیں:

دیکھیں اصول سمجھیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں کچے پیاز کو نہیں کھاتا۔ وجہ بتائی کہ ((اِنِّیْ اَکْرَہُ رِیْحَھَا)) میں کچے پیاز کی بو سے نفرت کرتا ہوں۔ اب اس سے محدثین نے یہ نکتہ نکالا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں پیاز سے نفرت کرتا ہوں، بلکہ یہ کہا کہ میں پیاز کی بو سے نفرت کرتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ ہمیں گناہ گار سے نفرت نہیں کرنی بلکہ اس کے گناہ سے نفرت کرنی ہے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

حسنِ ظن ہو تو ایسا:

ارے بدگمانیاں رکھنی بہت آتی ہیں گناہ گاروں سے حسنِ ظن کا رکھنا یہ اولیاء اللہ کا کام ہے، یا پروردگار کی ذات ہے کہ گناہوں کے باوجود بھی اپنے بندوں سے جلدی ناراض نہیں ہوتے۔ تیسرا اس دنیا میں فقط اپنی ماں ہوتی ہے کہ جو اولاد کے گناہوں کے باوجود اپنی اولاد سے پیار کرتی۔ یہ جو مشائخ ہوتے ہیں، ان کو پورے کچے چٹھے کا پتہ ہوتا ہے مگر اس کے باوجود کسی کو دھتکارتے نہیں ہیں، کسی کو آئینہ بھی نہیں دکھاتے کہ بھئی تیری شکل یہ ہے۔

مومن کی فراست:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا تو کسی نے کہا کہ حضرت! یہ شخص دنیوی مفاد کی خاطر آیا ہے۔ تو حضرت نے کہا کہ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے پیر پر کہ جس کے پاس اس کا مرید آئے اور اسے یہ پتہ نہ چلے کہ یہ آیا کس لیے ہے؟ ان مشائخ کو کیا سمجھتے ہیں کہ کیا یہ اندھے ہوتے ہیں۔ جو آدمی پولیس میں کام کرتا ہے اس کو چند بندوں کے گزرتے ہوئے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ عام بندوں کو ایسی فراست دے دیتے ہیں۔ جس کی پوری زندگی یادِ الٰہی میں گزری ہو اللہ رب العزت کی عبادت میں گزری ہو، اس کی فراست مومنانہ کے بارے میں آپ کیا تصور کرتے ہیں؟ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))(الترمذی، رقم ۳۰۵۲)

مومن کی فراست سے ڈرو! وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو دلوں کے احوال بتا دیتے ہیں۔ مگر عوام الناس کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے ان کی اچھی تاویل کر لیتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست:

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک خوبصورت نوجوان آیا، اس نے عمامہ باندھا ہوا تھا اور جبہ بھی پہنا ہوا تھا۔ اس نے آ کر کہا: جی یہ جو حدیث پاک ہے کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِن اس کا مطلب کیا ہے؟ حضرت نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا اور فرمایا کہ اے نصرانی کے بیٹے! اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ تیری ہدایت کا وقت آ چکا ہے پس تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جا۔ یہ سن کر اس کو پسینہ آ گیا۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت! میں کلمہ پڑھتا ہوں، اسلام قبول کرتا ہوں۔ میں واقعی

عیسائی تھا اور مسلمانوں کی شکل بنا کر آیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ میں آپ سے حدیث کا مطلب پوچھوں گا، جب آپ اس کا کوئی جواب دیں گے تو پھر میں کہوں گا کہ دیکھیں میں نصرانی ہوں لیکن آپ کو پتہ نہ چلا، آپ کے پاس کیا فراست ہے؟ مگر قربان جائیں ان اللہ والوں پر کہ اک نظر ڈال کر دیکھ لیا کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دو مرید تھے۔ مگر ان کی آپس میں دیرینہ رنجش تھی۔ اللہ مارے یہ حسد بھی بڑی بری چیز ہے۔ ویسے اصول بھی یہی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ جتنی عزت دے اس کے حاسد بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ دیکھیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے بڑا تھا، اس لیے ان کے حاسدین بھی سب سے زیادہ تھے۔ اس لیے تو ﴿ ومن شر حاسد اذا حسد ﴾ والی دعا سکھائی گئی۔

وہ دونوں مبتدی تھے۔ مگر ایک کے دل میں شیخ کے ساتھ نسبتاً زیادہ محبت تھی اور دوسرے کے دل میں عام سی تھی۔ جس کے دل میں محبت زیادہ تھی، وہ جب حضرت کے پاس جاتا تو حضرت بھی محبت سے پیش آتے تھے کیونکہ محبت کا جواب محبت سے دیا جاتا ہے۔ دوسرا دیکھ کر حسد کرتا تھا کہ حضرت اتنی محبت سے کیوں پیش آتے ہیں؟ یہ بھی برا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان، سچ یا جھوٹ کہ جس آدمی سے حضرت محبت سے پیش آتے تھے، وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا۔ اب دوسرے کے ہاتھ میں ایک مضبوط چیز آ گئی، کہنے لگا کہ اب میں حضرت کے پاس جاتا ہوں اور جا کر بتاتا ہوں کہ دیکھیں وہ جو آپ کے پاس آتا تھا اور بڑی محبتوں کا اظہار کیا کرتا تھا، وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گیا۔ تو وہ اپنے دل میں آیا کہ آج تو بس میری کامیابی ہے آج تو پتہ کٹ جائے گا۔ آج سے تو اس کو کوئی منہ نہیں لگائے گا۔ آج اس کو پتہ چل جائے گا کیونکہ میں تو ثبوت کے ساتھ آیا ہوں۔ وہ آیا اور حاجی صاحب سے کہتا ہے کہ حضرت!

آپ کا جو فلاں مرید آتا ہے اور اتنی محبت سے بیٹھتا ہے، اس نے تو فلاں کبیرہ گناہ کیا ہے۔ اور اس کا ثبوت؟ موجود ہے، لوگوں نے اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ گناہ کرتا ہوا پکڑا گیا۔ حضرت نے سن کر فرمایا: اچھا، اس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: لگتا ہے کہ اللہ کا جو اسم "مــضِـل" ہے (گمراہ کرنے والا) اس کی کوئی تجلی اس وقت اس کے اوپر پڑ گئی ہوگی جو وہ گناہ کر بیٹھا۔ یعنی اللہ ہدایت بھی دیتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے۔ اب یہ پریشان کہ میری بات کا تو کوئی اثر ہی نہ ہوا۔ آیا تھا بدگمان کرنے، حضرت نے اس کے دل سے بھی بدگمانی کو نکال پھینکا۔ اللہ والوں کے سینے اتنے صاف ہوتے ہیں کہ لوگ کبائر کے مرتکب ہو کر بھی آتے ہیں تو وہ جلدی متنفر نہیں ہوتے بلکہ وہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب:

یہ فراست مومنانہ کوئی علم غیب نہیں ہوتا کہ کوئی آدمی یہ سمجھنا شروع کر دے کہ اولیاء اللہ کو علمِ غیب عطا کر دیا جاتا ہے۔ جیسے بصارت ہوتی ہے اسی طرح ایک بصیرت بھی ہوتی ہے۔ سر کے اندر جو آنکھیں ہیں ان کی روشنی کو بصارت کہتے ہیں اور دل کی آنکھوں کی بینائی کو بصیرت کہتے ہیں۔ کسی نے کہا:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

آنکھ کا نور اور چیز ہے اور دل کا نور اور چیز ہے۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل اندھا پن دل کا اندھا پن ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ (الحج:۴۶)

آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ یہ تو سینوں کے اندر دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

بدگمانی کا ہتھیار کب کارگر ہوتا ہے؟

شیطان کے پاس بہکانے کے لیے بہت ساری کنجیاں اور بہت سارے ہتھیار ہوتے ہیں، وہاں ایک ہتھیار بدگمانی پیدا کرنے کا بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ ہتھیار انہیں پر چلتا ہے، جو اپنا دل ایسے کھلا چھوڑ دیتے ہیں کہ اس میں شیطان کے لیے چوراہا بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے شیطانی ٹریفک آجاتی ہے۔ جیسے والز کی آئسکریم بیچنے والوں نے میوزک لگائی ہوتی ہے کہ جیسے گلی میں آئیں تو بچے بھاگ کر پہنچ جاتے ہیں، بچوں کے دل کھنچے آتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اوقات انسان کے دل میں شیطان ایسی میوزک بجاتا ہے کہ پھر اس کے دل میں ایمان والوں کے بارے میں بدگمانیاں بھاگی ہوئی آتی ہیں۔ ہر ہر بندے کے بارے میں بدگمانی۔ بعض لوگوں کو تو دیکھا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں تو ان کے علاوہ کوئی اور اچھا ہے ہی نہیں۔

بدگمانی کا آپریشن:

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک آدمی کسی سے غصے ہو کر کہہ رہا تھا کہ اس دنیا میں صرف میں ہی ٹھیک لگتا ہوں اور تو کوئی ٹھیک ہے ہی نہیں۔ یہ فقیر پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب علیحدگی ہوئی تو پھر فقیر نے اس کی اچھی طرح کھال اتاری۔ فقیر نے کہا کہ میں ذرا تمہیں تمہارا آئینہ تو دکھاؤں۔ عموماً ایسا کرتے نہیں ہیں لیکن کبھی کبھی ایسی دوائی دینی پڑ جاتی ہے۔ فقیر نے اسے علیحدگی میں کہا: آپ یہ کرتے ہو؟ کہنے لگا: ہاں، فقیر نے کہا: یہ بھی کرتے ہو؟ کہنے لگا: ہاں۔ فقیر نے جب گردان پڑھی تو پھر بس اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے فقیر کے پاؤں پکڑ لیے کہ حضرت! معاف کر دیں۔ فقیر نے کہا کہ یہ تو وسعتِ ظرفی سمجھو کہ فقیر اس وقت چپ کر گیا اور تمہیں کچھ نہیں کہا، آپ ہر کسی کو اندھا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس نے بدگمانی والے گناہ سے توبہ کی۔

دھوبی کے پاس میلا کپڑا ہی آتا ہے:

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اسی طرح ایک نوجوان آتا تھا جس پر مختلف الزامات تھے۔ لوگوں نے آ کر کہا کہ حضرت! آپ اس کو اپنے پاس آنے سے منع فرما دیں، بدنامی ہو رہی ہے۔ حضرت کی آنکھوں سے آنسو آ گئے اور فرمایا کہ دیکھو! میری مثال تو دھوبی کی سی ہے جو کپڑے کو دھوتا ہے اور دھوبی کے پاس تو گندے کپڑے ہی تو آیا کرتے ہیں، صاف ہوگا تو وہ دھوبی کے ہاتھ میں آئے گا ہی کیوں؟ بھئی اگر یہ سارے ہی اچھے ہوں تو پھر گھر میں بیٹھ کر آرام سے وقت گزاریں۔ یہ تو آتے ہی اس لیے ہیں کہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں دھلنے کی ضرورت ہے، کسی واشنگ مشین میں رہ کر اپنے دل کے داغ دور کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ گھروں کو چھوڑنا کوئی آسان کام ہے؟ بیوی بچوں کو چھوڑنا، اپنی مصروفیات کو ترک کرنا آج کہاں آسان ہے؟ ملک سے غیر ملک سے جب کوئی چل کر آتا ہے تو اس کے دل میں کوئی احساسِ ندامت ضرور ہوا کرتا ہے۔ اس لیے اُس پر نہ روئیں جس نے گناہ کیا، اپنے اوپر روئیں کہ میرا دل اتنا بدگمانی کرنے والا ہے ہی کیوں؟

لیلۃ القدر میں بھی محرومی:

سینہ بے کینہ ہونا چاہیے۔ کینہ کہتے ہیں کسی کے بارے میں دل کے اندر انقباض ہو، دشمنی ہو، عداوت ہو، نفرت ہو، اسے کینہ کہتے ہیں۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! حدیث پاک میں آتا ہے کہ لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ سب گناہگاروں کی مغفرت کر دیتے ہیں سوائے چند گناہگاروں کے، جن میں سے ایک وہ ہے جس کے سینے کے اندر ایمان والوں کے لیے کینہ ہوا کرتا ہے۔ دوسرے سے بدگمان رہنے والے اور

کینہ رکھنے والے کی لیلۃ القدر میں بھی بخشش نہیں ہوگی۔ تو اس لیے اس پتے ہی کو کاٹو! کبھی کسی ایمان والے کے لیے دل میں بدگمانی نہ رکھو! فوراً دل سے ختم کر دیں۔ آپ دوسروں کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ حسنِ ظن کا معاملہ فرمائیں گے۔ اس لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ: انسان دوسروں کے قصوروں کو جلدی معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قصوروں کو جلدی معاف فرما دیں گے۔ اور جو انسان دوسروں کے عذروں کو جلدی قبول کر لے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عذروں کو جلدی قبول فرمالیں گے۔

شکر ہے نجات اللہ کے ہاتھ میں ہے:

شکر ہے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی نجات کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھا اگر بندوں کے ذمہ لگا دیتا تو پتہ نہیں کیا بنتا! حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اے اللہ! قربان جائیں تیری رحمت پر کہ تو نے ہدایت کو اپنے ہاتھ میں رکھا اگر بندوں کے ہاتھ میں ہوتی تو مجھ جیسے کالے انسان کو اور بدصورت انسان کو کون ہدایت دیتا۔ تو یہ تو اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اس نے جنت کا معاملہ اپنے ہاتھ میں رکھا۔ بندوں کے ہاتھ میں نہیں رکھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

اذلة انصتو من خشیت الانسان

”کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے خزانے ہوتے تو تم تو ان کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے اللہ کے خزانوں کو بند کر کے رکھ دیتے“

تو بندوں کے بس میں ہوتا تو یہ تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں کو بھی بند کر کے رکھ دیتے کہ کہیں یہ خرچ ہی نہ ہو جائیں۔

خود بینی اور بد بینی:

اپنے ظرف کو بڑا کیجیے، سینے میں وسعت پیدا کیجیے۔ بدگمانی اپنے بارے میں۔ اور اصل بنیاد پتہ ہے کیا ہوتی ہے؟ بنیاد بھی سمجھ لیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندر فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بین مباش
دیگر آنکہ بر غیر بد بین مباش

''کہ میرے مرشد شہاب نے پانی کے دریا کے کنارے بیٹھ کر، دو لفظوں میں مجھ کو تصوف سمجھا دیا، دو لفظوں میں تصوف کا نچوڑ بتا دیا۔ پہلا کہ اپنے پہ خود بین نہ ہونا اور دوسرا یہ کہ دوسروں پر بد بین نہ ہونا''

خود بین کا مطلب اپنی اچھائیوں کو دیکھنا اور بد بین کا مطلب کہ دوسروں کی برائیوں کو دیکھنا۔ اور ہم کیا کرتے ہیں اپنی برائیوں کو نہیں دیکھتے اور دوسروں کی اچھائیوں کو نہیں دیکھتے اور پھر صوفی بھی بنے ہوتے ہیں۔ تو بنیادی مرض نہیں نکل رہا کہ نگاہ دوسروں کے عیبوں پر لگی رہتی ہے۔ اچھا بتائیں کہ جب میں سامنے والے کے سینے کو دیکھ رہا ہوں تو کیا مجھے اپنا سینہ نظر آتا ہے؟ نہیں نظر آتا۔ جس کو دوسروں کی برائیاں نظر آتی ہیں، وہ سمجھ لے کہ میری نگاہیں میرے اپنے سینے پر نہیں پڑتیں۔ میں اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوں، میں اپنی نگاہوں سے چھپا ہوا ہوں۔ اس لیے یہ میرے لیے بہت بڑا وبال ہے۔ جب اللہ رب العزت کسی انسان سے راضی ہوتے ہیں، اس کی آنکھوں میں اس کے عیوب کھول دیتے ہیں۔ اور جب کسی سے ناراض ہوتے ہیں اس کی آنکھوں میں اس کے عیوب کو چھپا دیا کرتے ہیں۔ تو عام طور پر ایسے بندے کے عیب خود سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ خود نہیں پتہ ہوتا کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔

خود محسوس کرتے ہیں کہ ہم بڑے نیک ہیں، بڑے صوفی صافی ذکر اذکار کرنے والے ہیں اور دوسرے برے، فلاں بھی برا فلاں بھی برا۔

ایک عورت اپنے بچے کی نیپی تبدیل کروا رہی تھی تو اس کی کہیں انگلی کے اوپر تھوڑی سی نجاست لگ گئی، اتنے میں گھر کے بچوں نے شور مچا دیا پہلی کا چاند نظر آ گیا! پہلی کا چاند نظر آ گیا! اس نے سوچا کہ میں بھی پہلی کا چاند دیکھ لوں۔ اب یہ پہلی کا چاند جب دیکھنے لگی تو عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ انگلی اپنے ناک پر رکھ لیتی ہیں۔ اس نے بھی انگلی اپنے ناک پر رکھی، جب چاند کو دیکھا تو کہنے لگی ہاں ہے تو پہلی کا چاند پتہ نہیں اس دفعہ بدبودار کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ چاند بدبودار نہیں تھا، اس کی انگلی کی بدبو اس کی ناک میں آ رہی تھی۔ تو اعتراض کرنے والوں کا عام طور پر یہی معاملہ ہوتا ہے۔

شیخ آئینے کی مانند ہے:

جس کو لوگوں میں برائیاں نظر آتی ہیں وہ سمجھ لے کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ))(ابی داؤد، رقم: ۴۹۲۰)

''مؤمن مؤمن کا آئینہ ہوتا ہے''

اب آئینے میں اپنی شکل کے داغ نظر آتے ہیں نا۔ اسی لیے جس آدمی کو ایمان والوں کے عیوب زیادہ نظر آتے ہیں، وہ حقیقت میں اس کے اپنے قلب کی گندگی ہوتی ہے جو اس کو آئینے میں نظر آتی ہے۔ ارے میاں! اگر تمہیں کالک لگی نظر آئے تو آئینے سے تم ناراض نہ ہوا کرو، یہ اس کا قصور نہیں اپنے چہرے کا قصور ہے جس کے اوپر کالک لگی ہوئی ہے۔ اگر مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے تو کیا شیخ آئینہ نہیں ہوتا؟ جب شیخ کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوئی تو بتائیے کہ وہ کیا چیز ہوئی؟۔ مشائخ نے کتابوں میں لکھا ہے کہ جب انسان کو شیخ کے اندر برائیاں نظر آنے لگ جائیں تو وہ

سمجھ لے کہ میرے اندر یہ یہ برائیاں پیدا ہو چکی ہیں۔اس کو شیخ کے آئینے میں اپنی تصویر نظر آ رہی ہوتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور وہ ہندو تھا۔ کہنے لگا کہ مجھے کشف القلوب حاصل ہے۔ کشف القلوب کا کیا مطلب؟ کہ دلوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہیں کہ کسی کے دل میں کیا ہے۔ یہ کشف کی ایک قسم ہے اور اللہ والوں کو بھی اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں۔اور اگر غیر مسلم بھی اگر ریاضت اور مجاہدہ کریں تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو بھی یہ دے دیتے ہیں کہ چل دنیا میں تمہیں بھی تھوڑا منظر دکھا دیں۔اس ہندو کو یہ حاصل تھا اور وہ کہنے لگا کہ مجھے کشف القلوب حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا میرا دل دیکھو! اس نے دل دیکھا، کہنے لگا کہ جی دل میں تو بالکل سیاہی ہی سیاہی نظر آ رہی ہے۔ حضرت نے فرمایا: اچھا تمہیں یہ نعمت کیسے ملی؟ کہنے لگا کہ میں نے ہر کام اپنے نفس کے خلاف کیا جس وجہ سے مجھے یہ چیز مل گئی۔ حضرت نے تھوڑی دیر بعد بات بدلی اور فرمایا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ کہنے لگا کہ میرا جی نہیں چاہتا، حضرت نے پکڑا کہ اچھا کہ جب تم نے باقی کام جی (نفس) کے خلاف کیے تو یہ بھی جی کے خلاف کرو۔اب وہ پکڑا گیا اصل میں توجہ پڑ رہی تھی۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھ لیا، کلمہ پڑھنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب میرے دل میں ذرا جھانک کر دیکھو! تو کہنے لگا کہ حضرت ہر طرف نور ہی نور نظر آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو بھئی! میرا دل آئینے کی مانند تھا، جب تم نے پہلے دیکھا، چونکہ تم پہلے کافر تھے تمہیں اپنے دل کی سیاہی اس آئینے میں نظر آئی، اب کلمہ پڑھ لیا اور جھانک کر دیکھا تو تمہیں اپنے دل کا ایمان نور کی شکل میں نظر آیا۔تو دوسروں کی شخصیت میں انسان کو اپنی تصویر نظر آ رہی ہوتی ہے۔

اللہ والوں کا ظرف:

اس لیے دوسروں پر بدگمانیاں، حالانکہ نیک اللہ والے لوگ جو ہوتے ہیں وہ کسی پر بدگمان ہی نہیں ہوتے۔ عجیب بات ہے کہ کبائر کے مرتکب بھی ان کے سامنے آتے ہیں لیکن وہ ان سے بھی بدگمان نہیں ہوتے۔ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور اس لیے ان کی ہدایت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور اگر مشائخ ان عیبوں کو دیکھ کر دھتکارنے والے ہوتے تو پھر میں اور آپ جیسے ان اللہ والوں کے قدموں میں بیٹھنے کے قابل ہی نہ ہوتے، جاتے ہی جوتے پڑتے۔

ہم نے حضرت بابو جی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کئی دفعہ ان کی ایسی کیفیت ہوتی تھی کہ جو بندہ جاتا اسی کے عیب اس کے سامنے کھولتے تھے۔ اس سے توبہ کرو! اس سے توبہ کرو! حالت یہ تھی کہ ڈر کے مارے لوگ جاتے نہیں تھے۔ مگر ان کا اپنا ایک مقام تھا۔ ایک دفعہ ڈی سی آ گیا۔ انہوں نے ڈی سی کو سب کے سامنے کہا: جھوٹ مت بولا کرو۔ وہ کہنے لگا: میں تو نہیں بولتا۔ آپ نے اس کی طرف ایسی شیر کی نگاہ دیکھی اور فرمایا کہ دیکھو! میں اپنے قلب کی آنکھ سے تمہارے قلب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے آنکھوں سے میں تمہارے چہرے کو دیکھتا ہوں۔ میرے سامنے جھوٹ بولتے ہو، مان گیا کہ جی ہاں جھوٹ بولتا ہوں۔ یہ تو اللہ والوں کا ظرف ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے دلوں میں کیا کیا باتیں کھل رہی ہوتی ہیں مگر پھر بھی پردہ پوشی کرتے ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ایک صاحب آئے اور آتے ہوئے راستے میں انہوں نے ادھر ادھر غیر محرم پر نظر ڈالی، حضرت نے فرمایا: ما بال قوم لوگوں کو کیا ہوگیا؟ کتنی محبت ہے! کتنی شفقت ہے! اس کا نام بھی نہیں لیا کہ دل آزاری نہ ہو، اس کو ہم بھی شرمندہ نہیں کرنا چاہتے۔ ما بال قوم۔ لوگوں کو کیا ہوگیا؟ ہماری محفل میں بے مہابہ چلے آتے ہیں، حالانکہ ان کی نگاہوں سے زنا ٹپکتے ہیں۔ انہوں

نے خود نہیں دیکھا تھا، ان کو کشف دے دیا گیا تھا۔ آنکھوں سے کیا کچھ ٹپک رہا ہے۔ اللہ والے تو کیا کچھ دیکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی زبانیں بند ہوتی ہیں اور وہ پھر بھی اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ اور ہماری عادت یہ ہے کہ کوئی ہمیں ایک لفظ کسی کے بارے میں کہہ دے ہم ہمیشہ کے لیے بدگمان ہو جائیں گے۔ اس سے نفرت کرنی شروع کر دیں گے۔

خون بہا دینا پڑا:

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یا کوئی اور صحابی تھے۔ وہ ایک کافر کی طرف لپکے اور کافر نے تلوار دیکھتے ہی کلمہ پڑھ لیا لیکن انہوں نے وار کر دیا کہ یہ تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوگئی پیشی ہوگئی، فرمایا کہ تم نے کیوں تلوار کا وار کیا؟ اے اللہ کے نبی! وہ تو کافر تھا، تلوار کو دیکھ کر اس نے کلمہ پڑھا تھا۔ فرمایا کہ تم نے اس کے دل میں گھس کر دیکھ لیا تھا۔ فرمایا: نہیں، فرمایا: پھر تمہیں خون بہا دینا پڑے گا۔ سوچیں کہ اگر اللہ کے نبی ایک صحابی سے یہ کہتے ہیں کہ تم نے کیوں یہ گمان کیا کہ اس نے تلوار کے ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا، اللہ کے ڈر کی وجہ سے کلمہ نہیں پڑھا۔ اور ہم تو ایمان والوں سے پتہ نہیں کتنی ہی بدگمانیاں دل میں لیے پھرتے ہیں۔

بدگمانی ایک اخلاقی بیماری:

قیامت کے دن کئی لوگ ہوں گے کہ وہ اپنی آپ کو اچھا سمجھ رہے ہوں گے اور وہ دوسروں کے سامنے پہلے جہنم میں اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔ اس لیے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بدگمانی کرنے کی ان کو عادت ہوتی ہے۔ یہ ایک عادت ہے، اس کا تعلق عادت سے ہے کہ اپنے سوا نگاہ میں کوئی جچتا ہی نہیں۔ لاکھ اچھائیاں کسی کی ہوں

نظر ہی نہیں آتیں اور برائیوں کے اوپر دوربین فٹ کی ہوتی ہے۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ خوردبین فٹ کیے بیٹھے ہوتے ہیں کہ کچھ نظر آئے۔ جی ہاں! جو معاملہ آپ اس کے ساتھ کر رہے ہیں وہی معاملہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کریں گے۔ درگزر کدھر گیا، ستر پوشی کدھر گئی، خیر خواہی کدھر گئی۔ یہی اسلام ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے قریب رہتے ہوئے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بدگمانیاں شروع کر دیں۔ تو یہ ایک اخلاقی بیماری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگنی چاہیے اور اس بیماری کا علاج سب سے مشکل ہوتا ہے۔

ایک نوجوان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی:

اب ایک نوجوان بدگمان تھا، معاذ اللہ کس سے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، کہنے لگا کہ: جی مردوں کو چار شادیوں کی اجازت ہے تو خود گیارہ شادیاں کیوں کی؟ میں نے اس کی وہ کھنچائی کی کہ اس کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا، اسے احساس ہو گیا اپنی بات کا کہ میں نے کیسی بات کہی!

میں نے کہا: دیکھو! جب شادی کی خواہش کی عمر ہوتی ہے وہ تو پندرہ سال سے اوپر ہوتی ہے۔ جب عین شباب کا عالم تھا، جب شادی کی خواہش ہوتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سے شادی کی؟ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے جو دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں اور عمر کتنی تھی؟ چالیس سال۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کنواری لڑکیاں نہیں ملتی تھیں۔ کافر تو آ کر کہتے تھے کہ مکہ کی جس لڑکی کے اوپر آپ ہاتھ رکھیں ہم اس کو آپ کی غلامی میں دینے کے لئے تیار ہیں، مال دینے کے لئے تیار ہیں، ہر چیز دینے کے لئے تیار تھے۔ پچیس سال کی عمر میں شادی کس سے ہو رہی ہے چالیس سالہ خاتون سے۔ اچھا بتاؤ چالیس سال کی عمر میں عورت کا رنگ و روپ کیا رہتا ہے؟ کتنی جنسی کشش رہتی ہے اس کے اندر؟ آج کل تو

تمیں سال کی عمر کی عورتوں کی جسامتیں تو ایسی ہو جاتی ہیں کہ جیسے قبر میں جانے کے لئے پھر رہی ہیں، لیپا پوتی کرنی پڑتی ہے؟ چالیس سال کی عمر، اور ادھر جوانی ہے، تو یہ رشتہ آپ کو کوئی خواہش کا رشتہ نظر آتا ہے؟ یا دین کی سربلندی کی خاطر نظر آتا ہے۔ بھئی یہی نیت تھی ناں کہ ایک ایسی عورت ہے جو ذی اثر ہے، اس کے خاندان والے مسلمان بن جائیں گے، اس کی وجہ سے اور لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اپنے چچا کے مشورے پر اس سے شادی کر لی۔ تو پھر یہ شادی کس نیت سے ہوئی، دین کی خاطر۔ اسے خواہش کی شادی ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

اب دیکھیں کہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کا وقت کتنا گزارا؟ ترپن سال کی عمر تک وقت گزارا۔ ہجرت سے دو یا ڈیڑھ سال پہلے ان کی وفات ہوئی۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی وفات تک نبی اکرم ﷺ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔ تو عمر کتنی ہوگئی؟ پچاس سال سے اوپر ہوگئی۔ جوانی کہاں تک ہوتی ہے؟ یہی پندرہ سے پچاس سال تک کی عمر ہی جوانی کہلاتی ہے۔ پچاس کے بعد تو جوانی نہیں ہوتی پھر تو بڑھاپا آجاتا ہے۔ اب بتایئے کہ جو جوانی کی عمر تھی وہ تو ایک ہی زوجہ محترمہ کے ساتھ گزری اور زوجہ بھی وہ جو عمر میں پندرہ سال بڑی تھی۔ پھر جب آپ کی عمر پچاس سال کی ہوگئی تو ان کی عمر اس وقت پینسٹھ سال ہو چکی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی جسمانی کشش والی بات ہی نہیں تھی۔

لیکن جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، اب اللہ تعالیٰ نے آپ کے نکاح میں ہر قسم کی بیویاں دیں۔ ثیبات وابکار، کنواری بھی آئیں، بیوہ بھی آئیں، بڑے بڑے بادشاہوں کی بیٹیاں بھی آئیں، باندیاں بھی آئیں۔ مختلف بیک گراؤنڈ اور ماحول سے تعلق رکھنے والیاں، مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والیاں، مختلف ایج گروپ کی خواتین تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے نکاح میں دے دیا۔ وجہ کیا تھی؟

وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی اتنی کھلی ڈھلی زندگی تھی کہ اس نے تاریخ کی کتابوں میں حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہونا تھا۔ جب ہجرت فرمائی تو اب ایک دوسرا دورِ زندگی کا شروع ہوا۔ اس دور میں دین کی اشاعت کا کام ہونا تھا، قرآن کا نزول ہونا تھا۔ اب نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی اس نے کتابوں کے اندر محفوظ ہونا تھا۔ اس زندگی کی ایک ایک بات کتابوں کے اندر موجود ہے۔ اب مردوں کی جماعت تو سینکڑوں کی تعداد میں مسجدوں کے اندر موجود تھی جو آپ کی باتوں کو محفوظ کرتی تھی لیکن گھر کی باتوں کو محفوظ کرنے کے لیے کون ہوتا ہے؟ گھر والی ہوتی ہے۔ اگر گھر والی ایک ہوتی تو آج کافر اعتراض کرتے کہ جی ایک عورت کی بات کا کیا اعتبار۔ اگر گھر والی بڑی عمر کی ہوتی تو کافر اعتراض کرتے کہ ان کی تو قوتِ حافظہ ٹھیک نہیں ہوتی، بڑی عمر کی عورتیں تو اپنی باتیں بھول جاتی ہیں۔ اگر بڑی عورت غریب خاندان کی ہوتی لوگ اعتراض کرتے کہ امیر طبقے کی عورتوں کی کچھ اور نظر ہوتی ہے اور غریب عورتوں کی اپنی نظر سے ہوتی ہے۔ اگر ساری کی ساری آزاد عورتیں ہوتیں تو وہ کہتے کہ جی باندی کی اپنی نظر ہوتی ہے۔ تو چونکہ اعتراض ہوسکتا تھا اس لیے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو جو بیویوں کی جماعت عطا کی وہ ہر ایک طبقے سے تعلق رکھنے والی تھیں۔ مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والی تھیں، مختلف ان کا علمی بیک گراؤنڈ تھا۔

اگر کم عمری میں دیکھیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نظر آتی ہیں، آپ قوتِ حافظہ میں سب سے بہترین تھیں۔ بڑی عمر کی ازواج بھی تھیں، وہ تجربے میں پختہ ہوتی ہیں۔ اگر بادشاہوں کی بیٹیاں دیکھنا چاہیں یعنی امیروں کی تو ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ بھی تھیں، سردار کی بیٹی تھیں۔ تو آپ کو ہر زندگی کے شعبے کے لوگوں کی عورتیں وہاں نظر آئیں گی، تو معلوم ہوا کہ یہ چناؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ اور یہ چناؤ اللہ تعالیٰ نے

اس لیے کیا تھا کہ میرے محبوب! زندگی کے ہر شعبہ کی عورتیں آپ کی زندگی کو محفوظ کرنے کے لئے موجود ہیں۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کو کس نے نقل کیا گھر کے اندر سے ایک عورتوں کی جماعت نے نقل کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان گیارہ عورتوں کو چن لیا۔ اب اگر وہ گیارہ عورتیں اللہ تعالیٰ کا چناؤ ہیں، تو ہم یوں سمجھیں کہ پروردگار نے جس طرح مردوں کی جماعت کو چنا جو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے، جنہوں نے آپ کی بیرونی زندگی کو امت میں پھیلایا تو گیارہ عورتوں کو چنا، تا کہ وہ آپ کے گھر کے اندر کی زندگی کو امت تک پہنچائیں۔ اب ہمیں جو دین ملا گھر کے اندر کا وہ کہاں سے ملا؟ ازواج مطہرات سے ملا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری عائشہ تو آدھا دین ہے۔ تو آدھا دین تو مردوں نے نقل کیا اور باقی آدھا دین ازواج مطہرات نے۔

او عقل کے اندھے! جو پچاس سال کی جوانی جانے کی عمر ہوتی ہے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک کے ساتھ گزاری، اس کے بعد جو دین کے تقاضوں کی زندگی تھی پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے گیارہ بیویوں کی ایک جماعت منتخب فرمائی، اس میں ایسی کون سی بات ہے جو سمجھ میں نہ آنے والی ہو؟ تم اپنی بیوی سے تعلق رکھتے ہو، تنہائی میں بیٹھ کر وعدے لیتے ہو، ہم جو کچھ ہوگا آپس میں لڑلیں گے، ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ لیں گے، کمرے سے باہر نکل کر بات دوسروں کو نہیں کرنی کہ کسی کو پتہ نہ چلے ہماری اندر کی باتوں کا۔ تیری زندگی تو ایسی کہ بیوی سے وعدے لیتے ہو کہ کمرے سے باہر بات نہ کرنا۔ اور میرے محبوب کی زندگی دیکھو! قربان جائیں ایسی پاکیزہ زندگی پر، اپنے گھر میں اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ تم جو کچھ مجھے گھر کے اندر کرتے ہوئے دیکھتی ہو تمہارے اوپر فرض ہے کہ تم اس کو لوگوں تک پہنچاؤ، یہ بھی دین ہے۔ یہ تھی نکھری ہوئی زندگی۔ تو بدگمانی کا کیا، بدگمانی کرنے والے تو اپنے نبی علیہ السلام پر بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔ تو

بدگمانی کی کوئی انتہا نہیں یہ ذہن میں رکھنا، لوگ تو آج اللہ تعالیٰ سے بھی بدگمان پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بدگمانی:

حالت ہماری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھی بدگمان ہوتے ہیں۔ایک خاتون نے فون کیا اور کہنے لگی کہ دعا کیجیے، پتہ نہیں کہ میرا گھر بسے گا یا نہیں۔لیکن حالت میرے خاوند کی یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے بڑی دعائیں مانگی ہیں، یہ کیا ہے وہ کیا ہے، اللہ نے میری دعائیں قبول نہیں کیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اندر بھی فیورٹ ازم ہے۔ اب بتایئے اس کا ایمان کہاں بچا؟ کہ جی اللہ تعالیٰ کے اندر بھی فیورٹ ازم ہے۔ مولویوں کی دعائیں قبول کرتے ہیں جو داڑھی نہیں رکھتا اس کی قبول نہیں کرتے۔یہ ہے بدگمانی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ۔اپنے ایمان کی خیر مناؤ!

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم نے اور فرعون نے بہت الزام لگائے۔قارون نے الزام لگایا پتہ نہیں کیا کیا لگایا؟ دنیا بہت کچھ لگا دیتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام تنگ ہوگئے۔حتیٰ ایک دفعہ کوہ طور پر گئے اور کوہ طور پر جا کر عرض کیا: اے اللہ! لوگوں کی زبانوں کو میرے بارے میں بند فرما دیجیے۔اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: اے موسیٰ! لوگوں کی زبانیں میرے بارے میں بند نہیں ہوتیں، میں تمہارے بارے میں کیا بند کروں گا۔

رونے کا مقام:

بدگمانی بھی عجیب پردہ ہے۔رونے کا مقام ہے کہ تیس تیس سال سے جانتے ہیں ایک آدمی کی زندگی کو پھر اس سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ارے تیس سال کی زندگی اس کی تمہارے سامنے تھی، اندھے تھے! عقل نہیں تھی! دیکھتے نہیں تھے! اس کی زندگی

کے شب و روز۔ تیس سال کی دیکھی ہوئی زندگی ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور کسی کی ایک اتنی سی بات پر بدگمانی ہوگئی۔ اف ہے تمہاری عقل پر، تمہیں تمہاری ماں روئے، جب کل قیامت کے دن کھڑے ہو کر جواب دو گے کہ تم کسی کے بارے میں کیوں بد گمان تھے۔ اور جب کوئی تمہارے گلے میں شکنجہ ڈالے گا اور تمہاری گردن پکڑے گا کہ تم کیوں بدگمانیاں کرتے تھے اس وقت تمہیں جواب دینا پڑے گا۔ یہ باطنی بیماری ہے، ایمان والوں کے ساتھ بدگمانی۔

تو چونکہ پچھلے کئی دنوں سے بار بار یہ سوال آرہا تھا تو اس لیے دل میں بات آئی کہ اس کو ذرا ایک دفعہ بیٹھ کر تسلی سے سمجھا دیا جائے۔ کہ یہ بدگمانی اصل میں اپنے دل کی کیفیت دوسرے میں نظر آرہی ہوتی ہے، اس لیے رونا اپنے اوپر چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان والوں سے بدگمان ہونے سے محفوظ فرمالے۔ اپنے نفس کو سمجھائیں کہ مجھ سے تو قیامت کے دن میرے بارے میں سوال ہوگا دوسرے کے بارے میں تو سوال نہیں ہوگا۔ اس لیے اپنے بارے میں فکر کرنی چاہیے: ؎

نہ تھی جو اپنی برائیوں کی خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے:

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اسی لیے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کرنے کی وجہ سے پانچ مہینے تہجد کی نماز سے محروم رہا۔ کسی نے پوچھا کہ کونسا گناہ؟ فرمایا کہ ایک بندہ رو رو کر

دعائیں مانگ رہا تھا، میں نے اس کی طرف دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ ریا کاری کر رہا ہے۔ میرے دل میں فقط گمان گزرا کہ یہ ریا کاری کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر پکڑ کر لی کہ تم نے یہ سوچا ہی کیوں کہ یہ ریا کاری کر رہا ہے۔ مجھے پانچ مہینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رات کی مناجات سے محروم کر دیا کہ تم میرے ساتھ مناجات کرنے کے قابل ہی نہیں۔ تو بدگمانی ایسا مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بیماری سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

(آل عمران:۱۸۵)

تعجب کی آٹھ باتیں

بیان: محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: یکم فروری ۲۰۰۸ء

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اقتباس

آپ کو اگر کہا جائے کہ جی آپ کو چند سال کے لیے ہم یہ پکا محل دیں گے اور یہ کچا مٹی کا گھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کا ہوگا تو دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں۔ تو آپ سوچ کر کہیں گے کہ مجھے وہ گھر چاہیے جو ہمیشہ میرا ہوگا، حالانکہ وہ مٹی کا بنا ہوا کچا گھر ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی یہی کہا: اے میرے بندو! یہ دنیا کی زندگی کا گھر تمہارا عارضی گھر ہے اس میں رہ کر تم میرے حکموں کو پورا کرلو تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہیں پکا گھر عطا کردوں گا۔ یہاں تو دنیا کے پیچھے ایسے ہاتھ دھو کے پڑے ہوئے ہیں کہ جو پیدل چلتا ہے وہ سائیکل والے کو دیکھتا ہے۔ سائیکل والا موٹر سائیکل والے کو، موٹر سائیکل والا کار والے کو اور کار والا اگلے ماڈل دیکھتا پھرتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

تعجب کی آٹھ باتیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥
﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (ال عمران:۱۸۵)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

کافراور مومن کے تصورِ زندگی میں فرق:

زندگی کے متعلق لوگوں کا تصور مختلف ہوتا ہے۔ دہریوں کا یہ تصور ہے کہ ہم خود بخود پیدا ہوئے اور یہ زندگی مزے اڑانے کے لیے اور عیش کرنے کے لیے ہمیں ملی ہے۔ لہٰذا وہ اسی دنیا کی زندگی کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہوئے عیش و مستی کی زندگی گذارتا ہے۔ مومن کی زندگی کا تصور بالکل مختلف ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ نے پیدا کیا، یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے، میں دارلامتحان میں ہوں، قیامت کے دن اس کا حساب ہو گا، اچھائی کا بدلہ ملے گا، برائی کی سزا ملے گی۔

چنانچہ ان کی زندگی مختلف انداز سے بسر ہوتی ہے۔ مومن اس دنیا کی خوشی کو بھی عارضی سمجھتا ہے، غم کو بھی عارضی سمجھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ دنیا فنا کے داغ سے داغدار ہے، ہر چیز فانی ہے، ہر چیز عارضی ہے۔ کافر سمجھتا ہے کہ میں جینے کے لیے دنیا میں آیا ہوں، مومن سمجھتا ہے کہ مرنے کے لیے دنیا میں آیا ہوں۔ کافر کہتا ہے جیو اور

جینے دو، اچھا جیو اور اچھا جینے دو۔ مؤمن کہتا ہے کہ اچھا مرو اور مرنے دو۔ یعنی ایسی زندگی گزارو کہ تمہیں موت اچھی آجائے، تمہارا انجام اچھا ہو جائے، اللہ رب العزت کی نظر میں تم پسندیدہ بن جاؤ۔

اور اس لیے مؤمن کو اس دنیا کی پریشانیاں پریشان نہیں کرتیں۔ بڑی بڑی مصیبتیں آتی ہیں، آزمائشیں آتی ہیں، لیکن وہ انتہائی صبر وتحمل سے اس کو برداشت کر لیتا ہے۔ وہ جانتا ہے یہ چند روزہ زندگی بالآخر ختم ہونے والی ہے، یہ ڈھلتی چھاؤں ہے، بالآخر ہمیں اس دنیا سے آگے جانا ہے۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِلِدُوْا لِلتُّرَابِ وَاجْمَعُوْا لِلْفَنَاءِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

(کنز العمال، رقم ۴۳۰۴۰)

دنیا کا دھوکا:

یہاں جو بچہ پیدا ہو رہا ہے وہ مرنے کے لیے، جو مکان بن رہا ہے، وہ گرنے کے لیے۔ انجام تو اس کا بالآخر یہی ہے۔ اس لیے اس دنیا میں اربوں کھربوں انسان آئے اور سب یہاں سے چلے گئے۔ یہ ایک گزرگاہ ہے، یہ ایک مسافر خانہ ہے، لیکن اس کے اندر کھچاوٹ ایسی ہے کہ بندے کا دل لبھا لیتی ہے اور بندہ اپنے اصل کو بھول کر انجام کو بھول کر اس دنیا میں مست ہو جاتا ہے۔ اس لیے آج کسی نوجوان لڑکی سے کہا جائے کہ اٹھو نماز پڑھو! تو جواب ملتا ہے کہ میں کون سی دادی اماں بن گئی ہوں؟ گویا اس کے ذہن میں یہ تصور ہے کہ اماں دادی بن کر پھر نمازیں پڑھتے ہیں۔ نوجوان بچے کو نیکی کی تلقین کرو تو اس کے ذہن میں ایک تصور ہے کہ پہلے پڑھوں گا، پھر جاب کروں گا، پھر مکان بنواؤں گا، پھر میری شادی ہوگی، بچے ہوں گے اور پھر جا کر نیکی کی زندگی گزاروں گا، یہی دھوکا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، اچھے اچھوں کو دھوکا لگ جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے دو لفظوں میں پوری بات کو

سمیٹ کے رکھ دیا، فرمایا:

((اَلدُّنیَا حُلْوَۃٌ خضرۃ)) (الجمع بین الصحیحین، جزء۲، ۳۵۸)

''دنیا بڑی میٹھی اور بڑی سرسبز ہے''

میٹھی چیز کھاتے رہنے کو دل کرتا ہے، پیٹ بھر جاتا ہے جی نہیں بھرتا۔ یہی دنیا کا معاملہ ہے کہ یہاں کی عیش سے انسان کا جی نہیں بھرتا اور انسان لمبی امیدیں پھر باندھ لیتا ہے۔ یہ کروں گا، وہ کروں گا، پھر یہ کروں گا۔ جیسے اس نے دنیا میں مرنا ہی نہیں۔

﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ (الشعرآء:۱۲۹)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم ایسے گھر بناتے ہو جیسے تم نے تو ہمیشہ انہیں گھروں میں رہنا ہے۔ تو مؤمن کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اس چیز کو ذہن میں رکھے کہ میں مہمان ہوں اور بالآخر مجھے جانا ہے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ)) (الترمذی رقم:۲۹۷۷/۱)

''لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کو یاد رکھو''

جب یہ بات ذہن میں رہے گی کہ بالآخر مجھے جانا ہے تو پھر یہاں کی ہر چیز عارضی نظر آئے گی۔

80 سالہ بوڑھے کو دھوکا:

ایک مرتبہ ہمارے ایک دوست کہنے لگے کہ جی میرے دادا ہیں، عمر اسی سال ہو گئی ہے، نماز نہیں پڑھتے، آپ ان سے کچھ نصیحت کی بات کریں۔ خیر ملاقات ہوئی سلام دعا کے بعد میں نے ذرا اچھے انداز میں بات شروع کی کہ جی آپ کے پاس بہت وقت فارغ ہوتا ہے، اب تو اللہ ہی کی یاد ہے اور نماز ہی ہے اور اس کے علاوہ تو کام ہے ہی نہیں۔ جیسے ہی میں نے نماز کا نام لیا، بوڑھے نے اپنا گھٹنا پکڑا اور کہنے لگا: پیر صاحب! بس گھٹنے کی درد ہے، دعا کرو! یہ ٹھیک ہو جائے پھر میں نماز شروع کروں

گا، اب آپ ذرا سوچیے کتنا بڑا دھوکا ہے! جو اسی سال کی عمر میں اس انتظار میں ہو کہ گھٹنے کا درد ٹھیک ہو گا پھر نماز شروع کروں گا، اسے دھوکا نہ کہیں تو کیا کہیں؟ لکھے پڑھوں کو دھوکا لگتا ہے۔ جن کو ہم کہتے ہیں ناجی بڑے ایم ایس سی، پی ایچ ڈی ہیں اور ہائی جنٹری ہیں، سب دھوکے میں ہوتے ہیں۔ کیوں؟ موت کو بھولے ہوتے ہیں۔

ایک سیکرٹری صاحب کو دھوکا:

چنانچہ ایک مرتبہ ایک سیکرٹری صاحب تھے جو پنجاب کا بجٹ بناتے تھے۔ اس لیول کے سمجھدار آدمی جو پورے صوبے کا بجٹ بناتے تھے اور بہت قابل اور شریف النفس انسان تھے، بہت با اخلاق انسان تھے۔ ان کے ہاں جانا ہوا، پتہ چلا کہ نماز نہیں پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پوتے سے نوازا، اس وقت ان کی ریٹائرمنٹ ہو چکی تھی۔ اب جب بندے کی ریٹائرمنٹ ہو جائے تو صاف ظاہر ہے وہ ساٹھ پینسٹھ سے اوپر پہنچ چکے تھے۔ پوتے کو انہوں نے اٹھایا ہوا تھا، ان کے سامنے میں نے نماز کی بات کی تو سن کے کہنے لگے: حضرت! آپ نے بہت اچھی بات کہی، اور میں نے بھی نیت کی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کیا نیت کی ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے یہ نیت کی ہے کہ اپنے اس پوتے کو حافظ بنانا ہے، جس دن اس نے پہلی مرتبہ نماز پڑھانی ہے، میں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی پکی نیت کر لی ہے۔ اب اس کو دھوکا نہ کہیں تو کیا کہیں؟ اتنا لکھا پڑھا بندا، اتنا تجربہ کار بندہ، یعنی ہزاروں میں ایسا تجربہ کار بندہ کوئی نہیں ہو گا جیسے وہ تھے مگر دھوکا لگا ہوا تھا۔ کیا ان کو یقین تھا کہ بچہ حافظ بن جائے گا؟ کیا ان کو یقین تھا کہ بچے کے بالغ ہونے تک وہ زندہ رہیں گے؟ اس لیے دنیا کو کہا گیا کہ یہ دھوکے کا گھر ہے۔ اور یہ دھوکا لگتا ہے، اکثر کو لگتا ہے۔ اس کی پہچان کیا کہ اللہ کے حکموں کو توڑتے ہیں، نبی علیہ السلام کی سنت سے رخ موڑتے ہیں، من مرضی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ بالکل جانوروں کی طرح زندگی گذارتے ہیں، جیسے ہمیں کوئی

پوچھنے والا ہی نہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (العمران:۱۸۵)

آٹھ تعجب کی باتیں

ایک بزرگ فرماتے تھے: آٹھ باتیں بڑے تعجب کی ہیں۔

پہلی بات:

فرماتے تھے:

''مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو جانتا ہے کہ مجھے موت آنی ہے پھر قہقہہ لگا کر ہنستا ہے۔''

جس بندے کو پھانسی کا حکم ہو جائے، اس کے چہرے پہ ہنسی نہیں ہوتی۔ اور ہمیں پتہ ہے کہ موت آنی ہے اور موت کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ موت قینچی سے کتر دینے زیادہ سخت ہوتی ہے، دیگ میں بھون دینے سے زیادہ تکلیف دے ہوتی ہے۔ آسان سی مثال ہے کبھی آگ پر چولہے پر کام کرتے کرتے آپ کی انگلی جلے کتنی تکلیف ہوتی ہے! کتنی دیر تک ہاتھ میں تکلیف رہتی ہے! کیوں؟ اس لیے کہ جو حصہ جلا اس میں سے روح سمٹ کے باقی حصہ میں آ گئی، اگر اتنے تھوڑے سے حصے سے روح سمٹ جائے تو اتنی تکلیف ہوتی ہے جب پورے جسم سے اسے سمیٹ لیں گے تو پھر کیا ہوگا۔

نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک صحابی بیمار تھے اور ملک الموت آئے، انہوں نے روح نکالنے کے لیے ان کے سینے میں انگلی رکھ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے بہت پیار تھا، فرمایا: ملک الموت آسانی کر۔ عرض کیا: اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اللہ کا

حکم ہے جو آپ کے اصحاب ہیں صحبت یافتہ ہیں، میں ان کی روح بڑے آرام سے نکالتا ہوں۔ ان کی روح تو ایک انگلی سے نکال رہا ہوں اور عام آدمی کی روح نکالنے کے لیے میں اس کی روح میں پنجہ گاڑ دیا کرتا ہوں۔ جس وقت ملک الموت آکر پنجہ گاڑے گا سب نشے ہرن ہو جائیں گے، سب مستیاں بھول جائیں گی۔ پھر انسان سوچے گا کہ کاش میں اللہ رب العزت کی نافرمانی نہ کیا کرتا، ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔''

کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قوم نے پوچھا کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں تو وہ ان کو ایک قبر پر لے گئے اور قبر کے اندر جو میت تھی اس کو پکار کر کہا: قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ نے ان کو معجزہ دیا تھا یُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ کے حکم سے تھوڑی دیر کے لیے وہ مردہ زندہ ہو جاتا تھا۔ ایک نوجوان اٹھا، بال سفید تھے، عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے گفتگو کی۔ اس نے بتایا کہ مجھے جوانی میں موت آئی، میں فلاں کا بیٹا ہوں، مجھے مرے ہزاروں سال گزر چکے۔ آپ نے پوچھا کہ جوانی میں موت آئی تو تمہارے بال سفید کیوں ہیں؟ اس نے کہا کہ موت کی تکلیف ہزاروں سال کے بعد آج بھی میں اپنے جسم میں محسوس کر رہا ہوں۔ اور جب قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کی آواز سنی تو میں سمجھا کہ قیامت کا دن آگیا۔ اس دن کی ہیبت نے میرے کالے بالوں کو بالکل سفید کر دیا۔

﴿ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا ﴾ (المزمل:۱۷)

جس دن کی سختی بچوں کو بوڑھا کر دے گی۔

دوسری بات:

دوسری بات فرمائی:

''تعجب ہے اس شخص پر جو جانتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے پھر اس کے

حاصل کرنے میں رغبت کے ساتھ لگا ہوا ہے۔''

آپ کو اگر کہا جائے کہ جی آپ کو چند سال کے لیے ہم یہ پکا محل دیں گے اور یہ کچا مٹی کا گھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کا ہوگا تو دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں۔ تو آپ سوچ کر کہیں گے کہ مجھے وہ گھر چاہیے جو ہمیشہ میرا ہوگا، حالانکہ وہ مٹی کا بنا ہوا کچا گھر ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی یہی کہا: اے میرے بندو! یہ دنیا کی زندگی کا گھر تمہارا عارضی گھر ہے اس میں رہ کر تم میرے حکموں کو پورا کر لو تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہیں پکا گھر عطا کر دوں گا۔ یہاں تو دنیا کے پیچھے ایسے ہاتھ دھو کے پڑے ہوئے ہیں کہ جو پیدل چلتا ہے وہ سائیکل والے کو دیکھتا ہے۔ سائیکل والا موٹر سائیکل والے کو، موٹر سائیکل والا کار والے کو اور کار والا اگلے ماڈل دیکھتا پھرتا ہے۔ جو جہاں پہ ہے اطمینان نہیں ہے، زیادہ کے حصول کا متمنی ہے۔ حالانکہ یہاں کی خوشیاں بھی عارضی، جو اللہ نے ہمیں جوانیاں دیں یہ بھی عارضی۔

حج میں ایک بوڑھے میاں صاحب تھے، پاس بیٹھے ہوئے کسی نے پوچھ لیا کہ آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ کہنے لگے کہ جسم تو ہو گیا ہے پچھتر سال کا، دل پچیس سے اوپر نہیں گیا۔ دل پچیس سے اوپر نہیں جاتا، وہ پچیس کا ہی رہتا ہے۔ اس لیے دنیا کو دھوکے کا گھر فرمایا گیا کہ دنیا دھوکے کا گھر ہے۔ اس لیے موت کا تذکرہ اچھا نہیں لگتا، مرنا اچھا نہیں لگتا، ورنہ جس بندے نے آخرت کی تیاری کی ہوتی ہے اسے انتظار ہوتا ہے کہ کب اس قید خانے سے میری جان چھوٹے گی۔ شریعت نے کہا کہ جب بچہ پیدا ہو تو ایک کان میں اذان اور دوسرے میں اقامت کہہ دی جاتی ہے۔ پھر جب بندہ فوت ہوتا ہے تو نماز جنازہ ادا کر دی جاتی ہے۔

آتے ہوئے آذان ہوئی جاتے ہوئے نماز
اتنی ذرا سی دیر میں آئے اور چلے گئے

ایک بادشاہ نے محل بنوایا اور اعلان کیا کہ اس میں اگر کوئی عیب نکالے گا میں اس کو انعام دوں گا۔ کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا تھا، ایسا بہترین اور خوبصورت محل تھا۔ ایک بزرگ نے دیکھا، کہنے لگے: میں بتاتا ہوں اس میں دو عیب ہیں۔ لوگ اس کو لے گئے بادشاہ کے پاس۔ بادشاہ نے کہا: تمہیں اس میں کون سے دو عیب نظر آتے ہیں؟ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! دو عیب یہ ہیں، ایک تو یہ محل ہمیشہ نہیں رہے گا اور دوسرا آپ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

تیسری بات:

تیسری بات فرماتے تھے:

''تعجب ہے اس شخص پر جو جانتا ہے کہ ہر چیز مقدر سے ہے پھر اس کے جاتے رہنے پر افسوس کرتا ہے۔''

جب دل میں یہ یقین ہے کہ جو مقدر میں ہے وہ ملے گا تو اگر کوئی چیز نہیں ملتی تو افسوس کیوں؟ یہ سوچنا چاہیے کہ وہ میرے نصیب میں نہیں تھی، میرا مقدر نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن مجید میں کہا:

﴿لِكَيْ لَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا﴾ (الحدید:۲۳)

''جب کوئی چیز ہاتھ سے چلی جائے تو افسوس نہ کرو اور اگر کوئی مل جائے تو تمہیں اس کی خوشی حد سے باہر نہ کر دے''

کہتے ہیں! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تجارتی جہاز باہر سے آنا تھا، ایک بندہ آیا اس نے کہا: حضرت! سمندر میں طوفان آ گیا اور آپ کا جو جہاز آنا تھا، پتہ یہ چلا کہ وہ جہاز غرق ہو گیا، ڈوب گیا، انہوں نے کہا: ''الحمد للہ'' کچھ دیر کے بعد پھر اطلاع آئی کہ جی ڈوبتے ڈوبتے وہ جہاز بچ گیا تھا اور خیریت سے کنارے

لگ گیا۔ جب یہ اطلاع ملی تو پھر فرمایا ”الحمدللہ“ تو پاس میں بیٹھے والے نے پوچھا کہ حضرت ڈوبنے کی خبر پر بھی ”الحمدللہ“ اور کنارے لگنے کی خبر پر بھی ”الحمدللہ“ کہا اس کی کیا وجہ؟ تو فرمایا ہاں جب ڈوبنے کی خبر ملی تو میں نے اپنے دل میں جھانک کر دیکھا تھا تو میرے دل میں اس کے ڈوبنے پر کوئی افسوس نہیں تھا تو میں نے کہا ”الحمد للہ“ جب کنارے لگنے کی خبر ملی تو پھر میں نے اپنے دل کو دیکھا تو میں نے دیکھا کہ میرے دل میں کوئی خوشی نہیں تھی تو میں نے پھر کہا ”الحمدللہ“ جن کا اللہ پر یقین ہوتا ہے ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ جو ملتا ہے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں آپے سے باہر نہیں ہوتے اور اگر کچھ نہیں ملتا تو صبر شکر کے ساتھ رہتے ہیں، وہ مایوس نہیں ہوتے۔

چوتھی بات:

چوتھی بات فرمائی:

”تعجب ہے اس شخص پر جسے آخرت میں حساب کا یقین ہے پھر بھی وہ دنیا میں مال کو جمع کرتا ہے۔“

آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ہر بندے کی یہ تمنا ہے

﴿یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ﴾ (القصص:۷۹)

”کاش ہمارے پاس بھی اتنا ہی ہو جتنا قارون کو دیا گیا“

جیسے لوگ قارون کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا جتنا اس کے پاس ہے۔ آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے، ہر بندہ یہی چاہتا ہے کہ ہمارے پاس قارون کا خزانہ ہوتا۔ یہ نہیں سوچتے کہ اللہ رب العزت ہمیں ایسا مال دے جو وبال سے خالی ہو۔ یاد رکھیں! مال جب بھی آتا ہے اپنے ساتھ وبال لے کر آتا ہے۔ مال کا کم سے کم وبال یہ ہے کہ انسان کا مرنے کو دل نہیں چاہتا۔

محل ہے، کاریں ہیں، بہاریں ہیں، خوشیاں ہیں، اس گھر کو، محل کو چھوڑنے کو کس کا دل چاہتا ہے؟ مرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ یہ کم سے کم وبال ہے اور اس سے اگلا وبال: جہاں آسائشوں کے دروازے کھلتے ہیں وہاں گناہوں کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ خود گناہوں سے بچے گا، اولاد پھنس جائے گی۔ اس لیے جب بھی مال مانگیں وبال سے خالی مال مانگیں۔ اے اللہ! ایسا مال دے جس کے اندر وبال نہ ہو۔ جو آئے تو ہم ایمان اور شریعت پر زندگی گذاریں۔ کیا فائدہ اس مال کا کہ انسان کو تر لقمہ تو مل گیا لیکن اس کی اولاد دین سے دور ہوگئی۔

ایک بڑے میاں بڑے خوش ہو کے بیٹے کے بارے میں بتا رہے تھے کہ بڑا پڑھا لکھا ہے جی، بڑا اس کا کاروبار چمک رہا ہے جی، اور آخر پر کہتا ہے، بس تھوڑا سا دھریہ بن گیا ہے۔ اب بتائیں! باپ اس مال پر کیوں خوش ہو رہا ہے جب بچہ ہی دھریہ بن گیا؟

ایک ہوتے ہیں مال دار اور ایک ہوتے ہیں مال کے چوکیدار۔ مال دار تو وہ ہوتا ہے جس کو اللہ نے تو خوب نوازا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اللہ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے۔ اور مال کے چوکیدار وہ ہوتے ہیں جو صبح اٹھ کر بنک بیلنس دیکھتے ہیں، اب کتنا ہوگیا؟ اب میرے اکاؤنٹ میں اتنے لاکھ آگیا، اب اتنے کروڑ ہوگیا۔

حَلَالُهَا حِسَابٌ وَ حَرَامُهَا عَذَابٌ

''حلال کا حساب ہوگا اور حرام کی وجہ سے عذاب ہوگا''

حلال بھی ہوگا تو حساب دینا پڑے گا اور حرام ہوگا پھر تو عذاب میں جلنا پڑے گا۔ اس لیے اللہ سے دعا مانگیں کہ اللہ اتنا دے کہ غیر کی محتاجی نہ ہو، اور وبال سے خالی مال دے۔

حدیث پاک میں آتا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

میری امت کے غربا میری امت کے امرا سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِيْ مَسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ)) (سنن ابن ماجہ: ۱۲/۱۵۴)

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهٗ وَ مَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهٗ وَ لَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهٗ)) (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۳۶۵۸۴)

''دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور اس مال کو وہ جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل کی رتی نہیں ہوتی''

کیوں؟ حساب اسے دینا پڑے گا اور عیش اس کی آنے والی اولاد کرے گی اور آج آپ اگر دیکھیں اکثر جو رشوت لی جاتی ہے، ملاوٹ کی جاتی ہے، دھوکے سے مال کمایا جاتا ہے بہانہ اولاد۔

چنانچہ ایک رشوت لینے والے سے کسی نے پوچھا: جی آپ رشوت کیوں لیتے ہیں؟ تو کہتے ہیں: مولوی صاحب! ہم نے تو دو روٹی کھانی ہے، بس اتنا ہے کہ اولاد اچھا پڑھ جائے اور اچھا کھا جائے۔ دیکھیں کہ اولاد کی خاطر اپنے لیے جہنم کمائی، اسی لیے اولاد کو فتنہ کہا گیا

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن: ۱۵)

یہ تمہارے لیے آزمائش ہے

تو اگر اللہ رب العزت یہ نعمت کسی کو دیں تو چاہیے کہ اس نعمت کو اللہ کے راستے میں خوب خرچ کرے، آخرت کے لیے اس کو خرچ کرے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے، آپ بیت المال سے بہت تھوڑا مشاعرہ لیتے تھے۔ چند صحابہ جمع ہوئے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے بیٹھ کر سوچا کہ امیر المؤمنین بہت تھوڑا لیتے ہیں، ماہانہ گھر کے اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے، تو ماہانہ تو بڑھانا چاہیے۔ سب متفق ہو گئے، ہاں بڑھنا چاہیے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان کے سامنے کہے کون؟ کیونکہ سب کو یقین تھا جو ان کو یہ مشورہ دے گا، اُسے درے لگیں گے۔ اب ڈر اور خوف سے کہہ کوئی نہیں سکتا تھا۔ تو مشورہ یہ ہوا کہ ان کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں، ان کو یہ مشوہ دے دیا جائے اور وہ اپنے والد سے یہ بات کسی موقعہ پر کر لیں۔

چنانچہ سب نے ام المؤمنین تک یہ بات پہنچائی۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والدِ گرامی سے یہ بات کی کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنا ماہانہ بڑھا لیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو پوچھا: حفصہ! کس نے یہ کہا؟ فرمایا: نہیں میں نام نہیں بتاؤں گی۔ کہنے لگے: حفصہ! اگر تو نام بتا دیتی تو میں اس کی درے سے خبر لیتا۔ اور پھر یہ کہا: حفصہ! تو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں زندگی گذاری، تو بتا میرے آقا کی زندگی کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: گیرو رنگ کے دو کپڑے تھے، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قافلوں کے آنے کے وقت پہن لیا کرتے تھے۔ چٹائی پہ لیٹ جاتے تھے، کھجور کی چھال کا تکیہ سر کے نیچے ہوتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ روٹی بناتے ہوئے، گھی کے ڈبے کی تل چھٹ میں جو بچا ہوا ہوتا ہے وہ روٹی پر لگا دیا تو میں نے دیکھا، نبی خود بھی شوق سے کھا رہے تھے دوسروں کو بھی کھلا رہے تھے۔ ایک دن نبی علیہ السلام کھاتے تھے اگلے دن فاقہ آجاتا تھا، تین دن ایسے متواتر نہیں گزرے کہ تینوں دن پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے آقا نے ایک طرز پر زندگی گزاری، اگر میں اس طرز پر زندگی نہیں گزاروں گا تو میری منزل بھی بدل جائے گی۔ میں اسی راستے پر چلوں گا، یہ ہمارے اکابر تھے۔ اور آج ہم بیٹھ کر

دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں، یہ بھی مل جائے، یہ بھی مل جائے، ہاں دین کا کام کرنے کے لیے سب کچھ مانگ لیجیے۔ مگر فقط دنیا کے عیش و آرام کے لیے انسان حرام کام کرے، حرام طریقے سے مال کمائے یہ تو جہنم کمانے والی بات ہے۔

پانچویں بات:

فرمایا:

''تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا پتہ ہو اور پھر بھی وہ گناہ کرے۔''

جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((اِشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضُ بَعْضًا))

(سنن الترمذی: ۲۵۱۷)

''جہنم کی آگ نے اللہ کے سامنے یہ شکایت کی کہ یا اللہ! میرے بعض حصے اتنے گرم ہیں کہ وہ میرے بعض دوسرے حصوں کو کھا گئے''

اتنی گرم آگ! اس آگ کے اندر انسان کو بھی جلایا جائے گا۔

بچے کو سکول میں پڑھایا جاتا ہے تو آگ جو جلتی ہے اس کے شعلے کے حصے بتائے جاتے ہیں۔ اس میں بتایا جاتا ہے کہ اس میں جو سب سے اندرونی حصہ ہے وہ پیلے رنگ کا ہے۔ اس سے ذرا باہر کا حصہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے جو اس سے قدرے زیادہ گرم ہوتا ہے اور جو نیلے رنگ کا حصہ ہے وہ بالکل باہر کا حصہ ہوتا ہے اور وہ اس سے بھی زیادہ گرم ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی گرم حصہ ہے آخری حصہ وہ نظر ہی نہیں آتا۔ تو معلوم ہوا کہ آگ جتنی زیادہ گرم ہوتی جائے اتنی ہی وہ کالی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا کہ جہنم کی آگ جتنی زیادہ تیز ہوگی اس جگہ پر اتنا ہی زیادہ اندھیرا ہوگا۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، ایک سٹیل مل جانے کا موقعہ ملا۔ وہاں پر تو لوہا اس طرح پگھلاتے ہیں کہ لوہے کی چھوٹی سی نہر پانی کی طرح بہہ رہی ہوتی ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہمارے فرنس کا ٹمپریچر اتنا ہوتا ہے کہ آگ نظر ہی نہیں آتی لیکن اتنی گرم ہوتی ہے کہ لوہا اندر جاتے ہی پگھل جاتا ہے۔ اس آگ کو دیکھ کر میں دل میں سوچ رہا تھا یا اللہ! جہنم کی آگ کیسی ہوگی؟ تو آج کے یہ گناہ جہنم کی اس آگ میں انسان کو لے کر جائیں گے۔ اس لیے گناہوں سے ہمیں توبہ کر کے نیکوکاری والی زندگی کی دل میں نیتیں کرنی چاہیے۔ لمحوں نے خطائیں کی صدیوں نے سزا پائی۔ چند لمحوں کی خطاؤں کی خاطر صدیوں انسان کو آگ میں جلنا پڑے گا۔ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا پتہ ہو اور اس کے بعد پھر وہ اللہ کی نافرمانی کرے

چھٹی بات:

فرمایا:

"تعجب ہے اس شخص پر جس کو جنت کی نعمتوں کا علم ہو اور پھر وہ کسی اور چیز سے راحت پائے۔"

جب جنت کا تعارف ہو گیا کہ اللہ رب العزت نے وہ کیسی جگہ بنائی ہے تو اب مؤمن کو تو چاہیے کہ بس جنت میں پہنچ کر ہی دم لے۔ اللہ سے ہر وقت جنت ہی کی طلب کرے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا سکھائی:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ))

تو مؤمن کے دل میں یہ تمنا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پسندیدہ جگہ جنت عطا فرمائیں۔ اللہ رب العزت نے بلایا ہے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ﴾ (یونس:۲۵)

''اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی والے گھر کی طرف بلاتا ہے''

اللہ تعالیٰ دعوت دیتے ہیں جنت کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہاں کے لیے بلایا ہے تو پھر ہم ایسے اعمال کریں کہ جنت پہنچ کر ہی دم لیں۔ مگر یہ جنت نیکی سے ملتی ہے۔ سب سے اعلیٰ چیز جو جنت میں ہوگی وہ اللہ کی رضا اور اللہ کا دیدار ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی بڑی نعمت ہو نہیں سکتی کہ بندے کو وہاں اپنے پروردگار کا دیدار نصیب ہوگا۔ پھر اس کے بعد جو بڑی نعمت ہوگی وہ انبیائے کرام کے ساتھ ملاقات ہوگی، سیدنا رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوگی۔ تو اللہ رب العزت سے یہ نعمت ہمیں مانگنی چاہیے۔

﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (القمر:۵۵)

ہمیں اس مالک الملک جل شانہ کی وہاں مجلس نصیب ہو جائے جہاں ان کا دیدار ہوگا۔

اصل تو جنت میں انسان کو عیش ہوگی اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ)) (المعجم الکبیر، رقم:۵۹۴۹)

''آخرت کے عیش کے سوا تو کوئی عیش نہیں''

اور وہاں پر اللہ رب العزت بندے کو چھوٹی سی خدائی دے دیں گے۔

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾

(حم السجدہ:۳۱)

''تمہارے لیے وہاں وہ کچھ ہوگا جو تم چاہو گے اور مانگو گے''

دنیا میں مہمان آتے ہیں تو میزبان کوشش کرتا ہے کہ ان کو ایسی چیزیں دوں کہ یہ خوش ہو جائے مگر ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق تو نہیں بنا سکتا۔ اللہ رب العزت

مالک الملک ہیں، وہ خالق ہیں، انہوں نے جنت ایسی بنائی ہے، فرمایا: میرے آنے والے مہمانو! جو تمہارے دل میں خواہش پیدا ہوگی، تمہاری ہر خواہش کو وہاں پورا کر دیا جائے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ کھالیں کھچوا کر اور بوٹیاں نچوا کر بھی اگر ہم جنت پہنچ گئے اور ہم نے اللہ کا دیدار کر لیا یہ بھی بہت سستا سودا ہے۔

ساتویں بات:

فرمایا:

''تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھتا ہے اس کے باوجود اسی کی اطاعت کرتا ہے۔''

ایک طرف تو ہم کہتے ہیں کہ شیطان دشمن ہے اور اللہ رب العزت نے بھی بتلا دیا:

﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾

''شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی بنا کے رکھو''

ہم کہتے تو ہیں کہ شیطان ہمارا دشمن ہے لیکن باتیں بھی اسی کی مانتے ہیں اور یہ شیطان ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ دیکھیں! ذرا دو باتوں پر غور کرو! اگر کوئی شخص ہو جو کسی کے ماں باپ کے جسم سے کپڑے اتروا دے تو کتنا اس کے اوپر غیرت کے ساتھ غصہ آئے گا کہ یہ ایسا دشمن ہے کہ ہمارے ماں باپ کے جسم سے کپڑے اتروا دیے۔ اور اگر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ جی ان کے کپڑے اتروا کر گھر سے بھی نکلوا دیا تو پھر غصہ اور بڑھ جائے گا کہ اس نے ماں باپ کو گھر سے نکلوا دیا۔ شیطان ہمارا وہ دشمن ہے، جس نے ہمارے ماں باپ آدم علیہ السلام اور اماں حوا علیہا السلام کے جسم سے جنت کی پوشاک بھی اتروائی اور ان کو جنت سے نکلوا کر بالآخر دنیا میں پہنچا دیا۔ اس نے قسمیں کھا کر دھوکا دیا تھا۔ ﴿وَقَاسَمَهُمَآ﴾ قرآن گواہی دے رہا ہے، جھوٹی قسمیں کھائی

تھیں۔ جس نے قسمیں کھا کے ہمارے ماں باپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہو وہ ہمارا کتنا بڑا دشمن ہے۔ اور وہ ہمارا بھی، اچھا نہیں چاہتا، ہمیں بھی جہنم میں دھکا دینے کے لیے ہر وقت کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ شیطان ہمارا وہ دشمن ہے جو کبھی رشوت قبول نہیں کیا کرتا، ایسا بد بخت دشمن ہے جو خوشامد بھی قبول نہیں کرتا۔ یہ نہیں کہ آپ تھوڑی دیر بیٹھ کے خوشامد کر لیں اور یہ کہے کہ اچھا جی میں آپ کو نہیں بہکاؤں گا۔ یا آپ رشوت دے دیں کہ بھئی رشوت لے لو میری جان چھوڑ دو! نہیں۔ جب یہ ایسا دشمن ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ شیطان کی بات ماننے کی بجائے ہم رحمان کے بندے بن کر زندگی گزاریں۔ تو ہم اپنی محفلوں میں شیطان کو برا کہتے ہیں، اپنی جلوتوں میں شیطان کو اپنا دشمن کہتے ہیں اور اپنی خلوتوں میں اسی شیطان کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ (یٰسٓ:۶۰)

''اے بنی آدم! کیا ہم نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہیں کرو گے، عبادت نہیں کرو گے۔ وہ تمہارا ظاہر باہر پکا دشمن ہے''

﴿ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ (یٰسٓ:۶۱)

''ایک میری عبادت کرو یہ ہے سیدھا راستہ''

وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (یٰسٓ:۶۲)

''تم میں سے ایک بڑی جماعت کو شیطان نے بہکا دیا تمہارے اندر عقل کی رتی نہیں''

تو ہم اللہ کی پناہ مانگیں کہ اللہ اس شیطان مردود سے ہمیں محفوظ فرما دے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے بڑھاپے میں دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے

چوری اور زنا سے بچا لیجیے! کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بوڑھے ہیں اور اس بڑھاپے میں بھی آپ یہ دعا مانگتے ہیں کہ اللہ مجھے چوری اور زنا سے بچالے تو انہوں نے فرمایا:

كَيْفَ اٰمَنُ عَلٰى نَفْسِيْ وَالشَّيْطَانُ حَيٌّ

''جب شیطان زندہ ہے تو میں اپنے نفس پر کیسے مطمئن ہو سکتا ہوں''

تو جب تک شیطان زندہ ہے ہمیں اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کوشش کرنی ہے۔ رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کی نیک بندی تھی، تہجد میں اٹھ کے دعا مانگتی تھی۔ تو ایک دعا تو یہ مانگتی تھی:

اللہ! دن چلا گیا، رات آ گئی، سب بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر دیے، تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ میں تیرے سامنے اپنا دامن پھیلاتی ہوں۔

اور اس کے بعد یہ دعا مانگتی تھی کہ اے اللہ! جس طرح آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دیا ہے، شیطان کو مجھ پر مسلط ہونے سے روک دے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھیں اور اللہ سے یہ دعا مانگیں اے اللہ! شیطان کو ہم پر مسلط ہونے سے روک دیجیے! ہمیں بچا لیجیے! اللہ کی مدد کے بغیر ہم گناہ سے نہیں بچ سکتے۔ اے اللہ! شیطان ہمیں دیکھتا ہے ہم تو اسے نہیں دیکھ سکتے، ہم اس سے غافل ہو جاتے ہیں، شیطان چوبیس گھنٹے ہمارے پیچھے لگا ہوتا ہے۔ اے اللہ! یہ ایمان کا ڈاکو ہے اس سے ہمیں بچا لیجیے! ویسے بھی دنیا کا ایک دستور ہے کہ کوئی قافلہ لٹ گیا ہو یا کسی کا مال لٹ گیا ہو تو اس پر سب کو ترس آتا ہے۔ اے اللہ! ہم لٹے ہوئے قافلے کی مانند ہیں، اس شیطان بدبخت نے ہماری کی ہوئی نیکیوں کو ضائع کروا دیا۔ کبھی ریا کے ذریعے، کبھی حسد کے ذریعے، کبھی کسی طریقہ سے ہمارے کیے ہوئے عمل ضائع کروائے۔ ہم لٹے پٹے لوگ ہیں، مولا! دنیا کے لوگ بھی لٹے

ہوؤں پر ترس کھا لیتے ہیں تو بھی ترس فرما لے اور اس مردود سے اللہ ہمیں محفوظ فرما لے۔

اور آخری وقت میں تو یہ شیطان پورا ضرور لگا دیتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا جب آخری وقت ہوا تو زبان سے لکلا: لا، پھر کہا: لا چند مرتبہ لا کا لفظ کہا پھر خاموش ہو گئے۔ شاگرد حیران! امام المحدثین ہیں، وقت کے فقیہ ہیں، ایسی شخصیت، مسئلہ خلقِ قرآن میں پہاڑ کی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا مگر آخری وقت میں لا کا لفظ کیوں زبان سے نکل رہا ہے۔ اللہ نے کیا طبیعت سنبھل گئی، تو کسی شاگرد نے پوچھا: حضرت! یہ لفظ کیسے زبان سے نکل رہا تھا؟ فرمایا: شیطان اس وقت میرے سامنے آیا اور مجھے کہنے لگا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تو ایمان بچا کے اس دنیا سے چلا گیا اور میں اس بد بخت کو کہہ رہا تھا لا (نہیں)۔ جب تک میرا آخری سانس نہیں نکل جاتا، بد بخت میں تیرے حملے سے نہیں بچ سکتا۔ اس طرح ہمارے اکابر شیطان کے حملوں سے بچتے تھے۔

آٹھویں بات:

اور آخری بات فرمائی:

”تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ رب العزت کی ذات کو جانتا ہے پھر کسی اور کی یاد سے اپنا دل بہلاتا ہے۔“

آج دلوں کو دیکھو تو مخلوق کی یادیں بھری پڑی ہیں، ایک دوسرے کو پیغام بھیجتے ہیں: میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کو بھی مس کرتے ہیں؟ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے بھی اداس ہوتے ہیں؟ جو اللہ کی عظمت کو جانتا ہے جس کو اللہ کی یاد کا لطف اور مزہ نصیب ہو گیا، اس کو اللہ کی یاد کے سوا چین اور اطمینان نہیں آتا، وہ کہتا ہے:

اللہ! تیری یادوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

''اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ، رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ''

ہماری بھی زندگی ایسی بن جائے ؎

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں، غم سے تیرے، دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زبان اے میرے الٰہ
لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ

؎ نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

اللہ! ہماری زندگی بھی ایسی بنا دے کہ ہم بھی اپنی زندگی اللہ رب العزت کی یاد میں گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا، جو دھوکے کا گھر ہے اس کے دھوکوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان کو سلامت لے کر دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ